میری کہانی

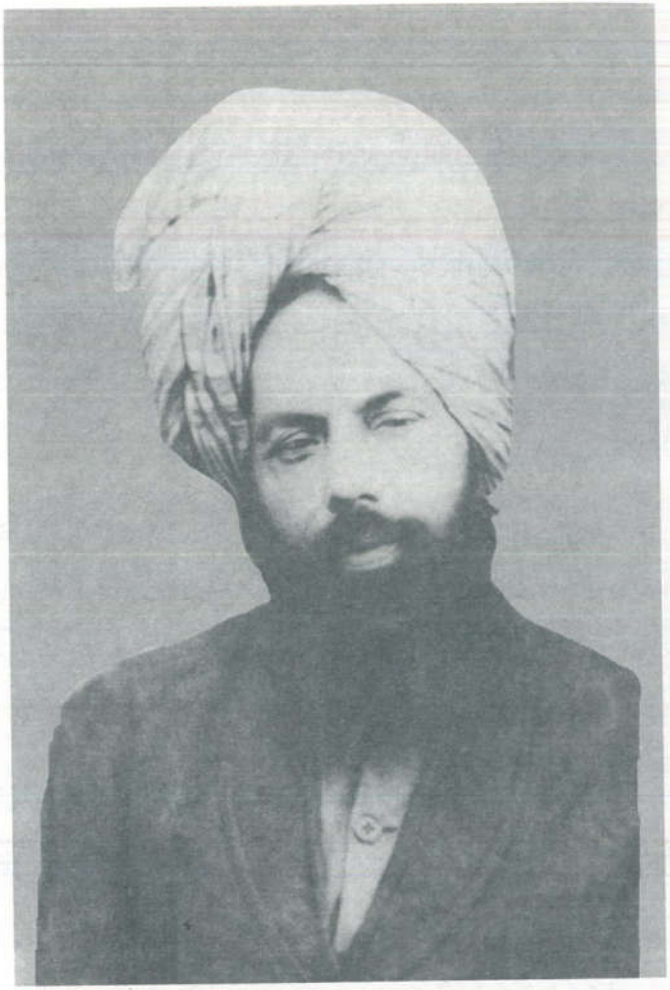
خود نوشت سوانح

حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم

میری کہانی

خود نوشت سوانح

حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم



حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام

بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

انتساب

اپنے سب سے بڑے بھائی یونس احمد اسلم کے نام جنہوں نے کراچی کی جماعت کی طرف سے 1947 کے پُر آشوب دور میں اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اولین میں اپنا نام لکھوایا اور عین نوجوانی کے عالم میں دنیا کی تمام رنگینیوں اور ارمان بھری خواہشات کو تج کر پیارے مسیح کی پیاری بستی کی حفاظت کے لیے 313 "درویشوں" کے پہلے قافلے میں شامل ہوئے۔قادیان پہنچ کر خدا کے ساتھ عہد کیا کہ اب وہ اس مقدس بستی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔

جنہوں نے خدائے پاک کی دی ہوئی زندگی کو خدا ہی کی راہ میں دینے کا عزم کیا۔تقویٰ طہارت اور دین داری کے ساتھ ہر حال میں دین کو دنیا پر مقدم رکھا اور جماعت کی خدمت کو اپنی جان پر فرض کر لیا۔نہایت نامساعد حالات میں صبر و شکر۔ایثار اور راضی برضا اپنے عزم پر ڈٹے رہے۔نہ تھکے نہ ہارے۔

1968 کے اوائل میں مختصر سی تکلیف دہ علالت کے بعد 45 سال کی عمر میں قادیان ہی میں وفات پائی اور وہیں بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔اسطرح اپنے عہد کو نبھاتے ہوئے ہمیشہ کے لیے درِ مہدی کے ہو رہے۔

اللہ تعالیٰ تمام درویشوں کی اولاد در اولاد پر اپنی رحمتوں کی بارش برساتا رہے اور اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔آمین یارب العالمین

مؤلف

الیاس احمد اسلم

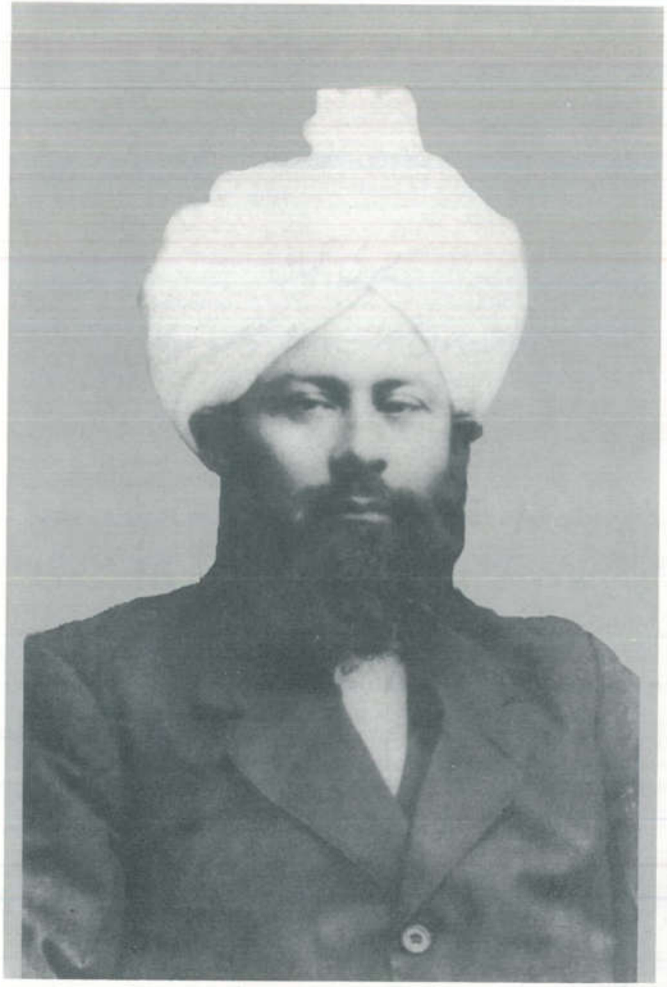
صرف احمدی احباب کے لیے

Published by :

S. A. ASLAM
13 - Avenue Road, Wellingbrough
U. K.

[redacted]

فہرست مضامین



حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح ثانی

تفصیل	صفحہ نمبر
بمبئی میں لیکچر ...	159
کلوہ ضلع تھانہ میں لیکچر ...	159
حیدرآباد دکن میں لیکچر ...	160
یونس احمد اسلم ...	161
میری کراچی میں آمد ...	162
قادیان کی حالت ...	164
جلیانوالہ میں سکونت ...	165
بھولے ہوئے واقعات ...	167
مولا کریم کے احسانات میں سے کچھ ...	172
میری تصانیف ...	173
اپنی اولاد کے لیے چند نصائح ...	176
باب ششم	
رویائے صادقہ ...	178
باب ہفتم	
توحید کے نغمے ...	207
رحمت اللعالمینؐ کی محبت کے گیت ...	227
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت کے ترانے ...	248
متفرقات ...	259
احمدی ماں کی میٹھی لوریاں ...	285
ملکانہ من لگن بھجن پوربی زبان میں ...	296

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

میری کہانی

خودنوشت سوانح حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم

امیر المجاہدین

اگر چہ میں کسی لحاظ سے بھی کوئی بڑا آدمی نہیں نہ سیاسی لیڈر ہوں نہ کوئی زبردست عالم۔ مگر پھر بھی انشاء اللہ میری کہانی کے مطالعہ سے ایک دیندار انسان کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔ خصوصاً میری اولاد اور اولاد کی اولاد اور میری نسل کو:۔

اوّل : اس کہانی سے یہ واضح ہوگا کہ قادرِ مطلق خداوند رحیم وکریم بادشاہ کس طرح ایک غریب یتیم اور بے کس بچے پر اپنی رحمت کی بارش برسا کر اس کی غربت اور یتیمی کو آسودگی اور فراخی سے بدل دیتا ہے۔ اس کی بے کسی کا سہارا بنتا ہے اس کی مشکلات کی گھٹاؤں کو اپنی رحمت کی ہواؤں سے اڑا دیتا ہے۔

دوم : اس کہانی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدائے بزرگ و برتر اپنے جس بندے کو چاہتا ہے اسے بلا معاوضہ خود بخود نوازتا ہے۔ خود بخود اسے سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ خود ہی اس کی مدد فرماتا چلا جاتا ہے۔ خود ہی اسے علم دیتا ہے۔ خود ہی ہمت دیتا ہے۔ خود اسے بدی کے مقابلے کی طاقت دیتا ہے اور پھر خود اپنے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔

سوم : حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:

”یہ سراسر فضل واحساں ہے کہ میں آیا پسند۔ ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار۔“

میں نہ مولوی فاضل ہوں نہ بی اے۔ایم اے یعنی عربی فارسی اور انگریزی سے سراسر ناواقف۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا جو کام مجھ سے لیا۔

یہ تو فضل حق ہے' چاہے جسے عطا کرے

چہارم : آپ کو اس کہانی سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ تبلیغ حق انسان کی روحانی غذا ہے۔مگر یہ اسی کو ملتی ہے جس پر وہ اپنا خاص فضل کرتا ہے۔آپ اس کہانی سے معلوم کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مصائب برداشت کرنے سے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے اور جو اس کی راہ میں مرنا چاہتا ہے اسے کوئی مار نہیں سکتا جب تک وہ اپنا کام ختم نہ کرلے۔

پنجم : آپ کو اس کہانی میں تبلیغ کے کارآمد گر ملیں گے۔تبلیغ کے مفید اور نتیجہ خیز طریقے نظر آئیں گے۔ خدمتِ دین اور اشاعت اسلام کے ایمان افروز واقعات آپ مطالعہ کریں گے اور آپ کے دل تبلیغ دین کیلئے گدگدائیں گے۔

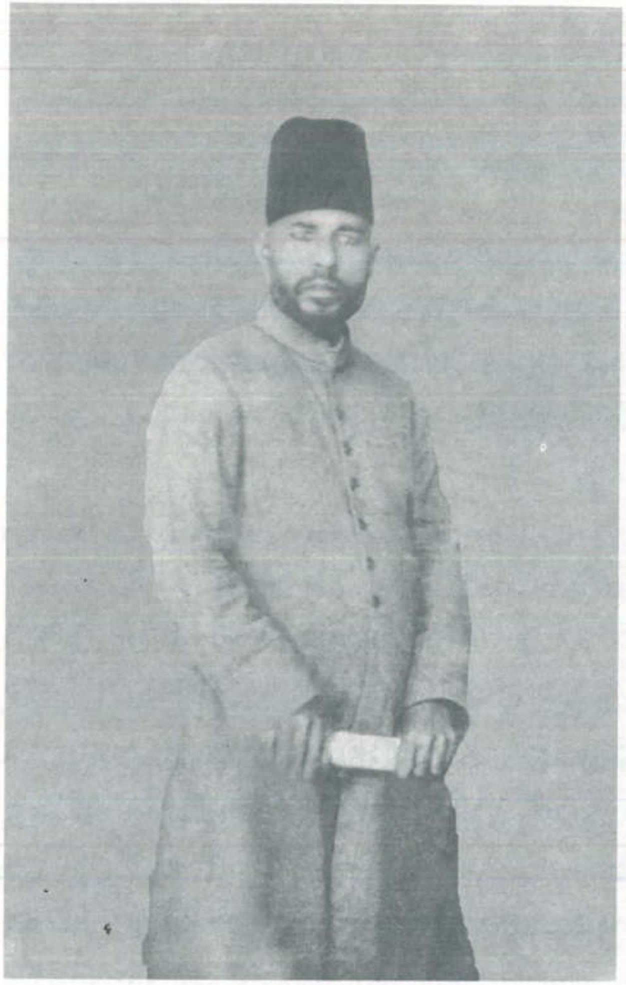
ششم : آپ اس کتاب میں تبلیغی جدوجہد' خدائے ذوالجلال کی تائید' حیران کن غیبی امداد' روحانی کرشمے دیکھیں گے اور اس مقدس ہستی کی قدرت کے نشانات کا مطالعہ کریں گے اور پھر یقیناً آپ بھی تبلیغ اسلام کیلئے بے چین ہو جائیں گے اور یہی ایک سچے احمدی کا مقصود ہے اور زندگی کا نصب العین۔

ہفتم : میدانِ ارتداد یعنی ملکانہ شدھی کے حیرت انگیز واقعات پر ہیبت حادثات' عبرتناک سبق' آریہ پرچارکوں کی ذلت آمیز شکست' احمدیت کی شاندار فتح اور اس پر برصغیر کے تمام پریس کا متفقہ اقرار' احمدی مجاہدین کے شاندار کارنامے' غرض تاریخ احمدیت کا ایک سنہری ورق آپ کے سامنے آئے گا جس سے آپ کے ایمان تازہ ہوں گے۔آپ کی روح جنابِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگی۔آپ کے دل روحانی سرور سے بھر جائیں گے۔اور آپ اپنی جماعت اور اپنے بھائیوں کی مجاہدانہ کارگزاریوں کو پڑھ کر فخر سے سر اونچا کریں گے اور پھر آپ کے اندر بھی اسی شاہراہ پر گامزن ہونے کی تڑپ پیدا ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے۔(آمین)

ے اے خداوند ایسا ہی کر

خاکسار

اسلم



حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم امیر المجاہدین

میرے خاندانی حالات

جہاں تک مجھے علم ہے میرے آباؤ اجداد قصبہ ''غور'' واقع افغانستان سے چھٹی پشت میں ہندوستان آکر آباد ہوئے۔ کچھ لوگ ان میں سے ریاست پٹیالہ اور کچھ ملحقہ علاقہ ضلع لدھیانہ میں رہنے لگے۔ پاکستان بننے سے قبل سرہند، بسی، روپڑ، بہادرگڑھ، کھنہ، ساہیوال، لدھیانہ، رائے پور وغیرہ میں میرے رشتہ دار پھیلے ہوئے تھے۔

ہمارا خاندان غور سے آنے کی وجہ سے غوری کہلاتا ہے اور قوم سے قریشی۔ نیز ہمارا شجرہ نسب حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ اس لئے ہم فاروقی بھی کہلاتے ہیں۔

میرے نانا اور دادا کا ایک ہی خاندان تھا۔ نانا کھنہ ضلع لدھیانہ میں رہتے تھے۔ کھنہ، لودیانہ اور انبالہ کے درمیان ایک مشہور قصبہ ہے۔ ریلوے سٹیشن ہے۔ غلے کی مشہور منڈی ہے۔ یہاں پر روئی کے متعدد کارخانے ہیں اس لئے لودیانہ کا مانچسٹر کہا جاتا ہے۔ غرض دہلی پشاور شاہراہ پر ایک آباد قصبہ ہے۔ نانا صاحب میری ہوش سے پہلے سکول میں مدرس تھے۔ ان کے بڑے بیٹے مولوی عبدالغنی صاحب جب ملازم ہو گئے تو نانا صاحب نے ملازمت چھوڑ دی۔ ماموں صاحب اس علاقے میں پہلے شخص تھے جنہوں نے مسلمانوں میں سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ پہلے سکول ماسٹر لگے اور پھر بہت جلد ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکولز ہو گئے۔ یہ 1901ء کا زمانہ تھا۔ آپ کو شروع میں 140 روپے ماہوار تنخواہ ملی جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی تنخواہ تھی۔ اس لئے برادری اور دیگر لوگوں میں خاص طور پر عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ نانا صاحب خلیفہ حبیب اللہ غزنی کے ایک مشہور پیر خواجہ احرار صاحب کی طرف سے ہندوستان میں خلیفہ تھے۔ جن کے سینکڑوں مرید دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ نانا صاحب اس زمانے کے لحاظ سے

بڑے عالم مشہور تھے اور بہت احترام کے قابل سمجھے جاتے تھے۔ کھنہ کی ایک مسجد میں جمعہ بھی آپ ہی پڑھاتے۔

غرض یہ خاندان تعلیم یافتہ' دیندار اور بڑا نیک نام تھا۔ میری والدہ اسی شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جو بہت پارسا اور نیک بخت اور صابرہ تھیں۔ یہ اپنے اس بھائی سے چھوٹی تھیں باقی بہن بھائیوں سے بڑی۔ نانا صاحب کے کل چھ لڑکیاں اور تین لڑکے تھے۔

میرے پردادا بہادر گڑھ متصل سرہند میں رہتے تھے۔ کھنہ سے چل کر تیسرا اسٹیشن سرہند آتا ہے۔ سرہند سے جو سڑک روپڑ کو چلی گئی ہے۔ لب سڑک سرہند سے اڑھائی میل پر بہادر گڑھ کا گاؤں واقع ہے جو سارے کا سارا پرانی پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ اس سارے علاقے میں دور دور تک جس قدر بھی دیہات ہیں سب پرانی پختہ اینٹوں کے ہیں۔ دراصل یہ پرانے شہر سرہند کے کھنڈرات کا بقایا ہیں۔ کیونکہ پرانا سرہند دس پندرہ میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔

میرے والد محترم جن کا اسم گرامی نور محمد تھا وہ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اور ایسا ہی میرے دادا بھی اپنے باپ کے اکیلے ہی فرزند تھے۔ میرے پردادا فوج میں کسی عہدے پر ممتاز تھے۔ میرے دادا جب فوت ہوئے تو میرے والد بے سہارا رہ گئے۔ میرے ماموں اکثر میرے والد کو اپنے پاس ہی رکھتے۔ ماموں صاحب ضلع ہزارہ میں انسپکٹر سکولز تھے۔ میں اور میرے والدین ماموں صاحب کے ساتھ تھے اس لئے بھی کہ ماموں صاحب کو اپنی بہن یعنی میری والدہ سے خاص محبت تھی اور اسلئے بھی کہ میرے والد صاحب کا کوئی مستقل کاروبار نہ تھا۔ ماموں صاحب بہت ہمدرد اور رحمدل انسان تھے اور ممانی صاحبہ ان سے بھی زیادہ نیک طینت اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی میں اکیلا بھی ان کے پاس رہا تو مجھ سے اپنے بچوں کا سا سلوک کیا۔ میں ایبٹ آباد میں پہلی جماعت میں پڑھا کرتا تھا مجھے یہ بھی یاد ہے کہ والد محترم بعض دفعہ مجھے کندھے پر اٹھا کر سکول چھوڑنے جاتے کیونکہ اسکول ہمارے مکان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ اگر چہ میں صرف پانچ سال کا تھا مگر مجھے ایبٹ آباد کے گلی کوچے اور بڑا بازار اور اپنا سکول جو کمپنی باغ کے سامنے تھا۔ اب تک یاد ہیں۔ آج اس زمانے پر ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا۔ سکول میں مجھے ابھی ایک سال پورا نہیں ہوا تھا کہ ہم پھر بہادر گڑھ آ کر رہنے لگے۔ خدا

تعالٰی کی شان کہ بہادر گڑھ آ کر میرے والد محترم وفات پا گئے۔ انا للہ وانا علیہ راجعون۔ آپ بوقت وفات 26/27 سال کے جوان تھے آپ کے چہرے کا دھندلا سا نقشہ میرے سامنے ہے۔ میں ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ غرض 5/6 سال کی عمر میں مَیں یتیم ہو گیا۔ میرا چھوٹا بھائی عبدالرشید اس وقت صرف دو سال کا تھا۔ ہم دونوں بھائی باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے اور والد محترم ہزاروں حسرتوں اور ارمانوں کو سینے میں دبا کر ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ ایک بچہ کس طرح مچل مچل کر اپنے باپ سے لپٹنے میں لطف اٹھاتا ہے اور وہ باپ سے کیسی مسرت آمیز محبت کا مزا چکھتا ہے۔ باپ کی خدمت کا لطف۔ باپ کی فرماں برداری کا مزہ۔ میں نہیں جانتا۔ نہیں جانتا۔ کلام پاک کے جس قدر احکام باپ کی خدمت۔ باپ کی عزت باپ کے احترام کے متعلق آئے ہیں۔ آہ میں انکی بجا آوری سے محروم رہا۔ اسکے علاوہ میں دنیاوی سہاروں سے بھی بے نصیب ہو گیا۔ میرا کوئی چچا۔ تایا نہ تھا۔ جو سر پر ہاتھ رکھتا۔ کوئی دور کا رشتہ دار بھی نہ تھا جو اس بے کسی کے عالم میں کام آتا۔ اور والد محترم کی طرف سے کوئی اور رشتہ دار نہ تھا۔ والدہ ماجدہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے 22 سال صرف 22 سال کی جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ اور آنکھوں میں چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ بادل نخواستہ بصد حسرت و یاس ہم دونوں بچوں کو لے کر اپنے والدین کے پاس کھنہ چلی آئیں۔ ظاہر ہے یہ آنا بے کسی کا آنا تھا۔ اپنی خودداری۔ اپنے وقار۔ اپنی خواہشات کو تیاگ کر آنا تھا اور ہر قسم کے مصائب اور تکالیف کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو کر آنا تھا۔ غرض اپنی مرضی کو فنا کر کے دوسروں کے سہارے پر جینے کیلئے آنا تھا۔

والدہ محترمہ نے اس زمانے کے دستور کے مطابق نیز اپنے دلی غم کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کیا۔ اور ہم دونوں بھائیوں کو اپنی عزت کی پونجی سمجھ کر بھرپور جوانی نہایت صبر شکر سے گزار دی اور نہایت پاکبازی سے دن بسر کئے۔ گلی کوچے میں۔ شہر میں اور برادری میں والدہ محترمہ کی پارسائی کے چرچے تھے۔ چھوٹے بڑے سب لوگ ہی عزت کرتے تھے اور بی بی جی بی بی جی کہہ کر پکارتے۔ والدہ محترمہ کا مبارک نام ''رحمت'' تھا اور درحقیقت وہ میرے لئے رحمت ہی تھیں۔ انہی کی مظطرب دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ خداوند خدا نے مجھ ناچیز پر بے حد کرم کئے جو آپ اس کتاب میں مطالعہ فرمائیں گے۔

جب ہم کھنہ میں آئے گھر کے حالات خوشگوار تھے۔ نانی صاحبہ زندہ تھیں۔ ممانی صاحبہ بے حد

مہربان عورت تھیں۔ والدہ محترمہ کا غم غلط ہونے لگا۔ ہم دونوں بھائی بھی دوسرے بچوں سے مل کر ہنسی خوشی بسر کرنے لگے۔ والدہ محترمہ کو انکی دلجوئی کی خاطر گھر کی کارمختار بنا دیا گیا۔ چھوٹی بہنوں کی شادیاں والدہ محترمہ کے زیر اہتمام ہوئیں۔ ہر ضروری کام میں ماموں صاحب والدہ محترمہ کا مشورہ لیتے۔ اور اکثر اوقات والدہ کی رائے پر ہی عمل کیا جاتا۔

مگر زمانہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ ہمارے مسرت آمیز دنوں پر بھی غموں کی گھٹائیں چھانے لگیں۔ والدہ کے زخم پھر تازہ ہو گئے۔ بات یہ ہوئی کہ ممانی صاحبہ وفات پا گئیں پھر ہماری نانی صاحبہ بھی کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئیں جو کہ ہماری بچی ہمدرد تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ماموں صاحب نے دوسری شادی کر لی بس دوسری ممانی کے آتے ہی گھر کی فضا بالکل بدل گئی۔ اس نے آتے ہی رشتہ داروں کو باہم لڑانا شروع کر دیا۔ خصوصاً والدہ صاحبہ سے دن رات جھگڑے شروع ہو گئے والدہ محترمہ غمزدہ سیدھی سادی مگر ممانی ضرورت سے زیادہ ہوشیار۔ اس کو سکھا اس کو پڑھا غرض نفرت و نفاق کے بیج بو کر گھر کو محبت و آشتی کے جذبات سے بالکل خالی کر دیا۔ والدہ محترمہ اکثر روتی رہتیں میں دیکھتا اور دل ہی دل میں کڑھتا۔ مگر کچھ کر نہ سکتا تھا۔ یہ 1904ء کی بات ہے۔ میں صرف 8 سال کی عمر میں تھا۔ اور غالباً تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ ماموں صاحب ان دنوں ملتان میں تھے۔ اور ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ ممانی کی جنگ والدہ صاحبہ سے برابر جاری تھی۔ بعض اوقات وہ ایسے ناگفتہ بہ الفاظ والدہ کو کہتی۔ جنکو میں باوجود بچہ ہونے کے برداشت نہ کر سکتا۔ تین سال ہم وہاں رہے۔ مگر والدہ کو ایک دن بھی خوشی کا نصیب نہ ہوا۔ ماموں صاحب نے مقدور بھر والدہ کی دلجوئی کی اور اپنی بیوی کو ڈانٹتے ڈپٹتے رہے۔ آخر تھک گئے مگر ممانی صاحبہ اپنی سخت گیرانہ پالیسی سے باز نہ آئیں۔ مسلسل بدمزگی کے حالات سے ماموں صاحب بھی کچھ مجبور ہو گئے اور کچھ اپنی بیوی کی باتوں سے متاثر بھی۔ بالآخر آپ نے والدہ اور ہم دونوں بھائیوں کو لکھنؤ بھیج دیا اور پانچ روپے ماہوار خرچ دینا منظور کیا۔ والدہ محترمہ نے اپنے زیور بیچ کو ایک چھوٹا سا مکان خرید لیا اور ہم اس میں رہنے لگے۔ اب میں چھٹی جماعت میں تھا اور چھوٹا بھائی تیسری میں۔

اس بات کو سوچنا بے سود ہے کہ پانچ روپے ماہوار میں ہم تین کس طرح گزارہ کرتے تھے جبکہ اس میں دو بچوں کی تعلیم کا خرچ بھی شامل تھا اب تک سوچ رہا ہوں کہ کس طرح والدہ 5 روپے میں مہینہ

گزار لیتی تھیں۔ اگرچہ زمانہ بہت سستا تھا مگر پھر بھی یہ معمہ حل طلب ہی رہا ہے۔ میں اس زمانے کی مشکلات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ نہ بیان کرنے کی طاقت ہے قلم ساتھ نہیں دیتا دل میں قرار نہیں رہتا۔ ہوش و حواس ختم ہونے لگتے ہیں اور دماغ بیکار ہو جاتا ہے۔ غم سے بھرپور جان حلق تک آ جاتی ہے۔ آہ اے میری پیاری والدہ تو نے ہمارے لئے کس قدر دکھ سہے۔ کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہمارے پروان چڑھنے کی امیدوں پر اپنی پُر مصائب زندگی صبر و شکر سے بسر کرتی چلی گئی اور ہمیں اپنی خدمت کا کماحقہٗ موقعہ بھی نہ دیا۔ آج تو زندہ ہوتی تو دیکھتی تیری دعائیں عرش معلےٰ پر پہنچ کر ہمارے لئے کیسے کیسے انعامات آسمانی بادشاہ کی طرف سے لائیں۔ کس طرح خداوند کریم نے ہمیں نوازا۔ میرے لئے کیسا خوشنما۔ خوشبودار گلشن کھلا دیا۔ نیک بخت بیوی عطا فرمائی۔ شریف الطبع اولاد دی اور دین کی خادم اولاد در اولاد بخشی۔ آج تو دیکھتی تو کتنا خوش ہوتی آہ دعاؤں کے ثمر تو خود نہ کھا سکی۔ ہمارے لئے چھوڑ گئی۔ میں تیرے لئے دن رات ہر نماز میں دعائیں کرتا ہوں مگر ہزار دعائیں کروں تیرا قرض نہیں اتار سکتا۔ نہیں اتار سکتا۔ اے میری پیاری والدہ تو ہمیشہ رحمت خداوندی کے ٹھنڈے سائے میں رہے۔ تو نام کی بھی رحمت تھی۔ کام کی بھی رحمت۔ مقدس خدا کی رحمت تجھ پر ہمیشہ رہے۔ یہ دنیا تو دکھوں کا گھر ہی ہے۔ میں بھی تیرے پاس آنے والا ہوں کہ ہم سب اسی خدا کے ہیں اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

ابتدائی حالات اور بچپن کا زمانہ

میں دریائے غم میں بہتا ہوا کہاں سے کہاں جا نکلا بیان یہ کر رہا تھا کہ ہم دونوں بچے اپنی ماں کے ساتھ کھنہ میں رہنے لگے۔ ہمارا مکان نانا صاحب کے مکان سے ملا ہوتھا۔ چھوٹے ماموں بمعہ اپنے اہل وعیال ان کے ساتھ رہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ اس غربت اور بیکسی کے اندھیرے میں۔ نانا صاحب اور ماموں صاحبان بھی ہم سے کچھ بے پرواہ ہوگئے۔ اب سوائے خدائے بزرگ وبرتر کے ہمارا کوئی غم خوار نہ تھا۔ کوئی مددگار نہ تھا۔ کسی کو ہمارے حال سے دلچسپی نہ تھی۔ یہ ۱۹۰۹ء کا زمانہ تھا جبکہ میری عمر ۱۴ سال کے لگ بھگ تھی۔

قصبہ کھنہ میں ہندو آبادی زیادہ تھی اور یہی لوگ تعلیم یافتہ بھی تھے۔ تاجر تھے۔ ساہوکار تھے۔ کھاتے پیتے اور آسودہ حال تھے۔ مسلمان قلیل بھی تھے اور ذلیل بھی۔ صرف ہمارا خاندان۔ اور ایک اور خاندان قاضیوں کا پڑھا لکھا اور معزز گھرانہ تھا۔ ایک دو گھر شہر کے دوسرے حصہ میں قصابوں کے بھی اچھے آسودہ حال اور معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ اسلئے قدرتی طور پر میرا میل ملاپ ہندو لڑکوں ہی سے تھا کچھ اسلئے کہ وہ میرے ہم جماعت اور ہم سکول تھے کچھ اسلئے کہ یہی لڑکے کسی قدر شائستہ بھی تھے۔ مگر پھر بھی لڑکپن کے خصائل یعنی بے پروائی۔ آوارہ گردی اور باہم لڑنا جھگڑنا۔ سب کچھ ان میں موجود تھا۔ میں ایک بیوہ عورت کا غریب لڑکا تھا۔ میرا کوئی نگران نہ تھا۔ نانا صاحب اور ماموں صاحب کو ہمارے سدھار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ والدہ بیچاری گھر میں بیٹھ کر کیا کر سکتی تھی۔ میں اپنی سوسائٹی میں آزاد تھا۔ آدھی رات تک باہر رہتا۔ دن میں بھی اسکول ٹائم کے بعد اکثر باہر ہی رہتا۔ ہندو لڑکوں کے ساتھ ہی گھومنا۔ اٹھنا بیٹھنا میرا مشغلہ تھا۔ ایک ڈرامہ کلب بھی تھی۔ جس میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ میں بھی خاص طور پر دلچپی لیتا۔ اور

نمایاں پارٹ ادا کرتا۔ بے سمجھ تھا۔ نادان تھا۔ اور کوئی سمجھانے والا نہ تھا۔ یہ ڈرامے ہندو مذہب کے دھارمک ڈرامے تھے۔ مثلاً "ہریش چندر۔ گوپی چند۔ بھرتری پورن بھگت۔ رام چندر اور کرشن کی کہانیاں سٹیج کی جاتی تھیں۔ اور ہندو لوگ بڑی عقیدت مندی سے یہ ڈرامے کھیلتے اور دیکھتے۔ ہمارے اس شہر میں اہل سنت جماعت مسلمان تعزیہ داری بھی کرتے اور ہر سال میلے کی شکل بنا لیتے اور میں مرثیہ بازی میں بھی حصہ لیتا۔ آواز بہت سریلی تھی۔ اسلئے میں اس مشغلے میں بھی نمایاں تھا۔ ہمارے شہر میں ایک عیسائی مشن بھی تھا۔ شہر سے ملحق ایک چھوٹا سا خوبصورت گرجا اور مشن کمپاؤنڈ تھا۔ کچھ عیسائی لڑکوں سے ملاقات ہوگئی اور اسطرح کمپاؤنڈ میں آمد ورفت شروع ہوئی۔ کرکٹ اور فٹ بال کی ٹیموں میں بھی میرا نمایاں حصہ تھا۔ خصوصاً" کرکٹ میں۔ اپنے اسکول کی کرکٹ ٹیم کا میں کیپٹن تھا۔ اور پرائیویٹ ٹیم میں اچھا کھلاڑی مشہور تھا۔ کرسچن لڑکوں کی بھی فٹ بال ٹیم تھی اسلئے باہم میچ ہوتے رہتے تھے۔ اور اسطرح اکثر لڑکے مشن کمپاؤنڈ میں آتے جاتے رہتے اور مسیحی پادری بعض ہندو لڑکوں پر ڈورے ڈالتے رہتے۔ مجھے بھی وہ اپنا شکار سمجھتے تھے۔ میں اپنا زیادہ وقت اب ہندو لڑکوں کی سوسائٹی کو چھوڑ کر مشن کمپاؤنڈ میں گزارنے لگا۔ یہاں تک کہ رات کا بھی زیادہ حصہ وہاں رہتا۔ پادری کنہیالال کی بیوی ایک خوبصورت نوجوان عورت تھی اور وہ لڑکوں سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتی۔ آپ خوب سمجھتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت کا غریب اور لاوارث بچہ کسقدر آسانی سے پادریوں کے پنجے میں پھنس سکتا ہے۔ اور اگر خداوند خدا کا سایہ سر پر نہ ہوتا۔ اگر ایک پارسا ماں کا پاس اللہ تعالیٰ کو نہ ہوتا تو میں یقیناً گمراہی کے گڑھے میں گر ہی جاتا۔ ان کے بڑے امریکن پادری نیوٹن صاحب میرے ساتھ خاص محبت سے پیش آتے۔ آخر ایک دن انہوں نے اپنی سکیم بنا کر مجھے عیسائی بننے کی دعوت دے ہی دی۔ ان کو یقین تھا کہ یہ لاوارث لڑکا ہماری عنایات کا شکار ہو چکا ہے۔ یہ اب انکار نہیں کر سکتا۔ ادھر مجھے یہ وہم تک نہ تھا کہ مجھے عیسائی بنانے کیلئے یہ سب پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔ اور محبت و پیار کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں۔ اور نہ ہی مجھے اتنی سمجھ تھی کہ ایک مسلمان عیسائی بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ پادری کنہیالال نے مجھے محبت اور پیار سے اپنے پاس بٹھا کر یہ فرمایا۔ کہ ہم نے تمہاری تعلیم وغیرہ کا سارا انتظام کر لیا ہے۔ تمہیں یہاں سے کسی دوسری جگہ بھیج دیا جائیگا۔ تم بپتسمہ لے لو۔ یا کہا عیسائی ہو جاؤ۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اور میری روح کو ایک جھٹکا لگا۔ میں سخت حیران ہوا۔ میں نے

سنبھل کر پادری صاحب کو جواب دیا۔ پادری صاحب اگر میں آپ کو کہ دوں کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔تو کیا آپ برداشت کرلیں گے۔ وہ میری بگڑی ہوئی طبیعت کو بھانپ گیا مجھے ٹال کر کہنے لگا۔تم ناراض ہو گئے۔ میں تو تم سے ہنسی کر رہا تھا۔تم کوئی خیال نہ کرو۔ اس بات کو بھلا ہی دو۔ مگر میں غم و غصہ میں بھرا ہوا وہاں سے چلا آیا۔اور پھر کبھی وہاں نہ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے مجھے اس وجال اکبر کے پنجے سے نجات بخشی اور میری والدہ کے سینے کو ٹھنڈا رکھا۔

میں نے اپنے حالات صاف صاف اس لئے بیان کر دئے ہیں تا آپ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر خوفناک حالات میں سے گزار کر مجھے سلامتی کے قلعے میں محفوظ رکھا۔ کتنے پر ہبت جنگلوں سے گزار کر مجھے گلشن رحمت میں پہنچایا۔ جس کا ذکر میں آگے چل کر کرونگا۔ بچپن میں ایک یتیم لڑکے کو ہندوؤں کے راگ رنگ کی سوسائٹی سے بچا کر۔ شیعہ نما سنیوں کے ماحول سے نجات دیکر اور پھر عیسایوں کے پرفریب جال سے نکال کر

احمدیت کے سدا بہار گلشن

میں داخل کرنا خدائے قدوس کا بہت بڑا انعام تھا۔ اتنا بڑا انعام جس کی کیفیت۔ جس کی لذت۔ اور جس کی حقیقت کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ غرض لکھنہ میں میرے یہ لیل و نہار تھے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ والدہ ضرور اپنے بچوں کیلئے درد دل سے دعا کرتی ہونگی۔ کیونکہ ایسے ناگفتہ بہ حالات۔ ایسی بدکردار سوسائٹی۔ ایسے گرے ہوئے طبقے میں دن رات بسر کرکے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کہ ایک بے خبر۔ نادان اور خام عقل بچہ شیطان کے پنجے سے نکل سکے۔ پس یہ میری پاکباز ماں کی دعائیں تھیں کہ میں گمراہی کے بحر ذخار میں غوطے کھا کر بھی بچ نکلا۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ۔

یہ بھی رحیم و کریم آقا کا احسان رہا کہ اس نے ہر قسم کی بدعادت مثلاً" پان۔ سگریٹ۔ تمباکو۔ تاش بازی۔ کنکوا بازی اور دیگر بدکرداریوں سے معجزانہ طور پر بچائے رکھا۔ کیونکہ میرے ساتھی اور ہمجولی ان سب برائیوں میں مبتلا تھے۔ اور یہ سب بدعادتیں ان کی گھٹی میں موجود تھیں۔

میرا چھوٹا بھائی رشید تیسری جماعت سے تعلیم چھوڑ چکا تھا۔ ہر چند کوشش کے باوجود وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ اس کا مستقبل تاریک ہوگیا۔ اور اب تک جبکہ اس کی عمر 65 برس کے قریب ہوچکی ہے وہ

غربت کے ہچکولوں میں مبتلا ہے جس کا مجھے بے حد صدمہ رہتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا رحم کرے اور اس پر اپنے خاص انعامات کی بارش برسائے۔

اس دوران میں ایک اور مصیبت یہ آن پڑی کہ ماموں صاحب نے ممانی کے سکھانے پڑھانے پر پانچ روپے ماہوار کا وظیفہ بھی بند کر دیا۔ نانا صاحب اور چھوٹے ماموں کی سرد مہری کا حال پہلے لکھ چکا ہوں۔ والدہ محترمہ بے حد پریشان ہوئیں۔ آخر سوچ بچار کے بعد ہم نے اپنا مکان فروخت کیا اور پھر بہادر گڑھ میں آ گئے۔ اس بے سہارا اور بیکسی کی زندگی کو دیکھ کر نہ تو ماموں صاحب کا دل پسیجا۔ نہ نانا صاحب کو کچھ رحم آیا۔

بہادر گڑھ میں واپسی۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش

بہادر گڑھ کا گاؤں سرہند سے صرف ڈھائی میل پر لب سڑک واقع تھا یہاں میرے چھوٹے نانا گاؤں کے قاضی تھے اور رحمدل انسان تھے۔ والدہ کی بیوگی کا انہیں احساس تھا۔ ایک اور گھر یہاں دور کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ یہ لوگ بھی اچھے تھے۔ میں خوش الحان تو تھا ہی چند دنوں میں گاؤں کے لوگ میرے گرویدہ ہو گئے۔ اس زمانے میں پنجابی نظموں کی کتابیں۔ یوسف زلیخا۔ جنگ نامے۔ قصہ شاہ بہرام وغیرہ بہت پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔ چنانچہ میں وہاں یوسف زلیخا کی کتاب پڑھنے لگا۔ اور سارے گاؤں میں میری دھوم مچ گئی۔ میری طرز بیان کچھ ایسی بھا گئی کہ مرد اور عورتیں میرے شیدائی ہو گئے۔ یہ سب لوگ ناخواندہ زمیندار تھے مجھے پیروں کی طرح ماننے لگے۔ ہر قسم کی چیزیں گھر میں آنے لگیں۔ گاؤں میں جس طرف جا نکلتا۔ مستورات خوش آمدید کہتیں۔ دعوتیں ہوتیں اور اچھے اچھے کھانے کھلائے جاتے اگر چلتے پھرتے کسی کے کھیت پر جا پہنچتا۔ تو چادر بچھا کر مجھے عزت سے بٹھایا جاتا۔ موسم کا پھل پیش کیا جاتا۔ ان دنوں محفل میلاد کا بہت رواج تھا مختلف گھروں میں مجھے بلا کر یہ مقدس مجلس منعقد کی جاتی اور خاتمے پر کچھ نقدی۔ کچھ کپڑے مجھے دئے جاتے۔ بعض عورتیں عقیدت میں اپنا کوئی زیور بھی دے ڈالتیں۔ غرض گاؤں میں میری وجہ سے کچھ چہل پہل سی ہوگئی۔ میں نے نماز کی چند سورتیں چھوٹے نانا صاحب سے سیکھ لیں اور وقتاً فوقتاً نانا صاحب کی غیر حاضری میں نماز بھی پڑھانے لگا۔ لوگ مجھ سے ایسے مانوس ہو گئے کہ بیان نہیں کرسکتا۔ ایک عید کی نماز بھی میں نے پڑھائی اور کئی من گندم میرے حصہ میں آئی

اور کچھ نقدی بھی۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھئے پانچ روپے کی قلیل رقم بند ہوئی تو اسکی رحمت کے دروازے کھل گئے۔ کھانے پینے کو پہلے سے کہیں زیادہ ملا اور عزت بھی ہوگئی اور شہرت اور ہردلعزیزی بھی۔ اب والدہ خوش خوش رہنے لگی۔ کھانے پینے پہننے کی تنگی دور ہوگئی۔ والدہ کی دعائیں میرے ساتھ تھیں۔ میرا عروج ہوتا گیا اور گاؤں کے مرد عورتیں دل و جاں سے مجھ پر فدا رہنے لگے۔ میرا کتاب پڑھنے کا ڈھنگ نرالا تھا ایسی خوش آواز سے اور ایسی طرز سے پڑھتا کہ لوگ وجد میں آجاتے بعض عورتیں غش کھا جاتیں غرض میری ہستی گاؤں کیلئے ایک بیش بہا نعمت سمجھی جانے لگی۔

میں نے گاؤں کی مسجد کو شاندار بنانے میں بھی بڑا کام کیا لوگوں سے چندہ اکٹھا کر کے مسجد کو ایک نمونے کی مسجد بنا دیا۔ خدا تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہوا کہ میں بہادر گڑھ آ کر کھنہ کی ہندو سوسائٹی اور عیسائیوں کے پرفریب ماحول سے بالکل محفوظ ہوگیا۔ یہ سارا گاؤں ارائیں قوم کے مسلمانوں کا تھا۔ صرف بیس گھر سکھوں کے تھے۔ جو کہ ایک پرانی طرز کے قلعے کے اندر واقع تھے۔ ویسے گاؤں کی سیاست میں سکھوں کا اثر زیادہ تھا۔ اور یہ لوگ ساہوکار بھی تھے۔ اڑے وقت میں مسلمان ان سے قرضہ لے لیتے تھے۔ مسلمان اور سکھ باہم امن اور آشتی سے رہتے تھے اور باہم تعلقات برادرانہ تھے۔ اسلئے بعض سکھ بھی میرے ساتھ محبت سے پیش آتے ایک اچھا ذی اثر سکھ اندر سنگھ میرا گہرا دوست بن گیا اس کی دکان عین گاؤں کے وسط میں تھی۔ اور میں اکثر اسکے پاس جا کر بیٹھتا۔ یہ سکھ مجھ سے محبت رکھتا تھا اور یہ پنجابی کا شاعر بھی تھا کبھی کبھی اپنا کلام بھی مجھے سناتا اور پھر خوش الحانی کے ساتھ مجھ سے اپنا کلام سنتا۔

میں سرہند کے مڈل سکول میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس زمانے میں صرف ضلع کے شہر میں ہائی سکول ہوتے تھے اور تحصیل وار مڈل سکول۔ کسی کسی گاؤں میں پرائمری سکول۔ کالج صرف لاہور یا کسی خاص شہر میں ہوتا تھا۔ غرض تعلیم کا چرچا کم تھا۔ مڈل پاس ہو جانا بھی بڑی بات تھی۔ اور میٹرک پاس کرنا تو پھر کمال ہی سمجھا جاتا تھا۔ بی اے پاس کو لوگ دیکھنے آتے اور حیران ہوتے۔ چیزیں بھی بہت سستی تھیں۔ گندم ڈیڑھ روپے من گھی آٹھ آنے سیر لکڑی پانچ آنے من۔ گوشت بکری تین آنے سیر یا چار آنے۔ دودھ بھینس ڈیڑھ آنے سیر۔ بکری کا تین پیسے سیر۔ چینی ولائتی چار آنے سیر۔ چاول باسمتی ایک روپے کے دس بارہ سیر۔ دالیں دو آنے اور ڈیڑھ آنے سیر کپڑا سوتی تین آنے اور چار آنے گز۔ ریشمی

8 آنے یا دس آنے گز۔ دو تین روپے میں آدمی سر سے پاؤں تک ڈھکا جاتا تھا۔ تین آنے سلائی قمیض۔ 2 آنے سلوار۔ کوٹ 12 آنے۔ گرم کوٹ سوا روپے سلائی۔ بکری 5 روپے میں اور گائے پندرہ بیس روپے میں اور اچھی بھینس ساٹھ میں آجاتی تھی۔ سبزیاں دو تین پیسے سیر۔ غرض بہت سستا زمانہ تھا۔ جس مکان کا کرایہ آج 50 روپے ماہوار ہے اس زمانے میں 2-3 روپے تھا۔

اور آپ حیران ہوں گے

میرے نانا خلیفہ حبیب اللہ اپنی جوانی کی باتیں سنایا کرتے۔ تو ہم بھی حیران ہوتے اور ہنسا کرتے۔ فرمایا کرتے ہمارے وقت میں ایک روپے کے چار من گیہوں آتے۔ چار آنے میں لکڑیوں کا گڈا آجاتا یعنی بھرا ہوا چھکڑا۔ گھی روپے کا چار سیر۔ دودھ بھینس دو پیسے سیر وغیرہ وغیرہ۔ بہرالحال ہمارا زمانہ بھی کافی سستا تھا۔ غالبا" اب وہ زمانہ واپس نہیں آئیگا۔ میرے حقیقی نانا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلے میں نقشبندی طریقہ رکھتے تھے۔ مجدد صاحب کا مزار مبارک سرہند سے باہر ایک میل پر لب سڑک واقع ہے۔ اور بہادر گڑھ سے بھی ایک میل کا ہی فاصلہ ہے۔ نانا صاحب اکثر بہادر گڑھ ہمارے پاس آکر ٹھہرا کرتے اور اپنے اعتقاد کے مطابق مزار پر روزانہ جا کر برکت حاصل کیا کرتے بعض دفعہ میں بھی ان کے ساتھ جایا کرتا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں بہادر گڑھ میں میری پوزیشن کو اچھی خاصی اہمیت حاصل ہو چکی تھی اور میرے دونوں نانا بھی اس سے متاثر تھے گو مجھے اس وقت کچھ علم تو حاصل نہ تھا۔ مگر سب لوگ میرے گرویدہ ضرور تھے۔ مجھ سے بہ اصرار بصد شوق کتابیں خصوصا" یوسف زلیخا کی کتاب سنتے۔ میلاد کی محفل منعقد کرواتے اور نعتیں سنتے اور بہت مسرور ہوتے یہی حال اس گاؤں کی عورتوں کا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام
یعنی قبول احمدیت

سرہند مڈل اسکول میں مولوی محمد تقی صاحب سنوری ایک احمدی استاد فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف بڑے پارسا۔ نیک اور متقی انسان تھے۔ اگرچہ شہر میں آپکی سخت مخالفت تھی اور لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے۔ مگر آپ نے بڑی جدوجہد کے بعد سرہند میں احمدی جماعت قائم کر ہی دی۔ ہر چند یہ جماعت غریب تھی۔ قلیل تھی۔ مگر شہر میں احمدیت کا کافی چرچا شروع ہو گیا۔ سرہند سے ڈیڑھ میل پر اسٹیشن کی طرف ایک گاؤں خانپور تھا۔ جہاں احمدیت پہلے سے پہنچ چکی تھی اور گاؤں کی آبادی کا کثیر حصہ احمدیت میں داخل ہو چکا تھا۔ قریب ہی ایک گاؤں ہربنس پورہ تھا۔ یہاں بھی چند گھر احمدیت میں داخل تھے باقی اردگرد کسی گاؤں میں احمدی نہ تھے۔ بسی کا شہر جو بہادر گڑھ سے ایک میل پر لب سڑک آباد تھا اور ریاست پٹیالہ کا ضلع تھا وہ بھی احمدیت سے خالی تھا۔ البتہ کبھی کبھار ڈاکخانے اور کبھی تھانہ میں کوئی احمدی ملازم آجایا کرتا۔

میرے خاندان میں کوئی احمدی نہ تھا۔ میرے دوستوں میں کوئی احمدی نہ تھا۔ مجھے احمدیت کی طرف کوئی توجہ بھی نہ تھی۔ اور میں اپنی عمر اور علم کے لحاظ سے اور اپنے ماحول کے لحاظ سے توجہ کر بھی نہ سکتا تھا۔ اور جس پُرمسرت فضا میں سے میں گزر رہا تھا اور جن خوش کن حالات میں مَیں رہتا تھا توجہ کیا میرا خیال تک احمدیت کی طرف نہ جا سکتا تھا۔ لیکن میرا خداوند مجھے اپنا بہت بڑا انعام دینے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے ایک غریب اور یتیم لڑکے کو چنا اور احمدیت کا تاج اسکے سر پر رکھ ہی دیا۔ میں ذکر کر آیا ہوں کہ سرہند سکول میں مولوی محمد تقی صاحب سنوری فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ وہ مجھے تبلیغ کرنے لگے بلکہ یوں کہنا ٹھیک ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مجھے تبلیغ کرنے پر مامور فرمایا۔ اور ادھر میرے دل کو قبولیت کیلئے تیار کر دیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ میں مولوی صاحب کی باتیں غور سے سنتا اور ان کو سمجھنے کی کوشش کرتا وہ مجھے

چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھنے کیلئے دے دیا کرتے اور میں گھر آکر ان کا مطالعہ کرتا۔ ایک دفعہ میرے نانا آئے ہوئے تھے۔ اچانک ان کو میرے بستر کے سرہانے سے ایک رسالہ مل گیا۔ جس میں امام مہدی کے متعلق کچھ دلائل تھے۔ بس پھر کیا تھا۔ نانا صاحب بھڑک اٹھے اور گھر میں شور مچا دیا۔ میری والدہ محترمہ کو اکسایا۔ مجھے ڈرایا دھمکایا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ میں بھی گھبرا گیا۔ نانا صاحب نے وہ رسالہ پھاڑ دیا۔ اب مولوی صاحب جب مجھے کوئی رسالہ دیتے تو میں نہ لیتا۔ زبانی باتیں سنتا رہتا۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں پھر جوش پیدا کیا اور میں پھر مولوی صاحب سے احمدیت کے متعلق کتابیں گھر لا کر پڑھنے لگ گیا۔ اس عرصہ میں نانا صاحب بھی کھنہ چلے گئے۔ اس طرح چند ماہ گزر گئے۔ اور میں احمدیت کے قریب ہوتا چلا گیا۔ مجھے اتنا ضرور معلوم تھا۔ کہ احمدیوں سے لوگ بہت تنفر تھے۔ اور نہایت کراہت سے مرزائی مرزائی کہ کر ذکر کیا کرتے۔ مولوی محمد تقی صاحب کی بھی سخت مخالفت ہو رہی تھی۔ غیر احمدی دل کھول کر آپکی مخالفت کرتے۔ اور ہر قسم کی تکلیف دیتے۔

ایک دفعہ بازار میں کچھ لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ آپکو گالیاں دیں اور داڑھی کھینچی۔ مگر مولوی صاحب بڑے اطمینان سے اور بڑے خوش ہو کر کہنے لگے اے لوگو تم کہتے ہو گے کہ ہم نے آج تجھے خوب سزا دی ہے اور بے عزتی کی ہے مگر میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے اپنے ہاتھ سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں شامل کر دیا۔ تم خود سوچ لو۔ جو سلوک آج تم مجھ سے کر رہے ہو۔ یہ سلوک رسول اکرمؐ اور آپکی جماعت کے ساتھ کن لوگوں نے کیا تھا۔ اور وہ لوگ کون تھے جن کے ساتھ ایسا سلوک ہوا۔

غرض شہر میں مخالفت کے طوفان اٹھتے۔ بے شمار آندھیاں آئیں۔ مولوی صاحب نے مومنوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بنا ہی ڈالی اور لوگ اس رو کو نہ روک سکے جو خدا تعالیٰ نے مولوی صاحب کے ذریعہ چلائی۔ یہ 1913ء کا زمانہ تھا۔ میری تاریخ پیدائش 1894ء ہے۔ اس حساب سے میں اس وقت سترہ سال کا تھا۔ میں مولوی صاحب کی تبلیغ سے گلشنِ احمدیت کے کنارے پر کھڑا تھا آخر ایک دن میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب یہ چھلانگ لگا ہی دینی چاہئے یہ پختہ ارادہ کر کے میں نے مولوی صاحب سے جماعت میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کر دیا۔ مولوی صاحب موصوف نے مجھے کچھ مزید تحقیق اور سوچ بچار

کیلئے کہا اور مجھے فرمایا۔ میاں سوچ لو تمہارے رشتہ دار، دوست آشنا اور گاؤں والے سب مخالف ہو جائیں گے اور مخالف ہی نہیں دشمن بن جائیں گے۔ مصیبتوں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اور میں اور یہاں کی جماعت تمہاری کوئی مدد نہ کر سکے گی۔

میں نے یہ سن کر بالکل اعتبار نہ کیا۔ میں نے سوچا کہ گاؤں کے لوگ تو میری انتہائی عزت کرتے ہیں مجھے پیروں کی طرح سمجھتے ہیں وہ میرے دشمن کیسے ہو جائیں گے یہ تو ناممکن ہے۔ اتنا تو ہو سکتا ہے کہ وہ میرے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور مجھے کچھ دینا دلانا بند کر دیں مگر وہ میرے دشمن کیونکر ہو جائیں گے جبکہ میں نے ان کے ساتھ کچھ برا سلوک نہیں کیا اور پھر وہ کتاب سننے کے رسیہ ہو چکے ہیں۔ مجھے کس طرح چھوڑ دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگرچہ وہ مجھ سے اچھا سلوک نہ کریں مگر برا سلوک بھی نہ کر سکیں گے میرے لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ مجھے امید بھی نہ تھی کہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

اس لئے میں نے مولوی صاحب پر زور دیا کہ آپ مجھے بیعت کر ہی لینے دیں۔ چنانچہ بسم اللہ کر کے میں نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل حضرت مولانا نورالدین کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا اور جماعت میں شامل ہو گیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

یہ خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان تھا جو ایک غریب بیوہ کے یتیم بچے پر کیا گیا۔ یہ اس کی انتہائی رحمت تھی جو ایک بیکس اور غریب لڑکے پر انڈیل دی گئی۔ یہ اس کا خاص فضل تھا جو مجھ عاجز اور نالائق انسان پر آسمانی بادشاہ کی طرف سے ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ درحقیقت یتیم کر دینے کا عظیم الشان معاوضہ تھا جو احمدیت کی شکل میں مجھے دیا گیا۔

پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدائے عزوجل نے یتیم کیا اور پھر حضور کو ایسا نوازا ایسا نوازا کہ سارے نبیوں کا سردار بنا دیا اور فرمایا۔ اے میرے حبیب میں اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

اللھم صل علیٰ محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

میں بھی حضورؐ کی امت کا ادنیٰ خادم تھا اور بے علم نالائق، بے سمجھ اور غریب بے کس بھی۔ مگر میرے خداوند خدا نے مجھے بھی یتیم کر کے اس کا عظیم الشان بدلہ دیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

جماعت میں داخل کر دیا اور صرف داخل ہی نہیں جماعت کا ایک مشہور فرد بنا دیا اور تبلیغ کے ٹھوس اور مؤثر طریقے سمجھا کر بے شمار بندگانِ خدا کے کانوں تک آسمان کی تازہ صداقتوں کا مژدہ پہنچانے کا موقعہ دیا۔ زندہ خدا کے زندہ نشانات کی خوشخبری سنانے کی توفیق دی اور خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ خیرالوریٰ ﷺ کی مقدس سیرت بیان کرنے کی صلاحیت مجھ میں پیدا کر دی۔ 1923ء میں میدانِ ارتداد یعنی تحریک شدھی کے موقع پر خدمتِ اسلام کا زریں موقع عطا فرمایا پھر بذریعہ سلائیڈز الٰہی سلسلے کی صداقت ثابت کرنے کی توفیق بھی دی۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نوازش تھی کہ اس نے ایک گمنام اور بے خبر لڑکے کو بامِ شہرت پر پہنچایا۔ 1913ء میں جب مَیں نے بیعت کی مجھے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ مگر آج پاکستان کے تمام احمدی احباب میرے نام سے واقف ہیں اور کثرت سے دوست میرے ساتھ محبت کے تعلقات رکھتے ہیں اور ایسے بھی بہت ہیں جو میری دینی خدمات کو سراہتے ہیں اور میری عزت کرتے ہیں۔ اے خدائے بزرگ و برتر میں کس زبان سے تیرا شکر ادا کروں۔ یہ زبان تو قاصر ہے۔ کس دل سے تیری محبت کا اظہار کروں کہ یہ دل تو کمزور ہے۔ کس طریقے سے تیری حمد و ثناء کے گیت گاؤں کہ سر تا پا نالائقیوں سے بھرپور ہوں مگر میرے خداوند خدا۔ اے میرے پیارے آقا۔ اے میرے جسم و جاں کے مالک اور خالق میں اپنی قاصر زبان کمزور دل اور اپنی بے شمار خامیوں کے ہوتے ہوئے۔ بڑی عاجزی بڑی انکساری پردرد پرسوز دل کے ساتھ تیرے حضور سربسجود ہوں تیری منت کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کو بخش دے میری خطاؤں کو معاف کر دے۔ اے چودہ پوش آقا رحم فرما کہ تو سب سے زیادہ رحیم ہے۔ (آمین)

مخالفت کا طوفان

ساری خدائی اک طرف فضلِ الٰہی اک طرف

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ جو لوگ میری محبت کا دم بھرتے ہیں میری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ جو میرے پسینے پر اپنا خون بہانے کو تیار رہتے ہیں میرے ہی خون کے پیاسے ہو جائیں گے جو مجھے پیروں کی طرح سمجھتے ہیں۔ مجھے ایک ذلیل انسان سمجھنے لگ جائیں گے۔ جو مجھے اچھے اچھے کھانے کھلاتے ہیں میری صورت سے بھی بیزار ہو جائیں گے۔

مگر ایسا ہی ہوا جب میں نے سکول سے آ کر شام کے وقت لوگوں کو بتایا کہ امام مہدی آ گئے ہیں اور میں نے ان کو قبول کر لیا ہے اور لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ کہاں۔ میں نے کہا۔ قادیان میں۔ بس

قادیان کا نام سننا تھا کہ سب کے سب آگ بگولہ ہو گئے۔ چہروں پر درندگی برسنے لگی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور غضب میں آکر بولے او ''تیرا بیڑہ غرق'' مرزائی ہو گیا۔ لعنت ہے تجھ پر' مردود' بے ایمان چھوکرے تو آج چوہڑہ بن گیا ہے۔ میں یہ حالت دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا اور سخت گھبرا گیا اور پریشان سا ہو کر گھر چلا آیا۔ ادھر سارے گاؤں میں ایک شور پڑ گیا اور مخالفت کی آگ بھڑکنے لگی۔

دیکھتے ہی دیکھتے نقشہ بدل گیا۔ میرے چھوٹے نانا جو گاؤں کے قاضی تھے۔ اگرچہ وہ میرے مخالف تو نہ ہوئے مگر وہ مجھ سے بددل ضرور ہو گئے۔ غرض سارا گاؤں میرا جانی دشمن ہو گیا۔ دوسرے دن سب نے اکٹھے ہو کر میرا بائیکاٹ کر دیا۔ کھانا پینا' لین دین' علیک سلیک' سب بند' گھر سے باہر نکلتا تو جدھر جاتا گالیاں ملتیں' تمسخر اڑائے جاتے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا نام لے کر گندے الزام لگائے جاتے۔ صرف چند ہندو لوہار' ترکھان یا کمی اور سکھ میرے ساتھ ملتے جلتے۔

میری عقل حیران تھی کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ میں سمجھنے لگا کہ یہ وہ گاؤں نہیں جس میں مَیں کل تک رہتا تھا۔ الف لیلا کے جن نے کسی اور گاؤں میں لا پھینکا ہے۔ مستورات کو البتہ مجھ سے ہمدردی تھی جو آخر تک قائم رہی۔ لیکن وہ بستی کے متفقہ فیصلے پر مجبور تھیں۔ میری کچھ مدد نہ کر سکتی تھیں۔ ہمارا مکان گاؤں کے بالکل باہر کی طرف تھا۔ میں گاؤں کے اندر اب نہیں جا سکتا تھا سڑک پر نکل آتا اور چل پھر کر گھر واپس آجاتا۔ سکول میں جا کر مولوی محمد تقی صاحب محترم کو صورتحال سے اطلاع دی۔ انہوں نے کچھ حوصلہ دلایا اور دعاؤں پر زور دیا اور یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری مدد کرے گا گھبراؤ نہیں اور اپنی حمائل شریف جس پر وفاتِ مسیح صداقت حضرت مسیح موعودؑ و دیگر اختلافی مسائل کے نوٹ دیئے ہوئے تھے۔ مجھے دے دی۔ اور اب انہوں نے مجھے احمدیت کے رنگ میں رنگین کرنے کیلئے میری تربیت شروع کی۔ اعتراضات کے جواب سمجھائے۔ تبلیغ کرنے کا طریقہ بتایا اور دعائیں کرنے کے ڈھنگ سکھائے اور کچھ مسنون دعائیں یاد بھی کرائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کو جزائے خیر دے اور اپنی رحمت کے سائے میں رکھے۔

میں کم سمجھ اور نا تجربہ کار تھا۔ نہ کوئی ہمدرد' نہ کوئی ہمراز' نہ دم ساز کم علم بھی تھا۔ میرے خیالات اور ان کی وسعتیں بہت محدود تھیں۔ اس لئے میرا وقت پریشانی میں گزرنے لگا۔ گاؤں میں مخالفت کا ہر روز نیا فتنہ اٹھتا اور میری زندگی کو تلخ کر جاتا۔ دن بدن نفرت بڑھتی گئی۔ مجھے دکھ دینے کی اسکیمیں بنتیں۔ مجھے

تنگ کرنے کے منصوبے تیار ہوتے۔ غرض

سارا گاؤں اک طرف اور میں اکیلا اک طرف یا یوں کہہ لو کہ
ساری خدائی اک طرف' فضل خدائی اک طرف

مجھے احمدیت سے ہٹانے کی کوششیں جوں جوں ناکام ہوتیں توں توں مخالفت کی آگ تیز ہوتی جاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا کہ میں پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور اتنی شدید مخالفت میں مضبوطی کے ساتھ احمدیت پر قائم رہا۔ میں نے خوب دعائیں کیں۔ خوب دعائیں کیں اور نوافل پر زور دیا میرا دل آستانہ الٰہی پر جھکا رہا۔ یہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اس استقلال میں میری اپنی کوئی خوبی نہ تھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی تائید تھی اور اس کا فضل تھا۔ ورنہ کیا پدی اور پدی کا شوربا۔

تائیدالٰہی کے کرشمے

1- تفلحون:

مخالفت اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ میں سخت پریشان رہنے لگا ایک رات میں نے اپنے مولا کے حضور خاص طور پر دعا کی اور عرض کیا۔ اے میرے آقا' اے میرے پروردگار' میں نے احمدیت کو تیری رضا حاصل کرنے کا راستہ سمجھ کر قبول کیا ہے۔ میں نے کیا قبول کیا ہے۔ اے قدوس خدا تو نے خود ہی مجھے اس راستے پر گامزن کیا ہے سو اب تو خود ہی میری تسلی فرما کہ کیا یہی فلاح کا راستہ ہے مجھے یقین تو ہے مگر اطمینان قلب چاہتا ہوں۔

خداتعالیٰ کی ذرہ نوازی سمجھئے کہ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا۔ مَیں ایک بہت بڑے شہر میں پھر رہا ہوں۔ ایک پر رونق بازار میں سے میرا گزر ہوا۔ ایک دکان پر مَیں نے ایک بڑا سائن بورڈ دیکھا جس پر خوبصورت اور رنگین الفاظ میں۔

تفلحون

لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ میں عربی سے بالکل نابلد تھا۔ آنکھ کھلی تو صبح صادق کا وقت تھا۔ وضو کیا اور نماز پڑھی۔ بعدازاں قرآن پاک لے کر اس لفظ کے معنی دیکھنے لگا۔ جونہی قرآن مجید کھولا۔ دائیں صفحے پر مجھے یہ لفظ مل گیا۔ جس کا ترجمہ تھا:

''فلاح پانے والے''

الحمدللہ کہ میرے مولا نے خود ہی میری تسلی فرمادی۔ اب میرے قدم پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ مجھے پتہ چل گیا کہ میں فلاح کے مقام پر ہوں۔ یہ کس قدر خداتعالیٰ کا احسان ہے کہ میں تو عربی کا ایک لفظ بھی نہ جانتا تھا مگر اس نے اپنی مقدس عربی زبان میں نہ کہ اردو یا پنجابی میں' مجھے اطمینان دلایا۔ سبحان اللہ وبحمدہ....

2- کوے اور کبوتر

میں بیان کر چکا ہوں کہ مجھے ڈرانے دھمکانے کی نت نئی سکیمیں بنتیں۔ ایک دن میں نے سنا کہ مجھے زدوکوب کر کے زبردستی احمدیت سے ہٹانے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ میں یہ سن کر پھر اپنے رفیق حقیقی کے آگے جھک گیا اور دعا کی کہ اے قدرت والے خداوند تو ہی مجھے ان لوگوں کے ظلم وستم سے بچا سکتا ہے۔ میں تو اکیلا ہوں۔ یہ سارا گاؤں ہے۔ چنانچہ میں نے رویا میں دیکھا۔

کہ میں ایک کھلے میدان میں کھڑا ہوں اور میرے سر پر بے شمار کوے منڈلا رہے ہیں جو مجھ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا اور یوں دعا کی۔ اے میرے خدا یہ کوے تو مجھے مار دیں گے۔ تو میری مدد فرما۔ میں نے دیکھا کہ بہت دور اوپر آسمان پر سے ایک سفید کبوتر اتر رہا ہے میں سمجھتا ہوں یہ خداتعالیٰ نے میری مدد کیلئے ہی بھیجا ہے۔ ساتھ ہی میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ یہ تو صرف ایک کبوتر ہے۔ کوے بہت زیادہ ہیں۔ فوراً ایک اور کبوتر نمودار ہو گیا اور دونوں کبوتروں نے تمام کووں کو مار مار کر بھگا دیا۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ دل سرور سے بھر گیا اور میں اس کے حضور جھک گیا۔ تعبیر یہ سمجھ میں آئی کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر مجھے مارنے کی صلاح ضرور کریں گے مگر یہ کوے ہی ہیں جو صرف کائیں کائیں کرنا جانتے ہیں۔ میرا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ آسمان سے روح القدس اترے گی اور ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دے گی۔ میرا یہ خیال صرف خداتعالیٰ پر حسنِ ظن اور اس پر کامل یقین کے تحت ہی تھا ورنہ ایک 17-16 سال کا لڑکا سارے گاؤں کے لوگوں سے کس طرح بچ سکتا تھا۔ چنانچہ خدائے قادر نے میرے خواب کو اسی طرح پورا کیا جس طرح دکھایا تھا۔ واقعہ یوں ہوا۔

کہ ایک دن مغرب کے وقت ایک شخص میرے پاس آیا مجھے باہر بلا کر کہا کہ اندر سنگھ تمہیں بلاتا ہے۔ اندر سنگھ میرا دوست تھا۔ میں اس شخص کے ساتھ چل پڑا۔ میری والدہ محترمہ نے مجھے روکا بھی کہ اس وقت تم گاؤں میں نہ جاؤ۔ مگر میں نے کہا۔ کوئی بات نہیں۔ اندر سنگھ تو میرا دوست ہے۔ احتیاطً میں نے حمائل شریف ساتھ لے لی۔ میں اس شخص کے ساتھ ساتھ گاؤں کے عین وسط میں پہنچ گیا۔ جب ہم دونوں اندر سنگھ کی دکان کے برابر پہنچے تو اس نے پیچھے سے مجھے دھکا دے کر آگے کر لیا اور کہا۔ اندر سنگھ کو کیا دیکھتے ہو ذرا آگے چلو۔ آج ہم تمہاری مرمت کرتے ہیں مجھے اس صورتحال کا وہم بھی نہ تھا۔ جب ذرا آگے بڑھا

تو سینکڑوں مرد اور عورتیں گلی کوچے میں جمع تھے اور ایک بیٹھک میں چارپائی پر مولوی صاحب براجمان تھے۔ مجھے چارپائی کے قریب نیچے بٹھا دیا گیا۔ لوگوں نے مولوی صاحب سے کہا۔ لو جی مولوی جی یہ لڑکا ہے جو مرزائی ہو گیا ہے۔ اس سے آج توبہ کروانی ہے۔ توبہ کر لی تو واہ واہ۔ ورنہ آج یہ یہاں سے سلامت نہیں جا سکتا۔ میں اپنا خواب بھول چکا تھا۔ اس لئے بہت گھبرا گیا اور دل ہی دل میں اپنے مولا سے دعا مانگنے لگا۔

مولوی صاحب مجھے پچکارنے لگے اور فرمایا۔ کہ یہ لڑکا تو بہت سمجھدار اور ہونہار ہے۔ یہ مرزائی نہیں ہو سکتا۔ میں بھی سمجھ گیا کہ حضرت مولوی صاحب مجھے بنا رہے ہیں۔ عرض کیا ہاں جناب میں مرزائی نہیں ہوں۔ بس یہ سن کر مولوی صاحب خوشی میں پھول گئے۔ لوگوں سے کہا۔ دیکھا میں نے نہ کہا تھا یہ لڑکا بہت اچھا ہے۔ مرزائی نہیں ہو سکتا۔ میں اس وقت اس مغالطے سے فائدہ اٹھا کر اس مصیبت سے نجات پا سکتا تھا مگر میرا ضمیر اس کیلئے تیار نہ تھا اور نہ ہی میں نے مرزائی ہونے سے اس لئے انکار کیا تھا کہ اس طرح ہیر پھیر کر کے بچ نکلوں۔ اس لئے میں نے فوراً مولوی صاحب کو کہا کہ جناب میں احمدی ہوں حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور حضرت امام مہدی آ چکے ہیں اور میں نے انہیں قبول کر لیا ہے۔ بس میرے اتنا کہنے پر ایک شور پڑ گیا۔ لوگوں نے مولوی صاحب سے کہا مولوی جی یہ چھوکرا بڑا ہوشیار ہے دیکھا کس طرح باتیں کرتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ ورنہ ہم اس کا دوسرا علاج کرتے ہیں اور دوسرا علاج میں خوب سمجھتا تھا کہ کیا ہوگا۔ وہی جو خدا کے بندوں کے ساتھ دنیا کے بندے کرتے آئے جو مومنوں کے ساتھ کافروں نے کیا۔ جو الٰہی جماعتوں سے شیطانی گروہ نے کیا۔ میں نے پھرتی سے حمائل شریف نکال کر ایک آیت مولوی صاحب کے سامنے پیش کر دی۔

"وما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل."

عرض کیا مولوی صاحب ذرا اس آیت کے معنی کر دیجئے۔ وہ کچھ ہچکچائے اور بجائے آیت کے معنی مطلب بتانے کے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ میں نے کہا۔ حافظ محمد لکھو کے والے اس آیت کے معنی پنجابی شعروں میں یوں کرتے ہیں:

جویں پیمبر گزرے سارے زندہ رہیا نہ کوئی
تویں محمدؐ رہے نہ دائم موت بندیاں سر ہوئی

لوگوں کا اس پر یہ اثر ہوا کہ مولوی صاحب اس کے ساتھ بحث نہیں کر سکتے۔ میرے متعلق وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ زیادہ پڑھا ہوا اور ہوشیار ہے۔ اس لئے وہ مولوی صاحب کی بے عزتی کو چھپانے کیلئے مجھ پر سختی کرنے پر تل گئے اور مجھے دو شخصوں نے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر لیا۔ باقی سب لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور شور پڑ گیا۔ مولوی صاحب نے بھی سمجھا کہ میری جان چھوٹی۔ حالانکہ بحیثیت عالمِ دین ہونے کے ان کا فرض تھا کہ اس ظلم سے لوگوں کو روکتے اور اسلامی تعلیم کا مظاہرہ کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور مجھے ان درندوں میں گھرا چھوڑ کر چلے گئے۔ اب میں سینکڑوں آدمیوں میں اکیلا تھا۔ مجھے ان لوگوں نے آخری چیلنج کیا کہ یا تو تم فوراً توبہ کر لو نہیں تو ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ ہم یہ بیماری اپنے گاؤں میں نہیں رہنے دیں گے۔ میرے دونوں بازو دو آدمیوں نے پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے جواب دیا۔ توبہ تو میں ہر وقت کرتا رہتا ہوں۔ ایک نے مکا اٹھا کر کہا۔ باتیں نہ بناؤ۔ مرزے کو گالیاں دو اور مسلمان ہو جاؤ۔ عین اس وقت جبکہ مجھ پر مکہ بازی کی مشق شروع ہونے والی تھی۔ بھیڑ کو چیرتا ہوا ایک شخص میری طرف لپکا۔ یہ اندر سنگھ تھا۔ اس کے آتے ہی لوگوں نے میرے بازو چھوڑ دیئے۔ اندر سنگھ نے گرج کر کہا۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ ایک لڑکے پر زور آزمائی کر رہے ہو۔ یہ تمہاری مسلمانی ہے۔ لو اب میں آ گیا ہوں اب کوئی مائی کا لال نکلے اور اسے ہاتھ لگائے۔ بس پھر کیا تھا۔ بہادر گڑھ کے سب شیر بہادر بھیگی بلی بن کر ادھر ادھر کھسکنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان خالی ہو گیا۔ بات یہ تھی۔ اندر سنگھ سکھوں میں بھی ممتاز تھا اور تمام مسلمانوں میں بھی اس کا رعب تھا۔ کوئی ایک شخص بھی بول نہ سکا اور اندر سنگھ مجھے اپنے ساتھ لے کر میرے گھر چھوڑ گیا۔ اب مجھے اپنا رویا یاد آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اِن کوؤں سے نجات بخشی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

والدہ محترمہ کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو بہت پریشان ہوئیں مگر میں نے ان کو تسلی دی۔ اور احمدیت کے متعلق ان کو کچھ بتایا۔ فرمانے لگیں۔ تم نے کون سا دین اختیار کر لیا ہے کہ یہ لوگ تمہاری جان کے دشمن ہو گئے۔ حالانکہ تم پہلے سے زیادہ نمازیں پڑھتے ہو۔ خدا تعالیٰ کی یاد کرتے ہو۔ پھر یہ لوگ اتنی

مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بتایا کہ جب بھی کوئی خداتعالیٰ کی طرف سے آتا ہے دنیا کے فرزند اس کے ماننے والوں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان رہا کہ میری والدہ محترمہ نے میری کبھی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ سنجیدگی کے ساتھ حالات کا مطالعہ کرتی رہی۔ اگرچہ معمولی پڑھی لکھی تھی مگر سچائی کو قبول کرنے کی صلاحیت اس کے اندر موجود تھی۔

3- اوہ تے بیمار ہو گئے

میرے حقیقی نانا خلیفہ حبیب اللہ جو ایک پیر صاحب خواجہ احرار غزنوی کی طرف سے ہندوستان میں خلیفہ تھے۔ کھنہ میں رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی وہ روضہ شریف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر برکتیں حاصل کرنے کیلئے بہادر گڑھ میں آ کر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ میرے احمدی ہونے کے دو تین ماہ بعد نانا صاحب بہادر گڑھ تشریف لے آئے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ میں احمدی ہو گیا ہوں تو غضب میں آ گئے اگرچہ وہ ہمارے ہی گھر میں رہتے تھے۔ مگر پھر بھی مجھے سخت ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دیتے۔ تمسخر اڑاتے اور گندے الزام لگاتے۔ حقارت اور نفرت سے حضرت اقدس کا ذکر کرتے۔ مجھے بھی مکروہ گالیاں دیتے اور اپنا ڈنڈا لے کر مارنے کو دوڑتے۔ میں باہر بھاگ جاتا اور والدہ محترمہ روتی رہتیں۔ میری مجالی نہ تھی کہ نانا صاحب کے سامنے بولتا۔ ان کا پروردہ تھا۔ ان کا احسان مند تھا۔ اس لئے زبان بند تھی۔ ویسے بھی وہ بزرگ تھے۔ مجھ پر رعب تھا۔ حالانکہ اس وقت میں ورنیکلر مڈل پاس کر کے سرہند میں مدرس لگ گیا تھا اور 10 روپے ماہوار مجھے تنخواہ ملتی تھی۔ اب میں کسی کا محتاج نہ تھا۔ تاہم نانا صاحب کے سامنے کچھ کہنے کی جرأت نہ تھی۔ کیونکہ وہ مغضوب الغضب انسان تھے اور فوراً آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ اگرچہ عالم مشہور تھے۔ مگر مجھے انہوں نے کبھی دلائل دے کر نہیں سمجھایا کہ احمدیت غلط راستہ ہے۔ بلکہ جب کبھی میں احمدیت کے متعلق کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو بھڑک اٹھتے اور آگ بگولہ ہو جاتے۔ بس ان کا سمجھانا یہی تھا۔ میرے دل پر یہ اثر تھا کہ نانا صاحب کو کچھ علم نہیں ہے۔

غرض باہر کی مخالت تو تھی ہی۔ اب گھر بھی میرے لئے مصیبت کا گھر بن گیا۔ والدہ کو کہتے کہ تو

اسے مرزائیت سے توبہ کرا۔ لوگ ہماری بیعت کرتے ہیں۔ یہ مرزے کی بیعت میں چلا گیا۔ والدہ صاحبہ جب یہ جواب دیتیں کہ میں اسے کیا کہوں۔ پہلے سے زیادہ دیندار ہو گیا ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے' تہجد بھی پڑھتا ہے' ذکر الٰہی کرتا ہے۔ جبکہ اس عمر کے لڑکے آوارہ پھرتے ہیں۔ شرارتیں کرتے ہیں۔ نماز کے قریب نہیں جاتے۔ یہ سن کر نانا صاحب اور بھی غضب میں آ جاتے۔

جب ان کی کوئی پیش نہ گئی اور سختی پر سختی کر کے بھی احمدیت سے نہ ہٹا سکے تو ایک دن ناراض ہو کر شہر بسی میں چلے گئے۔ کہنے لگے تم لوگ سب کافر ہو۔ تمہارے گھر کا کھانا حرام ہے۔ والدہ محترمہ کو بھی برا بھلا کہا۔ بسی کا شہر ریاست پٹیالہ کا ضلع تھا اور بہادر گڑھ سے صرف ایک میل پر واقع تھا۔ یہاں کا ڈپٹی کمشنر محمد اشرف خاں نانا صاحب کا پیر بھائی یعنی خواجہ احرار کا مرید تھا۔ وہ میرے نانا کی خلیفہ ہونے کے سبب بڑی عزت کرتا تھا۔ ان کی کوٹھی میں جا کر رہنے لگے۔

چند دنوں کے بعد میرے چھوٹے نانا بسی سے پھر پھرا کر جو آئے تو مجھے کہنے لگے۔ لو بھئی محمد شفیع۔ اب یا تو توبہ کر لو یا پھر گھر سے کہیں باہر بھاگ جاؤ کیونکہ بھائی صاحب (میرے نانا) آج شام کو چند سپاہی لے کر آ رہے ہیں۔ وہ تمہیں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیں گے اور ماریں گے۔ میں نے تفصیل پوچھی تو کہا کہ بھائی نے خان صاحب (ڈپٹی کمشنر) سے کہا ہے کہ میرا نواسہ مرزائی ہو گیا ہے چند سپاہی مجھے دو تا کہ اسے پکڑ لائیں اور حوالات میں بند کر دیں۔ ڈرائیں' دھمکائیں' اس طرح وہ مرزائیت چھوڑ دے گا۔ خان صاحب نے کہا۔ خلیفہ صاحب یہ طریقہ تو ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ سختی پر بھی باز نہ آئے۔ نیز میں کس قانون کے تحت اسے گرفتار کر لوں اور اگر بالفرض وہ مرزائیت کو حوالات سے ڈر کر چھوڑ بھی دے تو رہا ہونے پر پھر مرزائی بن جائے گا پھر آپ کیا کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اسے دلائل سے سمجھائیں لیکن خلیفہ صاحب اپنی بات پر مصر رہے کہ آپ ضرور چند سپاہی مجھے دیں۔ چنانچہ خاں صاحب نے احتراماً خلیفہ صاحب کی بات مان لی اور کچھ سپاہی ان کے ہمراہ کر دیئے۔

میں یہ تفصیل سن کر بڑا گھبرایا۔ اس وقت میں گاؤں سے باہر سڑک پر گھوم رہا تھا۔ سوچا کہ گھر سے کیسے نکل جاؤں میری والدہ کیا کریں گی۔ میں انہیں کس کے بھروسہ پر چھوڑ جاؤں اور جاؤں بھی کہاں مجھے تو گھر سے بھاگنے کا تجربہ نہیں۔ سخت گھبراہٹ پیدا ہو گئی اور مجھے پسینہ آ گیا۔ جب میری شدت غم انتہا

کو پہنچ گئی تو مجھے غیب سے آواز آئی۔

اوہ تے بیمار ہوگئے

میں نہ جان سکا یہ آواز کس کی ہے۔ کیسی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ مگر آواز سنتے ہی اطمینان سا پیدا ہوگیا۔ غم کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور تشویش جاتی رہی۔ دیر تک باہر رہ کر میں گھر میں آگیا۔ یہاں تک کہ رات آگئی اور ہم سوگئے۔ آدھی رات گزری ہوگی کہ کسی نے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ میں اٹھا۔ دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ نانا صاحب بیمار ہیں اور ایک شخص نے ان کو پکڑا ہوا ہے۔ مجھے اس نے کہا کہ جلدی سے بستر بچھاؤ۔ یہ تو بیمار ہوگئے۔ میں نے چارپائی بچھائی بستر کیا۔ اور نانا صاحب کو اس پر لٹا دیا۔ والدہ بھی اٹھی ہوئی تھیں۔ میں نانا صاحب کی ٹانگیں دبانے لگا۔ والدہ قریب بیٹھ گئیں۔ ہم پریشان تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد نانا صاحب ذرا ہوش میں آئے۔ میں نے پوچھا آپ کو کیا ہوا۔ وہ میری طرف گھور کر کہنے لگے۔ آج تیری قسمت اچھی تھی۔ نہیں تو حوالات میں ہوتا۔ شیطان' مردود' خبیث' والدہ بہت پریشان ہوئیں اور بولیں۔ میاں جی۔ اس نے کیا کر دیا۔ حوالات میں کیوں ہوتا۔ اب نانا صاحب نے بتایا کہ میں جب سپاہی لے کر بسی سے باہر نکلا تو تھوڑی دور چل کر میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ میں ذرا بیٹھ گیا۔ کچھ ستا کر پھر اٹھا اور چلنے لگا۔ مگر چند قدم جا کر پھر بدن میں لرزا سا آیا اور گرنے لگا۔ میں پھر بیٹھ گیا۔ تھوڑا آرام کر کے پھر اٹھا اور چلنے کی کوشش کی۔ مگر اس دفعہ تو چکر کھا کر گر گیا اور حالت خراب ہوگئی میں نے سپاہیوں کو کہا۔ مجھے خان صاحب کی کوٹھی پر واپس لے چلو میری حالت خراب ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ مجھے بمشکل تمام کوٹھی پر لے گئے۔ خان صاحب نے ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے دیکھا۔ دوائی دی۔ اور چلے گئے۔ مگر میری حالت لحظہ بہ لحظہ بگڑتی چلی گئی۔ دوائی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ (یعنی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی) رات کے گیارہ بج گئے اور حالت ایسی بگڑی کہ موت سامنے نظر آنے لگی۔ یہاں تک کہ نزع کی سی حالت ہوگئی۔ اب میں نے خان صاحب سے کہا کہ مجھے بہادر گڑھ پہنچا دو۔ تاکہ میرا دم اپنے لوگوں میں نکلے۔ میرا بھائی۔ میری لڑکی وہاں ہے۔ چنانچہ خان صاحب نے گاڑی کا انتظام کیا اور ایک شخص کو ساتھ کر دیا۔ اور مشکل سے یہاں تک پہنچایا۔ مگر حیرت ہے کہ اب میں بالکل تندرست ہوں۔ ایسا تندرست کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں میں یہ کہانی سن کر وجد میں آگیا۔ واہ میرے مولا۔ ایک نالائق لڑکے

کے ساتھ یہ سلوک صرف اس لئے کہ اس نے تیرے مامور کو قبول کر لیا وہ بھی اپنی دانشمندی سے نہیں بلکہ تیری عنایت سے تو کتنا قدرت والا خدا ہے۔ کتنی جلدی پہنچتا ہے۔ سچ ہے'

خدا کے نیک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو اک عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

میں اپنے تئیں نیک تو نہیں کہتا۔ مگر اے خداوند پیارے خدا برا یا بھلا تیرا بندہ تو ہوں۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے ہی لئے یہ شعر نہیں فرمایا:

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کے پا گیا درگاہ میں بار

میں نے بڑی جرأت اور دلیری سے یہ قصہ سن کر نانا صاحب سے کہا میاں جی مجھے خدا تعالیٰ نے تو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ آپ بیمار ہو گئے۔ مگر آہ بدنصیبی تیرا برا ہو۔ بجائے اس کے کہ نانا صاحب میری بات پر سنجیدگی سے توجہ فرماتے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے۔ حسب عادت غضب میں آکر بولے او خبیث تو ولی اللہ بن گیا ہے۔ ہم لوگوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کیں۔ چلّے کاٹے' اپنے حضرت صاحب کی مجلسوں میں رہے۔ مگر ہمارے ساتھ خدا نہ بولا۔ تو نے کل مرزے کو مانا ہے اور تیرے ساتھ خدا بولنے لگا۔ آہ کاش کہ ان کو علم ہوتا کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ زندہ خدا تھا۔ وہ ان سے ہمکلام ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس کے خادموں کے ساتھ بھی وہ بولا۔ اور بول رہا ہے۔ حضرت صاحب نے کیا سچ فرمایا:

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

میں نانا صاحب کی ڈانٹ سن کر خاموش رہا۔ مگر دل میں اپنے مولا کی اس غیبی امداد پر کتنا مسرور ہوا۔ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ نانا صاحب یہ کہہ کر گھر سے گئے تھے کہ میں کافروں میں نہیں رہ سکتا۔ اور کافروں کا کھانا نہیں کھا سکتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کس طرح گردن سے پکڑ کر انہی کافروں کے گھر میں لا ڈالا اور کس طرح پھر انہی کافروں کے گھر کا کھانا کھلایا۔ اے خداوند خدا تو کتنا طاقتور ہے۔ کس کی مجال ہے کہ تیرے آگے دم مار سکے۔ تو غرور کا سر نیچا کر دیتا ہے۔ متکبّر کو ذلت کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد.

4- بہادر گڑھ میں چند ایک گھر پیرزادوں کے بھی تھے۔ وہ اپنی موجودگی میں دوسرے کی عزت افزائی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ مجھ سے اس لئے حسد کیا کرتے تھے کہ لوگ میری عزت کرتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ جب میں احمدی ہو گیا تو ان کی باسی کڑھی میں بھی ابال آ گیا۔ اور میری مخالفت میں پیش پیش رہنے لگے۔ ان میں سے ایک شخص ہدایتی نام کا تھا۔ مگر برعکس نام نہند وہ بڑا بے ہدایتا تھا۔ کچھ پڑھا لکھا تھا۔ یہ شخص خاص طور پر میرا دشمن ہو گیا۔ مجھے دیکھتے ہی ناک منہ چڑھاتا۔ تمسخر کرتا اور حضرت اقدس کے متعلق ناگفتہ بہ کلمات کہتا۔ اس نے میرا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اسے جلد ہی طاعون میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔ اور یہ لاولد و نامراد دنیا سے کوچ کر گیا۔ اسی طرح کا ایک اور شدید معاند تھا جو گاؤں کا چوکیدار تھا یہ اپنے تئیں گاؤں کا کپتان پولیس سمجھتا تھا۔ یہ مجھے ڈراتا دھمکاتا رہتا اور گالیاں دیتا رہتا۔ میں تو کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ صبر کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ یہ بھی لاولد اور نامراد اس جہاں سے چل بسا۔

لیکن دراصل سارا گاؤں ہی میرا دشمن تھا اور چھوٹے بڑے سب میری مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ دو تین سکھ ضرور میرے ساتھ تھے اور اندر سنگھ مجھے حوصلہ دیتا رہتا تھا کہ کسی کی مجال نہیں تمہیں کچھ کہے۔ مگر یہ لوگ ہر وقت میرے ساتھ نہیں رہتے تھے اور پھر میں ان کے سہارے جینا بھی نہ چاہتا تھا۔ آخر والدہ نے مجھے کہا کہ ہم پھر کھنہ چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر اب رہنا ٹھیک نہیں۔ میں نے والدہ محترمہ کے فیصلے سے اتفاق کیا۔ کیونکہ میں اپنی ماں کی پریشانی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے ہم دوبارہ کھنہ چلے آئے۔

دوبارہ کھنہ میں آمد

کھنہ میں آ کر ہم نے اسی پرانی گلی میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ کیونکہ اب نانا صاحب اپنے مکان میں ہمیں جگہ دینے کو تیار نہ تھے۔ ویسے نانا صاحب ان دنوں اپنے بیٹے کے پاس گئے ہوئے تھے کیونکہ میرے چھوٹے ماموں جن کے ساتھ وہ رہتے تھے مر چکے تھے۔ اور ان کی بیوی بھی۔ صرف ایک لڑکی تھی جسے لے کر نانا صاحب بڑے ماموں کے پاس چلے گئے۔ ماموں صاحب ان دنوں جہلم گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔

ہم اس چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے۔ یہاں پر کوئی مخالفت نہ تھی۔ ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ وہی لوگ تعلیم یافتہ' مالدار اور ذی اثر تھے مسلمانوں کی زیادہ آبادی ہمارے محلے سے بہت دور کے محلے میں تھی۔ اور تھوڑے مسلمان ہمارے قریب تھے وہ بھی غریب لوگ' ادنیٰ قوم سے۔ صرف ایک شخص تھوڑا بہت پڑھا لکھا تھا۔ وہ احمدیت کے خلاف بکواس کرتا رہتا۔ مگر اس کی کوئی سنتا نہ تھا۔ کیونکہ وہ وہابی تھا۔ میں بھی اس کی چنداں پرواہ نہ کرتا۔ ویسے کبھی کبھار بازار میں کسی دکان پر اس سے مڈھ بھیڑ ہو جاتی۔ اب میرا بھی کسی قدر مذہبی مطالعہ ہو گیا تھا۔ اسے کافی وشافی جواب دے لیتا۔ کھنہ میں صرف دو احمدی تھے۔ ایک وفات پا چکا تھا صرف ایک شخص قاضی محمد سعد اللہ صاحب وہاں تھے۔ لیکن یہ بھی باہر کسی جگہ ملازم تھے۔ کبھی کبھی گھر آتے اور ہم دونوں مل کر نماز پڑھ لیا کرتے۔ یہ احمدی دوست بڑے جوشیلے اور سخت طبیعت کے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے ابتدائی عہد میں احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔ کھنہ میں مجھے آرام کے ساتھ مذہبی لٹریچر کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ کچھ کام بھی کرنے لگا اور چھوٹا بھائی رشید بھی کچھ بساطی کا سامان لے کر شہر میں پھیری کرتا اور آٹھ دس آنے لے آتا۔ جن سے ہمارا گزارہ ہو جاتا۔ میری اب کھنہ میں نئی زندگی تھی۔ اب ہندو سوسائٹی سے کچھ سروکار نہ تھا نہ ان کے مشاغل سے دلچسپی۔ شروع شروع میں ہندو دوست لڑکے میرے پاس آتے اور پھر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتے۔ مگر اب ان کی میں کچھ نہ سنتا۔ الٹا انہیں تبلیغ کرتا' آخر آہستہ آہستہ انہوں نے میرا پیچھا چھوڑ دیا۔

اسی طرح عیسائیوں سے بھی اب مجھے کوئی کام نہ تھا۔ ایک بار میں اتفاق سے ان کے کمپاؤنڈ میں چلا گیا۔ پادری صاحب کی بیوی مجھے دیکھ کر میری طرف لپکی اور بہت خوش ہو کر کہنے لگی۔ محمد شفیع تم اتنی مدت کہاں رہے۔ کہو اچھے تو ہو میں نے کہا۔ میں نے خداوند مسیح کو قبول کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ نئی پیدائش میں آ گئے ہیں۔ وہ حیران ہو کر بولی۔ خداوند یسوع مسیح' نئی پیدائش میں۔ وہ کہاں آئے' میں نے کہا' قادیان میں' قادیان کا نام سنتے ہی وہ ٹھنڈی پڑ گئی۔ میں نے کہا' خداوند یسوع مسیح تو فوت ہو چکے۔ ان کی جگہ مسیح محمدی آ گیا ہے۔ اتنے میں پادری صاحب اور دیگر عیسائی بھی اکٹھے ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ احمدی ہو گیا ہے تو کہنے لگے اس سے بات کرنا فضول ہے۔ میں وہاں سے چلا آیا میں نے احمدی ہو کر عیسائیوں' آریوں اور مولویوں کے مذاہب کا تھوڑا تھوڑا مطالعہ کر لیا۔ نیز قرآن مجید بھی خود بخود پڑھنا

شروع کردیا۔ آہستہ آہستہ کچھ مہارت پیدا ہوگئی۔ اس لئے کھنہ جتنا عرصہ رہا کبھی آریوں سے کبھی عیسائیوں سے اور کبھی اس وہابی سے بات چیت ہوتی رہتی۔ یہاں سے میری تبلیغی زندگی شروع ہوگئی اور خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میری سمجھ بوجھ میرے علم اور میرے تجربے میں اضافہ فرمانا شروع کردیا۔ اب میں کھنہ کیلئے پرانا محمد شفیع نہ تھا۔ بلکہ نیا محمد شفیع اسلم تھا۔ کیونکہ میں نے شعروشاعری بھی شروع کردی تھی اور ٹوٹے پھوٹے شعر احمدیت کی صداقت میں کہنے لگا تھا۔ کبھی کبھی کچھ لڑکے مل کر مشاعرہ بھی کرلیتے۔ اس میں بھی شامل ہوجاتا۔ مگر میں نے اپنی شاعری کو مذہبی تبلیغ تک محدود رکھا اور آج تک میرا یہی طریق ہے۔

دراصل میری شاعری حضرت اقدسؑ کے اس شعر کے ماتحت ہے:

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

خدا اور رسول کی باتیں منظوم کرلیتا ہوں اور اس سے تبلیغ میں مدد لیتا ہوں۔ شدھی کی تحریک میں خاص طور پر میں نے اپنی نظموں سے فائدہ اٹھایا۔ آریہ اسلام کے خلاف بھجن کہتے اور سناتے اور میں ان کے جواب میں بھجن خوش الحانی سے سناتا۔ اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔ غرض کھنہ میں اب میں نے اپنے پرانے مشاغل کو بالکل ترک کردیا اور تبلیغ میں لگ گیا۔ میرے ہندو اور مسلمان دوست حیران ہوتے کہ یہ کیا سے کیا ہوگیا۔ کوئی مجھے مرثیے پڑھنے کیلئے بلانے آتا' کوئی ڈرامے کیلئے مگر یہاں تو اب دنیا ہی بدل چکی تھی اور میرا شیطان مجھ سے روٹھ چکا تھا سچ ہے:

یارو مسیح پاک تو آکر چلے گئے
مردوں کو ٹھوکروں سے جلا کر چلے گئے

لو میرے خیالات کی دنیا بدل گئی
میں کیا تھا اور کیا وہ بنا کر چلے گئے

دنیا کے حسن گر گئے میری نگاہ میں
جب سے وہ اپنا جلوہ دکھا کر چلے گئے

ظلمت کی وادیوں میں تھا انساں بھٹک رہا
بازو پکڑ کے راہ دکھا کر چلے گئے

اقلیم معرفت کے شہنشاہ تھے حضور
سو معرفت کے جام لٹا کر چلے گئے

بے فائدہ کیوں راہ تک رہے ہو دوستو
جس کا تھا انتظار وہ آکر چلے گئے

رہتا ہوں ان کی یاد میں ہر وقت بے قرار
کچھ ایسا دل میں درد اٹھا کر چلے گئے

اسلم وہ تیرے دل میں ہی رہتے ہیں ہر گھڑی
پھر کیوں یہ کہہ رہا ہے کہ آکر چلے گئے

میرا نارمل سکول میں داخلہ' اور نانا صاحب کی پیشگوئی

کھنہ میں میری طبیعت دینی اور دنیاوی ترقیوں کیلئے بے چین رہتی تھی۔ کوئی ذریعہ نہ تھا۔ نہ کوئی سہارا۔ آخر میں نے سوچ سوچ کر جہلم میں ماموں صاحب کو خط لکھا کہ مجھے وہ کسی نارمل سکول میں داخل کرادیں۔ اس زمانے میں راولپنڈی' ملتان' لاہور' جالندھر' انبالہ یعنی صرف کمشنری کے صدر مقام پر ہی نارمل سکول (جے۔ وی) ہوا کرتے تھے۔ اور سارے پنجاب میں صرف سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں ایس۔ وی کلاس تھی نارمل پاس کرکے تمام طلبا ایس وی میں داخلے کیلئے لاہور ہی جاتے تھے۔

ماموں صاحب اگرچہ اب مجھ سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ مگر ان کی ہمشیرہ یعنی میری والدہ زندہ تھیں۔ اس لئے وہ ہمیں قطعی نہ چھوڑ سکے۔ ملنا جلنا قائم ہی رہا۔ البتہ انہوں نے ہماری امداد بالکل بند کردی۔ چونکہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ اس لئے مذہب کے معاملے میں نانا صاحب کی طرح متعصب نہ تھے۔ ہاں احمدیت سے بدظن ضرور تھے۔

میں نے ان کو ایسے رنگ میں لکھا کہ ان کا دل پسیج ہی گیا۔ میں نے لکھا کہ میں مڈل پاس کرکے بیکار ہوں۔ اگر آپ مجھے نارمل سکول میں داخل کرادیں تو آپ کی از حد مہربانی ہوگی۔ اگر آپ مجھ سے میرے احمدی ہونے پر ناراض ہیں تو یہی سمجھ لیں کہ آپ کے شہر کا رہنے والا ہوں۔ ہندو یا سکھ بھی اگر آپ کو لکھتا تو ہم وطن ہونے کے لحاظ سے آپ اس کی امداد ضرور فرماتے۔ اس لحاظ سے میں بھی آپ کی مدد کا مستحق ہوں۔ چنانچہ ماموں صاحب نے مجھے جہلم بلالیا اور میری درخواست لے کر اس پر ضروری کارروائی کرکے مجھے راولپنڈی نارمل سکول میں داخل کرادیا۔ اس زمانے میں نارمل سکول کے ہر طالب علم کو پندرہ روپے ماہوار وظیفہ ملا کرتا تھا۔ مجھے بھی ملنے لگا۔ کھنہ میں میرا بھائی رشید گزارہ چلاتا رہا۔ اور اس طرح میں نے ایک سال کا کورس پورا کرکے نارمل پاس کرلیا۔ یہ 1915ء کا ذکر ہے۔ راولپنڈی میں اس وقت چھوٹی سی جماعت تھی۔ نارمل سکول میں میرے ایک استاد فارسی ٹیچر مولوی علی احمد صاحب حقانی تھے جو بہت نیک اور متقی انسان تھے اور اچھے کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔ انسپکٹر آف سکولز کے ہیڈ کلرک سید محمد اشرف صاحب اور منشی نوردین صاحب بھیروی اور غلام نبی صاحب سیٹھی اور حکیم صاحب یہ سب لوگ بزرگ مخلص اور نیک تھے۔ جمعہ حکیم صاحب کے مکان پر ہوا کرتا تھا۔ میں بورڈنگ میں رہتا تھا اور کچھ طلبا کو میں نے تبلیغ شروع

کردی۔ خداتعالیٰ کے فضل سے دولڑ کے احمدیت کے بہت قریب آگئے اور سکول چھوڑنے کے بعد انہوں نے بیعت بھی کرلی۔ نانا صاحب کو جب معلوم ہوا کہ ماموں صاحب نے نارمل کے داخلے میں میری مدد کی ہے تو بہت ناراض ہوئے اور ماموں صاحب سے کہا تم نے ایک کافر کی مدد کر کے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک موقعہ پر مجھے کہنے لگے۔ بہتر ہے تم توبہ کرلو ورنہ فیل ہو جاؤ گے۔ احمدیت چونکہ اب میرے اندر میخ کی طرح گڑ چکی تھی۔ اور میں اسے خدائی صداقت سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نانا صاحب کی اس پیشگوئی پر بڑا خوش ہوا۔ اور مجھے یقین کامل ہو گیا کہ اب میں ضرور پاس ہو جاؤں گا۔ کیونکہ زمین و آسمان کا خدا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا ہے وہ سچائی کو مشتبہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ میں نے بے فکر ہو کر تعلیم شروع کردی۔ اگرچہ میں نے کوئی خاص محنت سے پڑھائی نہ کی تھی۔ مگر خداوند تعالیٰ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں کہ سالانہ امتحان میں فسٹ ڈویژن لے کر پاس ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

امتحان دے کر میں کھنہ آگیا تھا۔ پاس ہونے پر ماموں صاحب کی خدمت میں بھی نتیجے کی اطلاع دی اور ساتھ ہی نانا صاحب کو لکھا کہ آپ کی مہربانی سے میں فسٹ ڈویژن میں پاس ہو گیا ہوں۔ خداتعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس خبر سے ان کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا۔ مگر مجھے اتنا یاد ہے کہ پاس ہونے پر مجھے ڈبل مسرت حاصل ہوئی۔ خدا کی شان ہے ایک بہت بڑے پیر کا خلیفہ ایک طرف اور جری اللہ فی حلل الانبیا کا ادنیٰ ترین ناچیز سا خادم دوسری طرف۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

نارمل پاس کر کے

میں ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ساہنیوال مڈل سکول میں لگ گیا۔ ساہنیوال کا قصبہ کھنہ سے لودھیانہ کی طرف پندرہ میل پر تھا اور ریلوے اسٹیشن تھا حسب عادت میں نے یہاں بھی تبلیغ شروع کر دی۔ اور جلد ہی میری تبلیغ سے دو، تین شخص احمدی ہو گئے۔ یہاں پہلے کوئی احمدی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ یہاں جمعہ کی نماز ہونے لگی۔ ان نئے احمدیوں میں فقیر محمد ایک غریب سا نوجوان سبزی فروش تھا۔ اگرچہ کم علم تھا۔ مگر آہستہ آہستہ وہ اتنا جوشیلا احمدی ہو گیا کہ خود مجھے اس پر رشک آنے لگا۔ دکان پر ہر وقت تبلیغ کرتا رہتا۔ ہر گاہک، ہر راہ گیر ہر اجنبی کو تبلیغ کرتا، سارا دن بولتا رہتا۔ مخالفت یہاں پر بھی نہیں تھی۔

قصبے میں کوئی عالم نہ تھا۔ مسجد کا ملا معمولی علم و عقل کا مالک تھا۔ جاہل مسلمانوں کی کثرت تھی۔ ویسے قصبے میں ہندوؤں کی اکثریت تھی ان لوگوں سے بھی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک احمدی بزرگ حضرت شیخ غلام احمد صاحب تشریف لے آئے۔ یہ بزرگ اسی علاقہ کے ایک معزز ہندو گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر جوانی میں ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ہندو نام ہیرا لال تھا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ بزرگ ہیرا ہی ثابت ہوئے۔ بڑے متقی، پارسا صاحب کشف اور ملہم، شب بیدار، دعا گو انسان تھے اور سلسلے کی طرف سے واعظ مقرر تھے۔ روحانی پرواز میں کبھی کبھی عالم بے خودی کی سیر بھی کرتے۔ میں تو نیا نیا احمدی تھا روحانیت کے میدان کے نشیب و فراز سے ناواقف محض تھا۔ مجھے فرمانے لگے میں دانیال نبی ہوں۔ خداتعالیٰ نے مجھے دنیا کی اصلاح کیلئے بھیجا ہے۔ میں ان کے اس دعویٰ پر ابھی حیران ہی تھا کہ دوسرے دن الفضل اخبار میں اعلان آگیا کہ شیخ غلام احمد صاحب جہاں کہیں بھی ہوں احباب انہیں قادیان میں بھیج دیں اور ان کے ساتھ کسی قسم کا بحث مباحثہ نہ کریں۔ میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ شیخ صاحب کو سمجھا بجھا کر قادیان کا ٹکٹ لے کر سوار کر دیا۔

ساہنیوال میں میری آنکھیں دکھنے لگیں۔ نہ معلوم یہ کیسا دکھنا تھا کہ آج اس پر پچاس برس گزر چکے صحت یاب نہ ہو سکیں یہ میری اپنی شامت اعمال ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بڑے انعام کی ناقدری کی اور ان کی کما حقہ، حفاظت نہ کر سکا۔ بے پرواہی سے ساری رات پڑھتے رہنا اور دیگر بدعنوانیاں اپنا رنگ لائیں اور میں وسیع علمی مطالعہ سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ میری یہ غلطیاں، بے احتیاطیاں معاف فرمائے۔

ایس وی کلاس میں داخلہ اور نانا صاحب
کی دوسری پیشگوئی

اگر چہ میری آنکھیں خراب تھیں۔ مگر میں نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا۔ ساہیوال میں ایک سال گزر گیا اور داخلہ قریب آ گیا۔ ماموں صاحب ان دنوں لاہور میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز لگے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو پھر لکھا کہ آپ کی شفقت اور مہربانی سے میں نے نارمل کر لیا تھا۔ اب اگر ایک بار پھر آپ بندہ نوازی کر دیں۔ اور ایس وی کلاس میں داخل کرا دیں۔ تو عمر بھر احسان نہ بھولوں گا۔ اگر چہ نانا صاحب پہلے ان پر میری امداد کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ جو دلوں پر قبضہ رکھتا ہے۔ اس نے ماموں صاحب کے دل کو پھر میری امداد پر مائل کر دیا۔ اور مجھے انہوں نے لاہور سینٹرل ٹریننگ کالج میں داخل کرا دیا۔ ایس۔ وی کلاس میں ان دنوں اٹھارہ روپے وظیفہ ملا کرتا تھا۔ اس لئے میں بے فکر تھا۔ اب میں چار پانچ روپے ماہوار اپنی والدہ کو بھی بھیج سکتا تھا۔ ویسے میرا بھائی رشید بھی کچھ نہ کچھ کر لیتا تھا۔

خدا تعالیٰ کا کرم دیکھئے۔ نانا صاحب نے اب کے پھر ایک عدد پیشگوئی داغ دی۔ اور مجھے کہنے لگے۔ کہ اسدفعہ تو ضرور فیل ہو جائیگا۔ خدا تعالیٰ کافروں کو ناکام و نامراد رکھتا ہے۔ تو سچے دین سے پھر کر مرزا کی طرف چلا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

زندہ خدا پر ایمان رکھنے والے احمدی کو یقیناً یہ پیشگوئی سن کر خوش ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ میں بے حد خوش ہوا۔ اے خداوند خدا یہ تو تیرا خاص کرم ہے۔ کہ ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلوائے۔ بے شک تو

کافروں کی مدد نہیں کرتا۔ اور یہ سچ ہے۔ کہ کبھی تیرے مومن بندے ناکام نہیں رہتے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

اب مجھے سولہ آنے یقین ہو گیا۔ کہ میں ایس۔ وی میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ دل ہی دل میں خوش ہوا۔ کہ نانا صاحب نے پیشگوئی فرما دی اب خدا تعالیٰ ان پر ظاہر کر دیگا کہ میں کافر نہیں مومن ہوں۔ نیز احمدیت کی سچائی سورج کی طرح سامنے آجائے گی۔

میں کالج میں داخل ہو گیا۔ کالج کے وسیع ہوسٹل میں رہنے لگا جہاں الگ الگ وارڈوں میں ایس اے وی اور بی ٹی۔ جے۔ اے۔ وی کے طلبار ہتے تھے۔ میں نے پہلی بار بجلی کی روشنی یہاں دیکھی۔ اپنے ماضی کو یاد کر کے خدا تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا کہ اے خدا تعالیٰ تو نے مجھے کتنا نوازا۔

میری آنکھیں خراب تھیں۔ میں رات کو نہ پڑھ سکتا تھا۔ مجھے پریشان ہونا چاہئے تھا مگر نہیں نہیں۔ میں خوش تھا۔ دل یقین سے لبریز تھا کہ میرا پاس ہونا پڑھنے پڑھانے پر نہیں ہے۔ میری کامیابی آسمان پر لکھی جا چکی ہے۔ تاہم میں اپنے ساتھی طالب علم کو کہتا کہ تم ذرا اونچے اونچے پڑھتے جاؤ۔ میں سنتا رہوں گا۔ لاہور میں ان دنوں ابھی جماعت کی کوئی مسجد نہ تھی۔ دلی دروازے کے باہر حضرت میاں معراج دین صاحب کے مکان پر جمعہ ہوتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق 100 یا کسی قدر زیادہ احباب جمعہ میں آجاتے ہوں گے۔ صحیح اندازہ میں نہیں بتا سکتا۔ میں کسی احمدی دوست سے ذاتی طور پر واقف نہ ہو سکا۔ البتہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو جانتا تھا کہ یہ بھی ہوسٹل میں رہتے تھے اور بی ٹی میں تعلیم پاتے تھے۔

غرض کالج میں دن گزرتے گئے۔ مہینے گزرتے گئے اور امتحان میں صرف ایک ماہ باقی رہ گیا۔ خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ میں امتحان سے ایک ماہ پہلے خارش کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ بیماری کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ سارے جسم پر پھنسیاں نکل آئیں۔ ہوسٹل کے ڈاکٹر نے فوراً رخصت کر کے گھر بھیج دیا کیونکہ یہ وبائی مرض تھا۔

میں کھنہ میں آ گیا والدہ محترمہ بہت پریشان ہوئیں۔ مگر نانا صاحب جو اس وقت کھنہ میں تھے۔ دل میں بہت خوش ہوئے۔ بظاہر ہمدردی دکھانے لگے اور کہنے لگے اب بھی سمجھ جاؤ۔ دیکھو یہ خدا کا عذاب ہے۔ توبہ کرلو تو اچھا ہے۔ میں بڑی تکلیف میں تھا۔ سن کر خاموش رہتا۔ مگر دل ہی دل میں دعا کرتا کہ الٰہی صداقت کو شرمسار نہ کرنا میں تو تیرا ایک نالائق' گنہگار بندہ ہوں۔ مگر احمدیت تو زندہ صداقت ہے۔ اگر میں امتحان نہ دے سکا تو کفر خندہ زن ہوگا اور سچائی مشتبہ ہو جائے گی تو مجھے شفا دے۔ اللہ تعالیٰ کے کام بھی عجیب ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ کفر کو بظاہر بڑھا چڑھا کر اپنے بندوں کے ایمان کی آزمائش کرتا ہے۔ اور پھر یکدم کفر کی عمارت کو دھڑام سے گرا دیتا ہے مومن خوش ہو جاتے ہیں اور کفر پریشان۔

میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ دن گزرتے گئے۔ گزرتے گئے۔ مگر بیماری نے جانے کا نام نہ لیا۔ علاج ہوتا ہے۔ دوائیاں استعمال کرتا ہوں مگر؛

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

یہاں تک کہ صرف ایک ہفتہ امتحان میں باقی رہ گیا۔ مگر میرا یہ حال کہ چارپائی سے اٹھنا محال میں نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی خدمت میں دعا کیلئے تار دی۔ مفصل خط لکھا کہ یہاں میری صحت و بیماری کا سوال نہیں۔ باطل اور صداقت کا مقابلہ ہے۔ خود بھی زور شور سے دعائیں کرنے لگا۔ والدہ محترمہ سے بھی عرض کیا کہ سال کی محنت ہے۔ دعا فرمائیں کہ تندرست ہو کر امتحان دے آؤں۔ اب صرف دو دن باقی رہ گئے۔ ایک اور ایک دو دن۔ اب مالکِ حقیقی کی تائید دیکھئے پیر کے دن امتحان ہے اور یہ جمعہ کا دن ہے۔ جب میرے پاس مجھے ملنے کیلئے ایک حجام آیا جو میرا دوست تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا یہ کیا ہوا یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ میں نے حقیقت حال کہی۔ اس نے کہا۔ فکر نہ کرو میں تو باہر کہیں گیا ہوا تھا۔ ورنہ اب تک تم تندرست ہو کر لاہور چلے گئے ہوتے۔ وہ فوراً میرے پاس سے چلا گیا اور جلدی ہی کچھ دوائیاں لے کر واپس لوٹا۔ مجھے ننگا کر کے میرے جسم پر دوائی کی مالش کی اور پھر نہلا دیا اور کہا کل صبح پھر آؤں گا۔

پہلی مالش سے ہی میرے جسم میں کچھ توانائی پیدا ہوگئی۔ ہفتے کو وہ پھر آیا اور اسی طرح سارے جسم پر دوائی کی مالش کر کے نہلا دیا۔ آج میرے جسم میں مزید طاقت پیدا ہوگئی اور میں خود بخود چارپائی

سے لاٹھی کے سہارے کھڑا ہونے لگا۔ اتوار کو وہ دوست پھر آیا اور بدستور مالش کی اور نہلایا۔ آج میں لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اب میں نے ارادہ کر لیا کہ آج رات کو گاڑی پر سوار ہو کر لاہور چلا جاؤں گا تاکہ صبح ہی پہنچ کر امتحان میں شامل ہو سکوں۔ والدہ محترمہ نے تو سچی ہمدردی کی ماتحت مجھے منع فرمایا کہ ابھی تمہاری حالت پوری طرح ٹھیک نہیں۔ نہ جاؤ۔ مگر نانا صاحب نے اپنی پیشگوئی پوری کرنے کی خاطر بظاہر ہمدردی سے کہا کہ ابھی تم نہ جاؤ۔ کمزوری بہت ہے۔ مگر میں اپنے بھائی کو ساتھ لے کر بسم اللہ کر کے رات کی گاڑی میں سوار ہو ہی گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں امتحان میں ضرور پاس ہو جاؤں گا۔ ہم دونوں پیر کے دن 6 بجے لاہور کے اسٹیشن پر اترے۔ 9 بجے امتحان شروع تھا۔ ہوسٹل اور امتحان میں داخل ہونے سے پہلے ڈاکٹر سے فٹنس یعنی صحت کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت تھی۔ میں تیزی سے ٹانگہ کرایہ پر لے کر ڈاکٹر صاحب کے گھر پر پہنچا۔ وہاں مریضوں کی بھیڑ تھی۔ میں نے آگے ہو کر کہا میں فلاں کالج کا اسٹوڈنٹ ہوں بیمار ہو کر گھر چلا گیا تھا۔ اب تندرست ہوں مہربانی فرما کر مجھے سرٹیفکیٹ عنایت فرمادیں تاکہ میں امتحان میں شریک ہو سکوں جو کہ آج ہی 9 بجے شروع ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جلدی سے بغیر کچھ معائنہ کئے مجھے سرٹیفکیٹ دے دیا اور میں فوراً جا کر ہوسٹل میں حاضر ہو گیا اور خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے 9 بجے کمرہ امتحان میں جا بیٹھا۔ اب میرے جسم میں اتنی طاقت پیدا ہوگئی کہ بغیر لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چل پھر لیتا مگر ابھی بہت دیر تک بیٹھ نہ سکتا تھا۔ تکیہ نیچے رکھ کر کمرہ امتحان میں بڑی مشکل سے وقت گزارتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی شان اور ذرہ نوازی تھی کہ پرچے یوں حل کئے جیسے کوئی بھوکا روٹی کھاتا ہے۔ باوجود ایک ماہ پڑھائی چھوڑنے کے خوب دل کھول کر پرچے حل کئے۔ نہ معلوم دماغ اتنا روشن کس طرح ہو گیا۔ جس دن حساب کا پرچہ آنا تھا۔ رات کو خواب میں وہی پرچہ دکھایا گیا۔ بیدار ہونے پر صرف دو تین سوال یاد رہے۔ وہ جلدی جلدی حل کئے۔ کمرہ امتحان میں جب حساب کا پرچہ ملا تو وہی پرچہ جو رات کو دیکھا تھا۔ سامنے آیا۔ معلوم ہوا کہ اس میں وہی دو تین سوال مشکل تھے اس لئے یہ پرچہ بھی خوب حل کیا۔ اللہ اللہ کر کے امتحان ختم ہوا اور میں گھر چلا آیا۔ نتیجہ نکلا تو میں اللہ تعالیٰ کے کرم سے فسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

خدا تعالیٰ نے وہی نتیجہ برآمد کیا۔ جس کا مجھے یقین تھا۔ کفر کا منہ کالا ہوا۔ صداقت کا چہرہ چمکنے

لگا۔ ناناصاحب کو جوکھنہ میں ہی تھے۔ اپنی کامیابی کا مژدہ سنایا جوسن کرسن ہی ہو گئے۔

اب میں اپنے شہر کھنہ مڈل سکول میں ہی سکینڈ ماسٹر لگ گیا۔ اور بورڈنگ کا سپرنٹنڈنٹ بھی۔ 20 روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ ان دنوں تنخواہ کے گریڈ یہی کچھ تھے۔ لیکن وہ 20 آج کل کے 200 کے برابر سمجھئے۔ والدہ محترمہ کے دکھ دور ہو گئے۔ خوش خوش رہنے لگیں۔ تنگی کے دن فراخی سے بدل گئے اور افسردگی کی جگہ خوشدلی نے لے لی۔

میرا اور نانا صاحب کا آخری معرکہ
خدا تعالیٰ کی زبردست تائید و نصرت

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ ناناصاحب نقشبندی سلسلے میں تھے اور حضرت مجدد الف ثانی ؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مجدد صاحب کے سالانہ عرس پر ناناصاحب کے پیر صاحب خواجہ احرار غزنوی آئے ہوئے تھے۔ ناناصاحب وہیں تھے۔ یہ عرس کئی دن رہتا ہے۔ لیکن خاص لوگ تو دس دس دن پہلے سے آجاتے ہیں اور عرس کے بعد بھی کئی دن تک رہتے ہیں۔ میں نے ایک خط ناناصاحب کو کھنہ سے لکھا کہ حضرت امام مہدی تو آچکے ہیں۔ آپ نے میری زندگی میں ان کی تائید کے کئی نشانات دیکھے ہیں۔ اس لئے آپ بھی مان لیں اس میں آپ کی ہی بہتری ہے۔ اگر نہیں مانیں گے تو آپ کا ہی نقصان ہے میرا کوئی حرج نہیں۔

یہ خط عرس کے موقع پر ان کو ملا پڑھ کر حسبِ عادت غضب میں آگئے اور اپنے پیر صاحب کی خدمت میں پیش کر کے کہنے لگے۔ حضرت یہ میرا نواسا ہے اور مرزائی ہو گیا۔ مجھے بھی لکھتا ہے کہ تم بھی ہو جاؤ اور اگر نہیں ہو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

پیر صاحب بھی پڑھ کر طیش میں آگئے اور فوراً جلال میں آکر بولے:

؎ اوکدام سگ است کہ شما ضرر مے رساند

یعنی وہ کون کتا ہے جو تمہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ اور ناناصاحب نے بطور فخر کے مجھے لکھا کہ تمہارا خرافات نامہ ملا ہمارے حضرت صاحب نے فرمایا ہے:۔

؎ اوکدام سگ است کہ شما ضرر مے رساند

اور مجھے بہت سی گالیاں دے کر لکھا کہ آئندہ مجھے ایسا خط کبھی نہ لکھنا ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔ میں خط پڑھ کر خاموش ہو رہا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرنے لگا۔ چھ ماہ نہ گزرے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قہری نشان دکھایا۔ بات یہ ہوئی کہ غزنی میں ایک زلزلہ آیا جس میں بہت سے مکانات گر گئے اور جانوں کا نقصان بھی ہوا۔ پیر صاحب کا مکان بھی گر گیا اور آپ کے بال بچے سب گر کر مر گئے۔ صرف پیر صاحب ایک شہتیر پر پاؤں رکھ کر بچے۔ یہ خبر ہندوستان میں سب مریدوں کو پہنچی اور مجھے بھی خبر ملی۔ مجھے سن کر افسوس بھی ہوا اور خوشی بھی۔

ذرا اس امر کی طرف توجہ کریں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ادنیٰ ترین خادم کے متعلق (اور خادم نالائق سا) کتے کا لفظ برداشت نہ کیا اور اپنی قہری تجلّی سے ظاہر کر دیا۔ نقصان پہنچانا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کے ہاتھ میں نہیں اور پھر کس غرور کے ساتھ پیر صاحب نے فرمایا تھا کہ جیسے آپ کو خدائی پر اختیار مل گیا ہے۔ حقیقت میں مجھے کتا کہنا تو کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ یہ تو حضرت مسیح موعودؑ کی توہین تھی۔ پس حضور کا الہام پورا ہوا۔

انی مهین من اراده اهانتک

اس نشان کے بعد ناناصاحب نے میری ظاہری مخالفت ترک کر دی اور میرے ساتھ اچھی طرح بولنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس واقعہ کا ان کے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا۔

سولن (بگھاٹ سٹیٹ) میں میری ملازمت

کھنہ مڈل سکول کا ہیڈ ماسٹر ایک ہندو پرانے خیالات اور پرانے طرز تمدن کا تھا اور سخت متعصب تھا۔ وہ مجھ سے بگڑ گیا اور مجھے اس نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ انہی دنوں میں میرے ایک کالج کے ساتھی نے مجھے سولن ضلع شملہ میں ملازمت کرنے کی تحریک کی۔ چنانچہ میں یہاں سے استعفیٰ دے کر سولن چلا گیا اور مجھے وہاں تیس روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔

ضلع شملہ میں چھوٹی چھوٹی 36 ریاستیں تھیں۔ چوتھے نمبر پر سولن کی ریاست تھی۔ جسے بگھاٹ سٹیٹ بھی کہتے تھے۔ اس کا رقبہ 7×8 مربع میل تھا۔ سولن نام کا شہر اس کا صدر مقام تھا جو کہ ایک معمولی قصبہ تھا چار پانچ ہزار کے لگ بھگ آبادی ہوگی۔ پہاڑی علاقہ تھا چند ایک چھوٹے چھوٹے گاؤں اس ریاست میں شامل تھے۔ بس یہی اس کی کل کائنات تھی۔ ویسے سولن میں حکومت کا پورا نقشہ موجود تھا۔ مہاراجہ سولن کا ایک محل تھا۔ اس کا وزیر بھی تھا جو 100 روپے ماہوار تنخواہ لیتا تھا۔ ایک مجسٹریٹ بھی تھا۔ جسے غالباً اس وقت 100 کے قریب ہی تنخواہ ملتی تھی۔ دوٹوٹے پھوٹے وکیل بھی تھے جو دو چار روپے لے کر پیشی بھگت دیتے تھے۔ ایک تحصیلدار تھا جسے 20 روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ایک تھانیدار تھا جس کی 10 روپے ماہوار تنخواہ تھی۔ دس بارہ سپاہی بھی چار چار روپے ماہوار پر رکھے ہوئے تھے۔ پہاڑ کی ایک غار میں چھوٹا سا جیل خانہ بھی بنا رکھا تھا۔ ایک ہائی سکول تھا۔ جس میں میرا دوست کام کرتا تھا اور میں بھی کام کرنے لگا۔

سولن کا مقام شملے کی نسبت زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہاں شملے کی طرح سخت سردی نہ پڑتی تھی۔ یہ شملے سے کم اونچا تھا اس لئے گرمیوں میں یہاں کافی چہل پہل ہو جاتی تھی۔ سکول میں بہت

تھوڑے طالب علم تھے اس لئے کام زیادہ نہ تھا۔ مجھے یہاں تبلیغ کا موقع نہ ملا۔ کیونکہ یہ سارا علاقہ ہندوؤں کا تھا۔ نہایت قلیل تعداد میں مسلمان بھی بستے تھے۔ باقی سب ہندو، راجہ بھی ہندو، رعایا بھی ہندو۔

یہ تو ضلع شملہ میں چوتھے درجہ کی ریاست کی کیفیت تھی جو آخری درجے پر ریاست ہوگی۔ اس کا اندازہ خود لگا لیجئے۔ سولن سے ملتی ہوئی ایک ریاست بیر نامی تھی۔ اس کا رقبہ ایک مربع میل تھا اور صرف ایک ہی گاؤں اسی نام کا اس کا دارالحکومت تھا۔ بس۔ اس کے مہاراجہ صاحب کو میں نے دیکھا کہ معمولی لباس، بہت معمولی، پہنے ہوئے تھا۔ ہاں پگڑی میں ایک کلغی ضرور تھی جو اسے مہاراجہ ثابت کر رہی تھی۔ ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جو پشتہا پشت سے بطور نشان کے چلی آ رہی تھی۔

خیر سولن کی آب و ہوا خوب تھی۔ سردیوں میں تین ماہ کی رخصت اسکول سے ملتی تھی۔ مگر میں ایک سال سے زیادہ یہاں نہ ٹھہر سکا الفضل اخبار میرے نام آتا تھا۔ اس میں اعلان پڑھا کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کیلئے ایس وی ٹیچروں کی ضرورت ہے۔ اندھے کو کیا چاہئے دو نین۔ میں نے فوراً درخواست بھیج دی۔ چند دنوں میں آرڈر آ گئے اور میں قادیان میں جا پہنچا۔

میری قادیان میں آمد

یہ 1919ء کا ذکر ہے جناب مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ قادیان پہنچ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر جہاں کی اینٹ تھی وہیں آ لگی۔ الحمد للہ کہ قادیان میں آنے سے مجھے بے شمار دینی و دنیاوی فائدے پہنچے 35 روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی اور میری شہرت کے سامان پیدا ہونے لگے۔ دوسرے ہی سال میں والدہ محترمہ اور اپنے بھائی کو بھی قادیان لے آیا اور ہم نے اب قادیان رہنے کا ہی ارادہ کر لیا۔ والدہ محترمہ حضرت اقدس کے گھر میں مستورات کے پاس آنے جانے لگیں اور تھوڑے ہی دنوں میں وہاں کی دینی فضا کو دیکھ کر سلسلہ میں داخل ہو گئیں۔ الحمد لله علىٰ ذالک۔ اسی طرح میرے بھائی رشید نے بھی بیعت کر لی۔ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ والدہ محترمہ نے میرا ساتھ نہ چھوڑا اور جلد ہی احمدیت میں داخل ہو گئیں۔ خداوند کریم انہیں بھی بیوگی کے مصائب کا معاوضہ دینا چاہتا تھا۔ اس لئے والدہ محترمہ کے دل میں ڈالا کہ اب قادیان ہی میں مکان بنا کر رہو۔ چنانچہ میں نے والدہ محترمہ کے اصرار پر ہی محلہ دارالفضل میں 1920ء میں مکان بنا لیا۔ والدہ محترمہ قادیان کے ماحول سے بے حد متاثر ہوئیں۔ احمدی

مستورات سے مل کر بہت خوش ہوتیں۔ وہ نہ صرف اپنے سارے دکھ بھول گئیں بلکہ اپنے سب غیر احمدی رشتہ داروں کو بھی بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے ایسا دل لگایا کہ وصیت بھی کر دی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہو کر ہمیشہ کیلئے قادیان کی ہو گئیں۔

اس وقت سکول میں مندرجہ ذیل اساتذہ کام کرتے تھے

چودھری غلام محمد صاحب' ملک نواب دین صاحب' ماسٹر چراغ محمد صاحب' ماسٹر محمد علی مظہر صاحب' ماسٹر علی محمد صاحب مسلم' مولوی رحمت علی صاحب' مولوی محمد جی صاحب' ماسٹر مبارک اسمٰعیل صاحب' ماسٹر مامون خاں صاحب' ماسٹر نور الٰہی صاحب' چوہدری فضل احمد صاحب۔

حصہ پرائمری میں منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی' منشی سکندر علی صاحب' شیخ اسماعیل صاحب سرساوی وغیرہ وغیرہ اور قادیان کی مبارک بستی میں اس وقت مندرجہ ذیل بزرگ زندہ تھے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب' حضرت مفتی محمد صادق صاحب' حضرت قاضی امیر حسین صاحب' حضرت مولوی سرور شاہ صاحب' حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل' حضرت حافظ روشن علی صاحب' حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی' حضرت میر محمد اسحاق صاحب' حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب' حضرت حافظ ابراہیم صاحب' جناب میر قاسم علی صاحب' جناب مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؔ' شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور' سید مہدی حسن صاحب' ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نو مسلم' آہ آج یہ سب کے سب روحانی علوم کے ماہر' پارسا اور متقی انسان' اسلام کے شیدائی' احمدیت کے پروانے تبلیغ دین کے دیوانے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنے بے شمار کرم کرے اور رحمت کے سائے میں رکھے۔ (آمین) کہ ان بزرگوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین کیلئے وقف کر رکھی تھیں اور یہ احمدیت کے درخشندہ ستارے تھے۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ مجھے شعر و شاعری سے کچھ نہ کچھ لگاؤ ہو گیا تھا۔ میں نے احمدیت کی صداقت میں تبلیغی نظمیں کہنا شروع کر دی تھیں مگر میری نظموں کا معیار حضرت مسیح موعودؑ کا یہی شعر تھا کہ:

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

خوش الحان تو تھا ہی۔ اپنی نظمیں پبلک جلسوں میں پڑھنے لگا۔ خدا تعالیٰ نے اچھی سریلی آواز دی تھی۔ تھوڑے عرصے میں ہی قادیان کی بستی میں مقبول ہو گیا۔ پارٹیوں میں' مختلف تقریبوں میں' جلسوں میں اور خاندان مسیح موعودؑ کی شادیوں پر میں نظمیں پڑھتا اور جماعت کے سالانہ جلسے پر بھی میری ہی نظمیں پسند کی جاتیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بھی اپنا کلام مبارک اس خاکسار سے ہی جلسہ سالانہ پر پڑھواتے۔ اور دورانِ سال میں بھی اگر کوئی تقریب ہوتی اور حضور نے اپنا کلام سنانا ہوتا تو یہ شرف مجھے ہی ملتا۔

حضور کا دستور یہ تھا کہ جب کبھی آپ نے اپنا کلام کسی جلسے پر سنانا ہوتا۔ ایک دن پہلے اپنے درِ دولت پر بلاتے اور امتحاناً پہلے سنتے اور پھر دوسرے دن پبلک میں پڑھواتے ایک تو نظم کے الفاظ کا تلفظ آپ کے حسب منشا ہو جاتا دوسرے نظم کی طرز بھی پسند فرما لیتے۔

یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک فضل تھا کہ بسا اوقات مجھے صرف نظم ٹیسٹ کرانے کی غرض سے حضور کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا موقع ملا۔

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ حضور نے خود خوش الحانی سے اپنی نظم پڑھ کر سنائی۔ فرماتے یہ طرز بھی اچھی ہے مگر جب مَیں اپنی طرز میں نظم سناتا تو خوش ہو کر فرماتے یہ طرز زیادہ اچھی ہے۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر اپنا کلام سننے کیلئے مجھے حسبِ دستور بلایا۔ کسی نے کہہ دیا اسلم صاحب قادیان میں نہیں۔ آپ نے ایک دو اور نظم پڑھنے والوں کو بلا کر کلام سنا۔ مگر کسی کی طرز پسند نہ آئی۔ شیخ محمد یوسف صاحب حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری نے کہیں مجھے بازار میں دیکھ لیا۔ خوش ہو کر میری طرف لپکے۔ فرمایا' آپ یہاں ہی ہیں کسی نے کہا تھا کہ یہاں نہیں۔ چلو۔ حضرت صاحب بلاتے ہیں میں چلا گیا اور حضور کے درِ دولت کے اندر صحن میں مجھ سے حضور نے اپنا کلام سنا۔ چھوٹے بحر کی نظم تھی اور اس کی طرز مشکل تھی مگر میں فوراً سمجھ گیا۔ اور جب نظم ترنم سے سنائی۔ حضور بہت خوش ہوئے۔ فرمایا یہ ہے اس کی صحیح طرز۔

کبھی کبھی حضرت اماں جان بھی مائی کاکو (خادمہ) کو بھیج کر مجھے رات کو بلا لیتیں اور گھر کے سب بچوں کو جمع کر کے مجھ سے نظمیں سنتیں اور بہت خوش ہوتیں۔ ایسا ہی کئی بار حضرت نواب محمد علی خان

صاحب آف مالیر کوٹلہ بھی اپنی کوٹھی واقع قادیان میں مجھے بلا کر نظمیں سنتے۔ غرض نہ صرف قادیان میں بلکہ سالانہ جلسوں پر نظمیں پڑھنے سے تمام جماعتوں میں میری شہرت ہوگئی۔ سالانہ جلسے پر میری نظم کے وقت احباب خاص طور پر بڑے شوق سے جلد از جلد اکٹھے ہو جاتے۔

اس کے علاوہ میں مسجد مبارک میں عصر کی نماز کے بعد حضرت امیر المومنین کو اپنی نظمیں سنایا کرتا۔ ان دنوں حضور کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں کچھ دیر اپنے خدام میں تشریف رکھتے اور میں دوسرے تیسرے دن اجازت لے کر حضور کو نظم سناتا۔ بعض اوقات آپ میری نظم بہت پسند فرماتے اور ارشاد فرماتے ایک دفعہ پھر سناؤ۔ چنانچہ 1924ء میں جب لندن میں مسجد بنی ہے میں نے ایک نظم حضور کو سنائی۔ اس کا ایک شعر ہے۔

وسط لنڈن میں بن گئی مسجد
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

نظم سننے کے بعد حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا ایک دفعہ پھر سناؤ۔ اس وقت میاں ناصر احمد صاحب' میاں مبارک احمد صاحب' میاں منور احمد صاحب سب چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے تھے۔ اندر سے آواز سن کر بھاگے بھاگے آئے اور نظم سننے لگے۔

حضور نے فرمایا' دیکھو یہ بچے نظم کے مضمون کو کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ مگر آواز ان کو اندر سے باہر کھینچ لائی۔ جس قدر نظم کے ذریعہ تبلیغ ہو سکتی ہے اتنی کسی اور طریق سے نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا' شیعوں کی ساری تبلیغ ہی انیس اور دبیر کے مرثیوں پر ہے۔ ایک معمولی واقعہ کو وہ نظم کر کے اور پھر اسے دوسرے لوگ خوش الحانی سے سنا کر وہ اثر پیدا کرتے ہیں کہ اہل سنت بھی رونے لگتے ہیں۔ ہمارے شعراء کو بھی چاہئے کہ تبلیغی نظمیں لکھیں۔

ایک دفعہ میں نے ایک نظم تھیٹر کی طرز پر لکھی۔ حضور سن کر بہت خوش ہوئے فرمایا' ہمیں مختلف طرزوں میں نظمیں سنا کر ان طرزوں کو بھی پاک کر دینا چاہئے جو تماشوں میں گندہ ماحول پیدا کرنے کیلئے سنائی جاتی ہیں۔

اسی طرح ایک بار میں نے بابا نانک کی پیشگوئی حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے متعلق پنجابی نظم

میں حضور کو سنائی حضور بہت ہی خوش ہوئے۔ فرمایا' ہم ایسی نظمیں چاہتے ہیں ایک دفعہ پھر سناؤ۔ نظم کے چند شعر یہ ہیں:

بابے نوں سی بھائی مردانے پچھیا
دسیں مینوں گل اک گروجیا
جگ وچ گرو جی کبیر نالوں بھی
وڈا کوئی رب دا بھگت ہووسی
بابے نے جواب دتا نال پیار جی
رب دے بھگت سبھے اکو سار جی
پر اک بندہ وچ تھاں جگت ہووسی
کبیر توں بھی وڈا او بھگت ہووسی
تے جٹ زمیندار ہوسی اوہ تاں سجناں
دنیا دے وچ آکے اوہنے گجناں
پھر مردانے کہیا ہور گاؤں جی
دسو کیہڑے ملک وچ کیہڑے تھاؤں جی
بابے کہیا بانی رب دی لیاؤ گا
پر گنے بٹالے دے او وچ آؤ گا

1922ء میں میں نے پہلی بار چھوٹی چھوٹی پنجابی نظموں کے مجموعے دو عدد شائع کئے۔ ایک کا نام تھا "مٹھے شبد" جو سکھوں کیلئے تھے دوسری "اسلم کے پنجابی گیت" عام مسلمانوں میں تبلیغ کیلئے۔ یہ دونوں رسالے بہت جلدی بک گئے۔

خدا تعالیٰ کا یہ بھی ایک بہت بڑا احسان تھا کہ غیر احمدی ہونے کے زمانے میں صرف ایک گاؤں میں اور ان پڑھ دیہاتیوں میں میرا چرچا تھا یا مقبولیت تھی۔ مگر جب میں نے خدا تعالیٰ کی خاطر اس دل پسند ماحول کو چھوڑا اور خدا تعالیٰ کی خاطر ان لوگوں سے گالیاں سنیں اور تکلیفیں اٹھائیں تو میرے مولا نا نے اس سے کہیں زیادہ اچھا' زیادہ وسیع' زیادہ اہل علم و عقل کا ماحول عطا فرما دیا اور میری شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ جیسا کہ آگے آگے میری زندگی کے واقعات ثابت کرتے چلے جائیں گے۔ کہاں میں سراسر خطا کار' نا اہل' بے علم اور معمولی عقل و دانش کا مالک' غریب و نادار انسان اور کہاں خدا تعالیٰ کے مقدس مامور کی مقدس بستی اور خدا کے رسول کا تخت گاہ اور یہاں کے پاکباز بزرگ اور اولوالعزم خلیفہ' مختصر الفاظ میں۔ کہاں لنگڑا تیلی' کہاں راجہ بھوج مگر خدا تعالیٰ کی بے نیازی کے رنگ ہیں۔

یہ تو فضل حق ہے چاہے جسے عطا کرے

میں قادیان میں بھی باوجود اپنی بے مائیگی کے ممتاز رہا۔

میری شادی اور خدا تعالیٰ کی نصرت

قادیان آئے دو سال ہو چکے تھے۔ اب میری عمر 25 سال کی تھی۔ والدہ محترمہ کو میری شادی کی فکر ہوئی۔ قادیان میں بہت سے رشتے دیکھے۔ مگر کوئی لڑکی والدہ محترمہ کی نظروں میں نہ جچی۔ اس معاملے میں حضرت اماں جان نے بھی ہماری ہمدردی فرمائی اور دو چار لڑکیاں والدہ محترمہ کو دکھائیں۔

بھائی عبدالرحیم صاحب قادیان میں ایک دوست تھے۔ انہوں نے ریاست کپورتھلہ میں ایک جگہ میرے لئے تحریک کی۔ چنانچہ ان کی کوشش سے یہ رشتہ ہو گیا جو میرے لئے بہت ہی بابرکت ثابت ہوا۔ جس کی تفصیل صرف اس لئے لکھتا ہوں کہ یہ بھی نصرت الٰہی کا ایک نشان تھا۔

ریاست کپورتھلہ میں ایک مشہور اور پرانا قصبہ سلطان پور ہے یہ وہ سلطان پور ہے جہاں بابا نانک صاحب یہاں کے نواب کے پاس آ کر ٹھہرے رہے۔ باباجی کی یادگار میں ایک بیری بھی ندی کے کنارے اب تک موجود ہے۔ یہ ندی شہر کے ساتھ ہی بہہ رہی ہے۔ سلطان پور سے 4 میل کے فاصل پر ایک گاؤں آلو پور کے نام سے آباد ہے یہاں ایک بزرگ منشی عبدالخالق صاحب رہتے تھے۔ ان دنوں یہ بھڑائچ واقع (یوپی) ہندوستان میں ریاست کپورتھلہ کے علاقہ میں نائب تحصیلدار لگے ہوئے تھے۔ منشی صاحب محترم پیدائشی احمدی تھے۔ ان کے والد بزرگوار حضرت مولوی محمد حسین صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے اوّلین خدام میں سے تھے اور بیعت کنندگان کے اس مقدس گروپ میں شامل تھے جسے 313 کہا جاتا ہے۔ حضرت اقدس کی کتب میں مولوی محمد حسین صاحب کا نام آتا ہے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ بڑے چوہدری عبدالرحمٰن صاحب جو بعد میں گاؤں کے نمبردار ہوئے اور چھوٹے منشی عبدالخالق صاحب' منشی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ بچپن میں اکثر قادیان حضرت اقدس کی خدمت

میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ منشی صاحب نے جب میٹرک پاس کر لیا تو ان کے والد نے منشی صاحب کی شادی کر کے انہیں قادیان ہی بھیج دیا۔ 1908ء یا (1907) میں منشی صاحب کے گھر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حضرت مسیح موعودؑ نے زینب رکھا۔ یہی لڑکی بڑی ہو کر خاکسار کے نکاح میں آئی اور حضرت اقدس کے نام رکھنے کے سبب اس لڑکی کے ذریعہ خاکسار پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہوئے جن کا ذکر اپنے اپنے موقعہ پر آتا جائے گا۔

میں یہ لکھ آیا ہوں کہ بھائی عبدالرحیم ایک دوست نے میرے لئے حضرت منشی عبدالخالق صاحب سے رشتہ کی تحریک کی۔ منشی صاحب محترم نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ سے دریافت کیا۔ حضور نے کمال مہربانی اور شفقت سے ان کو تحریر فرمایا۔

ماسٹر محمد شفیع نیک آدمی ہے آپ رشتہ کر دیں۔

میں ماسٹر صاحب کو جانتا ہوں۔

بس حضرت صاحب کے اس ارشاد پر منشی صاحب نے نہ میری قوم پوچھی نہ آمدنی' نہ جائیداد' نکاح کرنے پر رضامند ہو گئے۔ چھٹی لے کر قادیان آئے اور نکاح کر گئے۔ میرا نکاح حضرت المسیح ثانی ایدہ اللہ نے خود مسجد مبارک میں مارچ 1921ء کو 400 روپے مہر پر پڑھا۔ منشی صاحب محترم نے اپنی اس لڑکی کی شادی کے متعلق ایک مبارک خواب بھی دیکھا تھا کہ یہ تعلق بہت بابرکت رہے گا اور آپ نے اپنی زندگی میں بارہا اس امر کا اظہار فرمایا کہ میری اولاد میں سے زینب بہت خوش قسمت ہے اور سب سے زیادہ نیک بخت بھی۔ دراصل منشی صاحب محترم خود بہت نیک' پارسا اور صابر اور وسیع القلب انسان تھے۔ مخلص احمدی تھے اور احمدیت کا مخصوص رنگ ان میں نمایاں تھا۔ کبھی ان کو کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ کبھی ان کے دل میں بغض اور حسد نے جگہ نہیں لی۔ ہنس مکھ' زندہ دل آدمی تھے۔ اپنی جائیداد کے 1/5 حصے کی وصیت کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ہر چندے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ قایان سے والہانہ محبت تھی۔ تبلیغ کا بے انتہا شوق تھا۔ رشتہ داروں میں جب بھی کہیں جاتے۔ کوٹھوں پر چڑھ کر تقریریں کرتے۔ مجھے کئی بار اپنے گاؤں میں محض تبلیغ کیلئے لے گئے۔

غرض بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ 24 رفروری مطابق 29 رمضان 1963ء کو 80 سال کی عمر

میں احمد نگر متصل ربوہ وفات پائی اور ربوہ کے مقبرہ خاص صحابہ کے قطعے میں دفن ہوئے۔آخر ہم سب اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔اللہ تعالیٰ منشی صاحب کو اپنی رحمتِ خاص میں جگہ دے۔(آمین)

شادی کی تفصیل

میں نے دانستہ منشی صاحب محترم کا ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے منشی صاحب نے اپنے روحانی مقام کے لحاظ سے اپنی لڑکی کی شادی پر دنیاداری کی کوئی رسم نہیں کی۔نکاح سے پہلے مجھے کسی شرط پر پابند نہیں کیا اور خدا تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت میں نے یا والدہ محترمہ نے بھی بلا چوں چرا اس رشتے کو قبول کر لیا۔لڑکی کو دیکھنے تک بھی نہ گئے۔مگر الحمد للہ یہ رشتہ ہر لحاظ سے میرے لئے بابرکت ثابت ہوا۔

مارچ 1921ء کو نکاح ہوا اور جولائی 1921ء کو شادی' یعنی رخصتانہ جب دو دن برات جانے میں رہ گئے تو آلو پور سے منشی صاحب کا ایک خط حضرت صاحب کی خدمت میں اور ایک میرے پاس پہنچا کہ حالات خراب ہو گئے۔مختصر تفصیل یہ لکھی کہ میرا بھائی عبدالرحمٰن نمبردار اور میری بیوی اور لڑکی کے ننہیال اس رشتہ کے سخت خلاف ہیں اور وہ کسی صورت میں بھی میری لڑکی کو رخصت نہ ہونے دیں گے۔دراصل منشی صاحب محترم نے از خود اپنے اخلاص کے تحت یہ رشتہ کر دیا تھا۔اپنی اہلیہ یا بھائی یا کسی اور رشتہ دار سے بالکل صلاح مشورہ نہ کیا تھا۔میری خوش دامن کا غم کے مارے برا حال تھا۔

اوّل۔لڑکی کی عمر 14 سال تھی اور وہ اس عمر میں اس کی شادی نہ کرنا چاہتی تھی۔

دوم۔میں ان کی برادری میں سے نہ تھا۔

سوم۔میری قوم کے متعلق انہیں کوئی علم نہ تھا۔

چہارم۔وہ قادیان کو آلو پور سے بہت دور دراز کا مقام سمجھتی تھیں۔

یہ باتیں میری خوش دامن کیلئے سوہانِ روح بن گئیں۔اس لئے اس نے منشی صاحب کے بھائی اور اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا کر پختہ ارادہ کر لیا کہ لڑکی کو وداع نہیں ہونے دیا جائے گا۔

منشی صاحب کا کہنا ہے کہ جب میں تار دینے کیلئے سلطان پور آیا کہ حالات سخت خراب ہو گئے اور بر موقعہ رخصتانہ فساد کا اندیشہ ہے تو اس دن اتوار تھا۔تار تو نہ دے سکا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے خود تسلی دی

اور فرمایا۔گھبراؤ مت یہ لوگ کچھ نہ کر سکیں گے ادھر خط تو حضرت صاحب کو مل ہی چکا تھا۔حضور نے پہلا کام یہ کیا کہ سلطان پور کے مجسٹریٹ عبدالمجید خاں صاحب جو ایک مخلص اور پرانے احمدی تھے کو لکھوایا کہ وہ آلو پور پہنچ کر صورتحال کو سنبھال لیں۔دوسرے حضرت صاحب نے کپورتھلہ کی جماعت کو لکھا کہ سلطان پور کے اسٹیشن پر بارات کے ساتھ شامل ہو جائے اور آلو پور تک ساتھ جائے۔تیسرے حضرت صاحب نے بارات میں بعض چیدہ چیدہ سمجھدار اور تجربہ کار احباب میرے ساتھ بھیج دیئے۔جن میں جناب ملک نواب دین صاحب بی اے بی ٹی' خان صاحب' جناب غلام محمد خان ریجنٹ گلگت ایجنسی' جناب مولوی رحمت علی صاحب فاضل جو بعد میں مبلغ انڈونیشیا ہوئے۔ہم دس بارہ آدمی خدا کا نام لے کر قادیان سے روانہ ہوئے۔ہمارے پاس ایک دو بندوقیں بھی تھیں جو صرف رعب کیلئے ساتھ لے لی گئی تھیں۔

جب ہم سلطان پور اسٹیشن پر اترے تو کپورتھلہ کی جماعت موجود تھی۔حضرت منشی ظفر احمد صاحب جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخلص اور پیارے صحابی تھے بہ نفسِ نفیس تشریف فرما تھے۔جو ایک ہاتھی بھی سواری کیلئے کپورتھلہ سے ساتھ لے آئے تھے۔کیونکہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو ریاست کپورتھلہ میں اچھا رسوخ حاصل تھا۔پس اس ٹھاٹھ سے برات چلی کہ اس کا سرور آج تک دماغ میں موجود ہے۔ آلو پور پہنچ کر ایک دو خالی فائر کر دیئے۔بزرگوں نے دعائیں شروع کر دی۔

الھم انا نجعلک فی نحور ھم و نعوذبک من شرورھم.

عبدالمجید خاں صاحب مجسٹریٹ پہلے سے وہاں موجود تھے۔نتیجہ یہ ہوا کہ سب مخالف ٹھنڈے پڑ گئے۔اور کسی کو شرارت کرنے کی مجال نہ ہوئی بلکہ عبدالرحمٰن صاحب نمبردار منشی صاحب کے بڑے بھائی شادی میں شامل ہو کر کام میں مصروف ہو گئے۔الحمد للہ کہ ہم اسی دن رات کی گاڑی میں بخیر و عافیت قادیان واپس آ گئے۔میری بیوی کو اس کی والدہ اور رشتہ دار عورتوں نے بہت بہکایا کہ تم خود اپنے والد کے سامنے انکار کر دو مگر میری بیوی نے اس نازک وقت میں بہت نیکی کا نمونہ دکھایا اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ میرے اباجی کر آئے ہیں میں ان کے ساتھ ہوں۔میں ان کی عزت کو قائم رکھوں گی۔اس واقعہ کو پڑھنے والے ذرا سوچیں کہ کیا یہ واقعہ نصرت الٰہی کا زندہ نشان نہیں اور کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خاکسار پر اپنی خاص نظرِ عنایت کی۔حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی خاص توجہ کا مرکز بن جانا کیا میری اپنی

کسی کوشش کا نتیجہ تھا۔نہیں نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا احسان تھا۔ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت منشی صاحب کی پریشانی کے وقت خود اترا اور مشکلات کے بادل دیکھتے ہی دیکھتے چھٹ گئے۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص کی قدر کرتے ہوئے آپ کی عزت وآبرو پر آنچ نہ آنے دی۔

طرفہ تماشہ دیکھئے کہ رخصتانے کے چند ہی دن بعد حضرت منشی صاحب اپنی اہلیہ اور بچوں کو میری بیوی کو ملانے کے بہانے قادیان لے آئے۔بال بچوں کو قادیان چھوڑا اور خود دوسرے ہی دن آلو پور پہنچ کر گھر کا سارا سامان لے آئے اور قادیان میں ایک مکان کرایہ پر لے کر بال بچوں کو اس میں بٹھا دیا۔اور اپنی اہلیہ سے فرمایا' لو اب تم قادیان ہی میں رہو اور اپنی لڑکی سے ملتی رہو۔تا کہ تمہارا غم غلط ہو۔میری خوشدامن اس عجیب ڈرامے سے بہت حیران ہوئی اور کچھ بددل سی بھی ہوگئی مگر قادیان کی روحانی فضا (میری والدہ محترمہ کی طرح) ایسی راس آئی کہ وہ ہمیشہ کیلئے قادیان کی ہوگئی اور پھر تقویٰ کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا جس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔نماز کی پابندی۔تقویٰ وطہارت' صدقہ اور خیرات کی وجہ سے ایسے مقام پر جا پہنچی کہ دیکھ کر رشک آیا کرتا ادھر فقیر نے در پر صدا دی ادھر وہ آٹے یا غلّے کا تھال بھر کر دروازے پر آ پہنچی۔اگر کسی عورت نے آہستگی سے کہیں کہہ دیا۔بی بی میرے پاس کرتا نہیں۔فوراً اندر آ کر اپنا کرتہ اتار کر اسے دے دیا۔اور خود کوئی اور میلا سا پہن لیا۔منشی صاحب محترم کے اخلاص کو ملاحظہ فرمایئے کہ ملازمت چھوڑ کر خود بھی قادیان آ بسے۔اور اچھی خاصی ترقی والی جگہ پر لات ماردی اور خدا تعالیٰ کے مامور کے در پر دھونی رما بیٹھے۔ایسے بیٹھے کہ پھر جانے کا نام نہ لیا۔آپ کے پاس اس وقت آلو پور میں 60-70 ایکٹر بڑی زرخیز زمین تھی اور بڑا اچھا گزارہ چل رہا تھا۔بس منشی صاحب کے حق میں بھی یہ رشتہ بہت بابرکت ثابت ہوا۔قادیان میں ہجرت کرنے کی توفیق ملی اور پھر حضرت میر محمد اسحاق صاحب کے ساتھ مہمان خانے میں نمایاں خدمت کا موقعہ ملا اور تمام مہمان دور دراز سے آنے والے منشی صاحب کے حسن سلوک اور مہمان نوازی کے طریق سے خوش ہوتے اور دعائیں دیتے واپس جاتے۔والدہ محترمہ کیلئے بھی یہ رشتہ بہت اچھا ثابت ہوا۔کیونکہ میری بیوی نے چند دن میں ہی والدہ کی خدمت گزاری کا وہ نمونہ پیش کیا کہ والدہ کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔اسے گویا بہو نہیں ایک سچی خدمت گار بیٹی مل گئی۔والدہ محترمہ پھولی نہ سماتی۔

میری بیوی کو شوق سے کپڑے اور زیور پہناتی اور اپنے خاص محبت والے گھروں میں لے جاتی اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانوں پر خوش ہوتی۔

میری بیوی کے اخلاق حسنہ اور پہلے بچے کی پیدائش

خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت مسیح موعودؑ کے نام رکھے جانے کے سبب میری بیوی بے حد نیک' پارسا اور دین دار' با اخلاق نکلی۔والدہ محترمہ کی اس قدر خدمت کی کہ وہ آخری دم تک اس کی تعریف کرتی گئی۔والدہ کی مرض الموت میں بھی تیمارداری کا ایسا نمونہ دکھایا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔نفرت تو درکنار والدہ کا پیشاب پاخانہ اپنا فرض سمجھ کر بڑی محبت سے صاف کرتی رہی۔والدہ کے آخری الفاظ یہ تھے:

''زینب میں تجھ سے بہت خوش جا رہی ہوں۔''

والدہ محترمہ کی دعائیں جیسے میرے ساتھ تھیں۔میری بیوی کے ساتھ بھی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے میری بیوی کی خدمت گزاری کا اسے بہت اجر دیا اور دے رہا ہے۔

غرض میں اللہ تعالیٰ کا کس طرح شکر ادا کروں کہ اس نے مجھے ایک نیک اور پارسا بیوی عطا فرمائی اور میرے گھر کو اس کے ذریعہ جنت کا نمونہ بنا دیا۔پھر خدا تعالیٰ نے اس بیوی سے مجھے 14 بچے دیئے۔آٹھ لڑکے چھ لڑکیاں جن میں سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں آج تک بفضل تعالیٰ زندہ ہیں اور وہ نیک بخت بیوی بھی آج جبکہ شادی پر باون سال کا عرصہ گزر چکا اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ سلامت ہے اور مجھے اپنے مولا کریم پر یقین ہے کہ وہ ہم سب کو لمبی اور پاکیزہ عمریں عطا فرمائے گا۔

میرے پانچ بچے بہت چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے اور حدیث میں آتا ہے کہ چھوٹے بچے اگلے جہاں میں برکت کا باعث ہوں گے۔پس ان کی موتیں بھی میرے لئے بعد الموت کی زندگی میں انشاء اللہ بابرکت ثابت ہوں گی۔جس طرح اس دنیا میں میرے جوان بچے میرے کام آرہے ہیں اس جہان میں میرے چھوٹے بچے بھی جو آگے جا چکے ہیں میرے کام آئیں گے انشاء اللہ۔

میرا پہلا بچہ یونس احمد

اس بچے کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے خداتعالیٰ نے مجھے بشارت دی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بالاخانہ پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا:

"تم یونس نبی ہو۔ تمہارے دولڑکے ہوں گے ان کا نام یونس رکھنا۔"

پھر میں نے دوسرے بالاخانے کی طرف دیکھا کہ ایک چارپائی پر دولڑکے لیٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

خداوندکریم نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے پہلا لڑکا دیا اور میں نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی خدمت میں اپنا خواب اور بچے کی پیدائش کا ذکر کر کے لکھا کہ حضور اس بچے کا نام رکھ دیں۔ حضور نے اس کا نام یونس احمد رکھا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک.

اللہ تعالیٰ نے جس بچے کی بشارت دی تھی۔ اسے عطا فرما کر ایسا دین کا خادم بنایا کہ آج وہ قادیان میں درویشانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ جس کا مفصل ذکر آگے چل کر کروں گا۔

1923ء اور فتنہ ارتداد یعنی ملکانہ شدھی

جماعت احمدیہ کا سنہری کارنامہ اور اس میں خاکسار کا حصہ

ملک ہندوستان صوبہ یوپی میں مختلف ضلعوں کے اندر ہندو راجپوت آباد ہیں۔ چنانچہ آگرہ، متھرا، بھرتپور، ایٹہ، اٹاوہ، مین پوری، فرخ آباد، ہردوئی، بدایوں وغیرہ اضلاع میں یہ قوم پھیلی ہوئی ہے۔ گذشتہ زمانے میں ان لوگوں میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام لانے والوں میں راجے، مہاراجے اور معزز خاندان بھی تھے۔

یہ لوگ مسلمان تو ہو گئے۔ مگر اسلام کی تعلیم سے کماحقہٗ واقف نہ ہو سکے۔ کیونکہ مسلمان بادشاہ تو ملک گیری کی ہوس اور عیش وعشرت میں محو تھے۔ اور علمائے اسلام تبلیغ اور تربیت کے اہم فریضے سے بالکل غافل۔ اس لئے ان مسلمان ہونے والوں کے اندر سے رام رام نہ نکل سکا اور یہ اپنا ہندوآنہ تمدن ساتھ ہی لے آئے اور اسی پر قائم رہے۔ رہنے سہنے کے طریقے، کھانے پینے کے ڈھنگ، رسم ورواج کی دلچسپیاں، سالانہ تہوار سب کے سب ہندوآنہ تھے ان کی ناطہ داریاں زنجیر کی کڑیوں کی طرح دور دراز تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسے گھر بھی تھے جس میں ایک بھائی کی اولاد بدستور ہندو رہی اور دوسرے بھائی کی مسلمان، آپس میں کھان پان، ناطہ رشتہ قطعاً نہیں رہا۔ غرض یہ لوگ مسلمان ہو کر بھی ہندوآنہ رنگ میں رنگین رہے۔ بعض تو گلے میں جینوڈالتے۔ باہم ملاقات پر بجائے اسلام علیکم کے رام رام بھیا کہتے۔ نماز روزے کا کوئی علم نہیں۔ مردے دفن ضرور کرتے مگر جنازہ نہ پڑھاتے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مولوی صاحب جنازہ پڑھوائی پانچ روپے لیتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ بے حد غریب تھے اس لئے وہ روپے نہ دے سکتے اور میت کو

بغیر جنازہ پڑھانے کے دفن کر دیتے۔ان میں اسلام کی تین علامتیں تھیں:

اوّل یہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے' دوئم ختنہ کرواتے تھے اور سوئم مردے دفن کرتے تھے۔ہاں ان میں بعض اچھے مسلمان بھی تھے اور نماز' روزہ سے باخبر۔مگر یہ سارے مسلمان راجپوت بے حد غریب' کنگال اور فاقہ مست تھے۔اگر کسی کے پاس دو' تین ایکڑ زمین ہوتی تو وہ رئیس سمجھا جاتا وہ فخر سے کہا کرتا کہ بھیا ریاست کا انتظام بڑا مشکل ہے۔ان میں سودی قرضہ لینے کی علت زوروں پر تھی۔اس لئے ہندو ساہکاروں کے ساری عمر غلام ہی رہتے تھے۔تعجب ہے کہ بعض کے نام تک ہندوآنہ تھے۔پوچھو کون ہوتے ہو۔جواب ملتا مسلمان۔نام کیا ہے۔ٹیکارام۔بعض ہندوآنہ نام کے ساتھ خان کا لفظ بڑھا دینے سے یہ سمجھتے کہ یہ مسلمانی نام ہوگیا۔مثلاً چتوخاں' ہنمت خاں' گوپی خاں وغیرہ اس علاقہ میں اس مسلم راجپوت قوم کو ملکانہ کہتے تھے۔

اس غریب قوم پر آریہ پنڈتوں کا حملہ

جب آریہ لوگوں نے دیکھا کہ یو پی میں یہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں اسلام سے بالکل بے خبر ہیں اور بے حد غریب بھی ہیں اور ساہوکاروں کے پنجے میں گرفتار بھی۔تو رفتہ رفتہ خفیہ خفیہ اس قوم کو بہکانا شروع کیا اور ان کے ذہن نشین کیا کہ تم لوگ بہادر قوم سے ہو۔تمہارے باپ دادوں کو مسلمان بادشاہوں نے زبردستی مسلمان بنالیا تھا۔اب دوبارہ اپنے دھرم میں آجاؤ۔

ان کو قرضے اتارنے کے لالچ دیئے۔بے روزگاروں کو کام پر لگانے کی امیدیں دلائیں۔برادری میں ملانے کی تسلیاں دیں۔راجے' مہاراجوں کے ساتھ مل بیٹھنے کے سبز باغ دکھائے۔بھجن گا گا کر آریہ دھرم کی تعریفیں کیں۔اسلام سے نفرت دلائی۔غرض ہزار حیلوں بہانوں سے اس غریب اور بے خبر قوم کو ارتداد کیلئے تیار کیا۔جب کچھ کامیابی کی امید بندھی تو روپے کی ضرورت پڑی۔اب اخباروں میں ہندو قوم سے چندے کی اپیلیں شروع کیں۔رنگا رنگ کے مضمون لکھے' قوم کو سبز باغ دکھائے' غرض ہزار پاپڑ بیلے' مالدار قوم کیلئے روپے کی فراہمی کچھ مشکل نہ تھا۔لاکھوں روپے جمع ہوگئے۔ہزاروں پرچارک میدان ارتداد میں آن کودے۔ہر ضلع کے مقامی لوگوں نے بھی دل کھول کر شدھی میں حصہ لیا۔چٹھی رساں' پٹواری' مدرس' سپاہی' چوکیدار' نمبردار' دکاندار' زمیندار' غرض ہر طبقے کے ہندو اس مذہبی جنگ میں امداد دینے

لگے۔روپے پیسے سے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے لالچ اور خوف کے ذریعہ ان غریبوں پر پل پڑے۔آریہ اپدیشکوں (مبلغین) کو توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی اور سینکڑوں ملکانہ شدھ ہونے لگے۔آج اس گاؤں میں شدھی ہے۔تو کل اس میں۔ہندو اخباروں میں زبردست اعلان جلی سرخیوں سے ہونے لگے کہ مسلمانو جاؤ عرب کے ریگستان کا راستہ پکڑو بھارت میں رہنا ہے تو ہندو بن کر رہو۔نشے کی ترنگ میں یہاں تک کہہ گئے۔مسلمانو اب ہم مکہ پر اوم کا جھنڈا گاڑیں گے۔خاک بدہن' گویا چاند پر تھوکنا شروع کر دیا۔

ملک میں شور پڑ گیا۔مسلمان بھی خوابِ غفلت سے جاگے اور کچھ مولوی آگرہ میں جا پہنچے۔لیکن یہ مولویوں کے بس کا روگ نہ تھا۔اوّل تو مولوی لوگ آریہ دھرم کے عقائد سے بالکل بے بہرہ تھے۔دوسرے ان میں باہم اتحاد نہ تھا۔سنی' شیعہ' اہل حدیث کی تفریق یہاں بھی موجود تھی۔تیسرے ان کا کوئی نظام نہ تھا۔اس لئے نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔اس کے علاوہ بڑی وجہ یہ تھی کہ روپیہ مولویوں کے پاس نہ تھا اور مسلمان قوم کو ان پر اعتبار نہ تھا کہ ان کو چندہ ملتا۔ملکانہ بھوکی ننگی قوم تھی ان کے پاس اپنے کھانے کو کچھ نہ تھا۔مولویوں کے حلوے مانڈے کیسے چلاتی۔

پھر کام چلانے پر جھگڑے شروع ہوگئے۔کوئی کہتا' انجمن حمایت اسلام کے ماتحت یہ کام ہونا چاہئے۔کوئی کہتا جمعیت العلماء کے ماتحت اور کوئی کہتا اس کام کیلئے بالکل نئی انجمن بنائی جائے۔ادھر آریوں کے پاس بے شمار مال ودولت' آپس میں اتفاق واتحاد' ہمت وحوصلہ موجود' ہر قربانی کیلئے تیار اور اپنے دھرم کے نشے میں سرشار اور ادھر مسلمانوں میں باہمی نفاق' مال ودولت سے تہی دست' اسلام کے درد سے سینے خالی' مذہبی ایثار مفقود' شہرت پسندی کا جذبہ زوروں پر' خود غرضی کی وبا موجود۔ایسے حالات میں مقابلہ ہو تو کیسے ہو۔کتنا دردناک نظارہ تھا کیسا خون رولانے والا منظر تھا۔جسے دیکھ کر دل تڑپ اٹھتا۔بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے۔آہ اسلام کے نام لیوا۔رسولِ خدا کے غلام' آج ارتداد کے تنگ وتاریک گڑھے میں گر رہے ہیں اور مسلمان ہاں بے چین و بے قرار مسلمان یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔غرض گلزارِ محمدی میں لوٹ مچ گئی۔چاروں طرف شدھی کا چرچا' ہر اخبار میں یہی ذکر سارے ملک میں شور پڑ گیا۔مولانا غلام بھیک کی انجمن نے ضرور کچھ مقابلہ کیا مگر شدھی کا سیلاب نہ رک سکا اور فوج در فوج مسلمان اسلام سے نکلنے لگے جبکہ دورِ اوّل میں فوج در فوج دین میں داخل ہوا کرتے تھے۔ایسے نازک

وقت میں مسلمانوں کی نظریں جماعت احمدیہ کی طرف اٹھیں اور اخبار وکیل نے لکھا:

''کہاں ہے وہ جماعت جو تبلیغ کے دعوے کیا کرتی ہے۔'' (5 مارچ 1923ء)

چنانچہ جماعت احمدیہ کی طرف سے فوراً ایک اشتہار بعنوان ''اخبار وکیل کی دعوت کا جواب'' شائع کر دیا گیا اور امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنی جماعت کو اس جہاد کیلئے بلایا۔

آپ نے اعلان فرمایا:

مجھے جماعت کے ڈیڑھ سو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنے خرچ پر تین تین ماہ کیلئے علاقہ ارتداد میں جا کر تبلیغ کریں۔ مگر شرط یہ ہے کہ انہیں ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار رہنا ہوگا اور ہر قسم کی مصیبت کو برداشت کرنا پڑے گا اور اپنے اپنے افسروں کی پوری پوری اطاعت کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ آپ نے جماعت سے تیس ہزار روپے کی اپیل کی۔ خدا تعالیٰ کی شان تھی کہ چند دنوں کے اندر ڈیڑھ سو نہیں ڈیڑھ ہزار جانثار احمدی اپنے خلیفہ کی آواز پر آپہنچے اور پچاس ہزار سے زائد روپیہ جمع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے لشکر محمود آریوں کے سر پر جا پہنچا اور جاتے ہی ہوا کا رخ بدل دیا۔ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ شدھی کی روست پڑ گئی اور مرتد مسلمان پھر سے اسلام کی آغوش میں آنے لگے۔ آریہ اپدیشک بے بس ہو گئے۔ مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اخباروں میں احمدی مجاہدین کے کارنامے جلی سرخیوں سے شائع ہونے لگے اور شدھی میدان سے دم دبا کر بھاگ گئی۔ غرض۔

شدھی پہ ایسی ایسی ضربیں لگائیں اسلم
کہ بھاگی وہ بغل میں اپنا دبا کے بستہ

میرا جذبہ تبلیغ

ابھی حضرت صاحب نے کوئی اعلان نہ فرمایا تھا کہ میں نے اخباروں میں شدھی کے حالات پڑھ کر آپ کی خدمت میں درخواست لکھ دی کہ جب بھی حضور میدانِ ارتداد میں کوئی پروگرام تبلیغ کا بنائیں مجھے سب سے پہلے خدمت کا موقع عنایت فرمائیں۔ جب چند دن کے بعد حضور نے اپنے پروگرام کے مطابق میدانِ ارتداد میں پہلا وفد بھیجنے کا اعلان فرمایا اور اراکین وفد کے ناموں کی فہرست احمدیہ چوک

قادیان میں آویزاں کی گئی تو کسی وجہ سے میرا نام اس فہرست میں نہ آیا۔ میں نے فوراً حضرت صاحب کی خدمت میں یاددہانی کیلئے رقعہ بھیج کر عرض کیا کہ حضور خاکسار نے تو آپ کے اعلان سے پہلے ہی نام دے دیا تھا پھر میرا نام کیوں رہ گیا۔ حضور نے فوراً جناب عبدالرحیم صاحب درد کو سکول میں بھیجا کہ ماسٹر محمد شفیع اسلم سے کہو وہ بھی وفد کے ساتھ تیار رہے۔ مجھے یہ اطلاع قریباً 11 بجے سکول ٹائم میں ملی۔ میں نے فوراً سکول سے تین ماہ کی رخصت لی (جو کہ بلا تنخواہ ملی) گھر پہنچا اب فوری طور پر زادِ راہ کا سوال سامنے آیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے رفیقہ حیات ایسی عطا فرمائی کہ فوراً اس نے اپنے دو زیور اتار کر مجھے دے دیئے اور میں نے ماسٹر ملک نواب دین صاحب بی اے بی ٹی کی معرفت انہیں فروخت کر کے جلدی جلدی رختِ سفر باندھا اور احمدیہ چوک میں قافلے سے جا ملا اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ پہلا قافلہ احمدی مجاہدین کا 12 مارچ 1923ء کو چار بجے شام قادیان سے اللہ کا نام لے کر روانہ ہوا۔ قافلہ بڑی شان سے روانہ ہوا۔ ہر مجاہد سچے اور پاک جوش سے معمور۔ تبلیغ کے نشے میں سرشار، قادیان کے بچے بوڑھے، جوان جوشِ مسرت سے بھرپور اور حضرت صاحب بہ نفس نفیس خود بھی قافلے کے ہمراہ۔ ہزاروں دلی دعاؤں کے ساتھ دو میل تک سڑک کے موڑ تک قافلہ پہنچا اور وہاں پہنچ کر حضور نے اس انبوہِ کثیر اور مبارک اجتماع میں دعا فرمائی۔ دعا کے بعد اپنی جیب خاص سے کچھ روپے امیر قافلہ کو دیئے کہ راہ میں صدقہ کر دینا۔ حضور نے مختصر سی تقریر میں قیمتی نصائح قافلے کو دے کر فرمایا۔ میں نے یہ دعا کی ہے کہ

''اس میدان میں اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول کرتا رہے۔''

اور اس کے بعد حضور مع دیگر اہل قادیان کے واپس لوٹے اور ہم خدا کا نام لے کر اپنے مقدس سفر پر گامزن ہوئے۔ حضرت صاحب نے اس قافلہ کا امیر اور میدان تبلیغ کا افسر اعلیٰ یعنی امیر المجاہدین جناب چوہدری فتح محمد سیال ایم اے کو مقرر فرمایا:

مجاہدین قافلہ کے اسمائے گرامی

1- جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے (امیر المجاہدین)
2- چوہدری قاضی عبداللہ خان صاحب بی۔اے بی ٹی (قاضی صاحب)
3- شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے
4- میاں عبدالقدیر صاحب بی۔اے
5- صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔اے
6- ڈاکٹر نور احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن
7- ماسٹر محمد شفیع اسلم (خاکسار)
8- بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی
9- مہاشہ محمد عمر صاحب
10- چوہدری بدرالدین صاحب
11- مولوی ظفرالاسلام صاحب
12- منشی عبدالسمیع صاحب کپورتھلوی
13- مولوی جلال الدین صاحب شمس
14- میاں ابراہیم صاحب نانک
15- میاں فتح محمد صاحب سپاہی
16- میاں عبداللطیف صاحب
17- میاں خدا بخش صاحب پٹیالوی عرف مومن
18- میاں عزیز احمد صاحب

اس وقت جب ہم اس میدان میں پہنچے 180 دیہات میں بارہ ہزار سلمان شدہ ہو چکے تھے۔ غرض یہ پہلا دستہ دعائیں کرتا ہوا۔ دوسرے دن بمقام اچھنیرہ ضلع آگرہ پہنچا۔مولوی صاحبان جو مختلف انجمنوں کی طرف سے آئے ہوئے تھے وہاں موجود تھے۔ چودھری صاحب نے ان سے کام کرنے کے

متعلق صلاح مشورہ کیا مگر مولوی صاحبان کہنے لگے تم لوگ تو خود کافر ہو۔ ہم تمہیں یہاں تبلیغ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ تمہارے ساتھ مل کر کام کریں۔لیکن تبلیغی میدان کا مولویوں نے ٹھیکہ تو نہ لے رکھا تھا۔نہ وہ ہمیں روک سکتے تھے۔ چوہدری صاحب نے آگرہ شہر میں آکر اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور خدا تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ پہلے ہر ضلع میں دو دو مجاہدین کے وفد سروے کیلئے بھیج دیئے تا کہ حالات کا علم ہو اور اس کے مطابق دوسرے آنے والے مجاہدین کو متعین کیا جائے۔ مجھے چوہدری صاحب نے فرخ آباد کا ضلع دیا اور بعد ازاں اس کے ساتھ ایٹہ' اٹاوہ بھی ملا دیا۔ایک ہفتہ میں یہ کام سروے کا ختم ہوا اور اتنے میں قادیان سے دو قافلے مجاہدین کے مزید آپہنچے اور انہیں فوراً مختلف اضلاع میں پھیلا دیا۔

حلقہ فرخ آباد کا امیر المجاہدین

چونکہ آگرہ متھرا کے اضلاع سے فرخ آباد کافی دور تھا۔اس لئے چوہدری صاحب نے مجھے وہاں کا امیر المجاہدین مقرر کر کے یہ حلقہ کام کی سہولت کیلئے الگ کر دیا۔شروع میں سروے کے وقت میرے ساتھ ملیک دوست خدا بخش صاحب عرف مومن بھی تھے۔ ہم دونوں نے ایک ہفتہ کے اندر اندر سارے ضلع میں پھر کر مفصل رپورٹ آگرہ مرکز میں بھیج دی اور چوہدری صاحب نے دس مجاہد میرے علاقے میں فوراً بھیج دیئے۔ جن کو میں نے مناسب مقام پر تعینات کر دیا۔

ایک ماہ کے اندر اندر 100 مجاہد میدان شدھی میں آپہنچے۔ سکیم یہ تھی کہ 100 مبلغ تین ماہ کام کریں۔ تین ماہ کے بعد یہ 100 واپس چلے جائیں اور دوسرے 100 آجائیں اور اسی طرح کام چلتا جائے۔

جماعت کی قربانیوں کے شاندار نمونے

حضرت صاحب نے تیس ہزار روپیہ جماعت سے مانگا۔ جماعت نے پچاس ہزار دیا۔ حضرت نے 150 رضا کار طلب کئے۔ ڈیڑھ ہزار کارکن حاضر ہو گئے۔ان میں بی۔اے بھی تھے' ایم۔اے بھی تھے' وکیل بھی تھے' ڈاکٹر بھی تھے' تاجر بھی تھے' رئیس بھی تھے' زمیندار بھی تھے' کاشتکار بھی تھے' اعلیٰ افسر بھی

تھے، ادنیٰ نوکر بھی تھے، ان پڑھ بھی تھے، تعلیم یافتہ بھی تھے، عربی دان بھی تھے، انگریزی خواں بھی تھے غرض ہر طبقے اور ہر حیثیت کے لوگ تھے۔ پچاس ہزار روپے کے علاوہ احباب. جماعت نے مجاہدین کی ہر ضرورت کو پورا کیا۔ ڈاکٹر محمد منیر صاحب نے مجاہدین کیلئے دھوپ سے بچنے کیلئے ٹھنڈے چشمے دیئے۔ لاہور کے احباب نے سائیکل دیئے۔ 100 سے زیادہ سائیکل آگرہ میں پہنچ گئے۔ کئی اور نے بھی سائیکل دیئے۔ ایک دوست نے پانی کی کپیاں دیں، ایک اور دوست نے ستو کی بوریاں بھیج دیں، کسی نے بھنے ہوئے چنے بھیج دیئے، عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کیلئے روپے بھیجے تا کہ ان کی طرف سے غریب ملکانوں میں قربانی دی جائے۔ صرف ایک ہفتہ میں ہزاروں روپے قربانی کیلئے مرکز آگرہ میں آپہنچے۔

اور بعض اصحاب نے مجاہدین کی معلومات وسیع کرنے کیلئے مضمون لکھ کر بھیجے۔ ان میں جناب میر قاسم علی صاحب، ملک فضل حسین صاحب، شیخ محمد یوسف صاحب، ایڈیٹر ''نور'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مجاہدین میں سے بعض نے قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ ڈاکٹر منظور احمد صاحب مشہور پنجابی شاعر اپنی بھینس بیچ کر مجاہدین میں شامل ہوئے۔ اگرچہ بھینس خسارے میں بکی، مگر ڈاکٹر صاحب نے اس خسارے کو بھی نفع سمجھا۔ ایک غریب احمدی نے حضرت صاحب کو لکھا۔ نہایت غریب ہوں کسی حالت میں حضور کی تحریک میں شامل نہیں ہوسکتا۔ بہت بے چینی ہے ایک مکان ہے اجازت ہو تو اسے رہن رکھ کر حاضر ہوجاؤں۔

احمدی مستورات کا جذبۂ ایمانی

مستورات بھی اس میدان میں پیچھے نہ تھیں۔ سیکرٹری صاحبہ لجنہ اماءاللہ مرکزیہ نے ملکانہ عورتوں کیلئے دوپٹے بھیجے۔ حضرت صاحب کی صاحبزادی امۃ القیوم نے جو اس وقت صرف چھ سال کی تھیں ایک چنی (چھوٹا دوپٹہ) دے کر کہا۔ یہ کسی چھوٹی ملکانی کو دے دیا جائے۔ اکثر عورتوں نے حضور کی خدمت میں خطوں کے ذریعہ اپنے اخلاص کا اظہار کیا۔

لاہور سے بہن سعیدہ لکھتی ہیں:

حضور کا حکم سنا، کیا کروں دل چاہتا ہے کہ اس میدان میں اڑ کر چلی جاؤں۔ حکم ہو تو فوراً چلی

جاؤں۔ کاشکہ ہم عورتوں کو بھی موقع عطا فرمایا جائے۔

بہن سردار بیگم بنت شیخ محمد حسین صاحب سب جج تحریر فرماتی ہیں:

اے میری بہنو! اے میرے بزرگو۔ اس میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔ اگر ہم عورتیں وہاں نہ جاسکیں تو اپنے بیٹوں اپنے خاوندوں اپنے بھائیوں کو تیار کریں۔ اور اپنے زیور بیچ کر مالی امداد کریں۔

بہن عمر بی بی آگرہ سے لکھتی ہیں:

حضور میں قرآن مجید جانتی ہوں اور تھوڑا سا اردو، اپنے بیٹے سے سنا ہے کہ مسلمان مرتد ہو رہے ہیں اور حضور نے وہاں جانے کا حکم دیا ہے مجھے بھی اگر حکم ہو تو فوراً تیار ہو جاؤں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں ہر تکلیف اٹھانے کو تیار ہوں۔

بہن امۃ الرحمٰن مڈوائف بھیرہ ہسپتال لکھتی ہیں:

حضور میرا باپ عاشق مسیح موعودؑ تھا۔ اس عاجزہ کا بھی دل تڑپ رہا ہے۔ میں بھی تین ماہ کیلئے زندگی وقف کرتی ہوں۔

غرض یہ قربانیاں اور یہ ایثار، یہ دینی تڑپ یہ جوش ثابت کرتا ہے کہ جماعت احمدیہ الٰہی جماعت ہے ورنہ کیا وجہ ہے۔ ملک کے کروڑوں مسلمان وہ کام نہیں کر سکے۔ جو اس مٹھی بھر غریب جماعت نے کیا۔ اس قسم کا ایثار، ایسا مضبوط ایمان، اس طرح کی قربانیاں یا تو دورِ اوّل کے مسلمانوں میں نظر آتی ہیں یا اس جماعت میں۔ چنانچہ اس بات کا اقرار ملکانہ شدھی میں کامیابی پر اشد ترین مخالفین نے بھی کیا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

چونکہ شدھی کا فتنہ جو احمدیت کی صداقت کا ایک زندہ نشان بن گیا موسم بہار میں ہی پیدا ہوا۔ اس لئے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا الہام پورا ہوا۔

''پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔'' الحمدلله علیٰ ذالک.



حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم سادھوآنہ لباس میں

حلقہ فرخ آباد اور اسلم سادھوآنہ لباس میں

میں نے اپنے حلقے میں ضروری دیہات میں مبلغ بٹھا دیئے۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نے ایسے دیہات میں مضبوط قبضہ کر لیا جہاں مجھے شبہ تھا کہ یہ لوگ کہیں شدھ نہ ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی اور وہ گاؤں ارتداد سے بچ گئے اس طرح مورچہ بندی کر کے میں نے اپنے کام کی ابتدا کی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس علاقہ میں سادھوؤں کی بے حد تعظیم کی جاتی ہے اور ان کا خوف بھی عوام کے دلوں پر مسلط ہے۔ مولویوں سے سخت نفرت ہے۔ ان کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ جہاں سفید شلوار یا پاجامہ دیکھا منہ بنا کر اور بڑبڑا کر دور ہو گئے۔

اس لئے میں نے حضرت صاحب سے اجازت طلب کی کہ مجھے سادھو بن کر تبلیغ کا کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے فائدے اور اپنا ماحول حضرت صاحب کی خدمت میں وضاحت سے لکھا۔ حضور نے دوراندیشی فرمائی اور مجھے اجازت دے دی مگر ساتھ ہی فرمایا۔ عارضی اجازت ہے مستقل نہیں۔ غالباً حضور نے یہ خیال کیا ہوگا کہ کہیں ہماری جماعت میں خلیفہ کی اجازت سے فائدہ اٹھا کر کوئی فقیروں کا ٹولہ نہ نکل آئے۔

بہر حال میں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا جوگیا نہ دھوتی پہن لی۔ چمٹا۔ گڑوی اور جھولا جو ایک سادھو کے لوازمات ہوتے ہیں۔ مہیا کئے اور اپنا کام شروع کر دیا اس لباس کے سبب اور اس لباس میں جو بھجن میں نے وقتاً فوقتاً کہے اور گائے ان سے تبلیغ کے کام میں مجھے بے حد کامیابی ہوئی اور ملکانہ قوم اور ہندوؤں میں میرا بڑا احترام ہو گیا۔ وہ مجھ پر بھروسہ کرتے۔ میری باتوں کو سنتے۔ میرے بھجنوں سے خوش ہوتے۔ میری بات پتھر پر لکیر ہوتی۔ مجھے دور سے نمسکار (سلام) کرتے۔ کرشن، رام چندر، پورن بھگت،

بیلا دبھگت کی باتیں مجھ سے سنتے اور واہ واہ کرتے۔ جس گاؤں میں کوئی مولوی صاحب نہ جا سکتے۔ میں چلا جاتا۔ میں نے اس علاقہ کی پوربی زبان بہت جلدی سیکھ لی۔ ہندی اور سنسکرت کے الفاظ اور اصطلاحات بھی یاد کرلیں اور ہندو بزرگوں کے قول اور ان کی نصیحتیں بھی ازبر کرلیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میدانِ ارتداد میں سب سے زیادہ کامیابی مجھے نصیب ہوئی۔ سب سے عجیب واقعات میرے علاقے میں ہوئے۔ سب سے زیادہ شہرت میرے نام کی ہوئی اور آج تک محض خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام جماعت میرے اس کام کو سراہتی چلی جارہی ہیں۔ یہ تو فضل حق ہے چاہے جسے عطا کرے۔

میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ سب کچھ میری ذاتی قابلیت کے سبب نہ تھا۔ محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا اور پھر میں یہ کہوں گا کہ ابتدائی تکالیف کا صلہ اور حضرت والدہ محترمہ کی دعاؤں کا نتیجہ۔

میں نے اس قوم کی زبان میں بھجن کہے۔ تقریریں کیں اور کامیاب رہا۔ میرے یہ بھجن "ملکانہ من لگن بھجن" کے نام سے 1924ء کے سالانہ جلسہ پر محمد یامین صاحب کتب فروش نے شائع کئے اور پانچ ہزار کا پیاں صرف چند گھنٹوں میں بک گئی اور راتوں رات دوبارہ پھر تین ہزار شائع کئے جو دوسرے دن فوراً ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

1924ء کے سالانہ جلسہ پر میری تقریر

میری کچھ حیثیت نہ تھی۔ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی میرے لئے کر رہا تھا۔ دسمبر 1924ء کے سالانہ جلسہ پر جناب مفتی محمد صادق صاحب کی زیر صدارت میری تقریر ہوئی۔ ان دنوں جلسہ مسجد نور کے صحن میں ہوا کرتا تھا۔ دس ہزار کا مجمع تھا میں نے اپنے علاقے کے حالات 'شدھی کے واقعات اور احمدیت کی کامیابی اور تبلیغی لطیفے اور ترنم سے بھجن بھی سنائے۔ حاضرین بے حد خوش ہوئے اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ تقریر کے خاتمے پر حضرت مفتی صاحب نے صدارتی ریمارکس میں فرمایا کہ درحقیقت یہ تبلیغ ہے جو ان لوگوں نے ملکانہ میں کی۔ ماریں کھا کر' بھوکے رہ کر' پیدل چل کر' سخت گرمی دھوپ میں اور سخت سردی اور بارش میں ہمارے مجاہدین نے کام کیا۔ اسلم صاحب کی تقریر آپ لوگوں نے سن لی ہے جسے سن کر ہم

سب کے ایمان تازہ ہوئے۔ ہم ان مجاہدوں پر فخر کرتے ہیں اور ہمارا فخر بجا ہے۔ اسلم صاحب کے بھجوں نے سماں باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ سادھو کے لباس میں جو کام اسلم صاحب نے کیا ہے مبارکباد کے لائق ہے۔ آؤ اب ہم دعا کرلیں۔ تین ماہ کے بعد جب پہلا قافلہ حسب سکیم واپس قادیان آیا تو اہل قادیان نے سڑک کے موڑ پر قافلے کا پرجوش استقبال کیا اور تکبیر کے نعروں میں قافلہ قادیان میں داخل ہوا۔ مسجد مبارک میں حضور نے شرف ملاقات بخشا۔ حضور مجھے سادھوؤں کے بھیس میں دیکھ کر مسکرائے اور بہت خوش ہوئے۔ فرمایا یہ تو بالکل ہندو سادھو ہی لگتے ہیں۔ کوئی بناوٹ نہیں معلوم ہوتی۔ پھر حضور نے دعا فرما کر ہمیں رخصت کیا۔ حضور نے میرے کام سے خوش ہو کر مجھے جلدی واپس ملکانہ علاقے میں مستقل کر کے بھیج دیا اور میری سکول کی ملازمت محکمہ تبلیغ میں منتقل کر دی گئی۔

فرخ آباد میں واپسی

میں چند دن قادیان رہ کر حسب الحکم حضرت امیر المومنین واپس فرخ آباد چلا گیا اور کام پہلے سے بھی زیادہ زور سے شروع کر دیا۔ میں نے 30-30 میل روزانہ چلچلاتی دھوپ میں پیدل سفر کئے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ تو ننگے پاؤں ہی چلتا رہا۔ نیچے گرم زمین اور اوپر سخت دھوپ اور گرم ہوا۔ ایک دفعہ 37 میل کا سفر کر کے دریائے گنگا کے کنارے پہنچ کر گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد خود ہی جب ہوش آیا تو دیکھا منہ سے خون جاری ہے۔ اٹھا دریا پر منہ ہاتھ دھویا۔ کلی کی اور ذرا ستا کر پھر چل پڑا۔ تھوڑی سی گھبراہٹ ضرور ہوئی۔ مگر اندر سے آواز آئی کہ صحابہ نے تو اپنے خون کی ندیاں بہا دیں اور تم محض منہ سے خون نکلنے پر گھبرا رہے ہو فوراً بدن میں چستی آ گئی اور فرخ آباد کی طرف چل پڑا۔ جو ابھی تین میل پر تھا۔

ایسے تبلیغی سفروں میں ہماری خوراک بھنے ہوئے چنے، ستو، گڑ تھی۔ پیاس لگی، گڑوی کے ذریعہ پانی کوئیں سے نکالا گڑ گھولا ستو ڈالے اور پی لئے۔ بھوک لگی تو چنوں کی مٹھی چاب کر پانی پی لیا۔ حضرت صاحب کا حکم تھا کہ کسی ملکانے پر اپنی روٹی کا بوجھ مت ڈالنا اور سچ پوچھو تو ہماری کامیابی کی وجہ بھی یہی تھی۔ کیونکہ دیگر مولوی صاحبان جہاں جاتے یہی چاہتے کہ گوشت روٹی اور حلوہ وغیرہ ملے۔ اس لئے ملکانہ ان

کے قریب تک نہ پھٹکتے مگر ہمارے ساتھ بہت جلدی گھل مل گئے۔ ہم لوگوں نے ان کے ساتھ گہری ہمدردی کے تعلقات قائم کئے اور ان کی ہر مشکل میں کام آتے رہے۔ وہ بھی ہمیں اپنا خیر خواہ سمجھ کر اپنے ہر پرائیویٹ مشورہ میں شریک کر لیتے اور اکثر ہماری رائے پر کام کرتے گویا ہم ان کی برادری میں شامل ہو گئے۔

ضلع فرخ آباد میں ہمارے مورچے، قائم گنج، قنوج، شمس آباد، نگریا، ہتھیاپور، محمد آباد، علاول پور، قنلو پور، دولت پورا، اکبر پور، سکندر پور، محمد آباد، سمدھن، بھڑا وغیرہ میں تھے۔

ضلع فرخ آباد میں ایک چھوٹی سی ریاست ''تیروا'' نامی تھی جس کا راجہ شدھی کا بڑا زبردست حامی تھا۔ وہ دیہات میں جاتا۔ سائبان لگ جاتے۔ حلوہ پوری پکنی شروع ہو جاتی اور بھجن گائے جاتے راجہ صاحب غریب ملکانوں سے ہنس ہنس کے باتیں کرتے، ہاتھ ملاتے، روپیہ تقسیم کرتے، قرضے اتارتے، بڑے بڑے اجتماع کراتے اور ملکانوں کو شدھ (مرتد) کرتے ان کے اہلکاران سے دو قدم آگے تھے۔

مشکلات کے چند واقعات

کام کرنے میں بے حد مشکلات تھیں۔ چند واقعات درج ہیں:

مولویوں کی کرتوت

میں ایک بار دور دراز سے دورہ کر کے فرخ آباد واپس آ رہا تھا ابھی چار میل فاصلہ باقی تھا کہ سورج غروب ہو گیا۔ دریائے گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ملاحوں کا تھا۔ نگریا جواہر، سخت سردی کا موسم تھا میں اس گاؤں میں رات بسر کرنے کو باہر بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس گیا اور کہا کہ ہم آج کی رات تمہارے گام (گاؤں) میں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ گاؤں کا مکھیا بولا تم کون لوگ ہو وت ہو میں نے کہا مولوی۔ مولوی میں نے اس لئے کہا کہ رات کو کچھ وعظ کروں گا ان کو کچھ سمجھاؤں گا۔ مگر مولوی کا لفظ سن کر وہ سب غصے میں آ گئے۔ کہنے لگے۔ اچھا تم مولوی ہووت ہو۔ مولوی کو ہم اپنے گام نہیں گھسن دیں گے۔ میں بڑا حیران ہوا اور پوچھا کیوں کیا بات ہے وہ اور بھی غضب میں آ کر بولے۔ بس چپ کر کے سودھے ایہن سے چلے جاؤ۔ زیادہ بات مت کرو (یعنی سیدھے یہاں سے چلے جاؤ) میں نے پھر بڑی نرمی سے کہا۔ بھیا

ہم چلے جائیں گے مگر ذرا اس بھید کو تو کھولو۔ مولوی کے نام سے تم سب جوش میں کیوں آ گئے اور مولوی کو تم اپنے گام میں کیوں گھسنے نہیں دیتے۔ مکھیا بولا۔ سنو تمہیں مولویوں کی کرتوت سنائیں پچھلے سال کا ذکر ہے کہ ہمارے گام میں ایک مولوی آ گیا اور ہمارے بچوں کو پڑھانے لگا۔ ہم نے اس کی خوب خدمت کی۔ تھوڑے دن تو وہ ٹھیک رہا پھر وہ کچھ بن ٹھن کر رہنے لگا۔ بالوں کو تیل لگایا کرتا' آنکھوں میں سرمہ ڈالتا خوب چمک دمک کر رہتا۔ چند دنوں کے بعد وہ ہماری ایک لڑکی کو بھگا کر لے گیا۔ اس لئے اب ہم کسی مولوی کا اعتبار نہیں کرتے اور ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ مولوی کو اپنے گام میں گھسن نہ دیں گے۔ میں یہ سن کر اپنی نادانستہ نادانی پر بہت نادم ہوا اور ان سے کہا بھیا میں مولوی نہیں۔ سادھو آدمی ہوں۔ میرے کپڑے دیکھو۔ اب اندھیرا ہو گیا ہے رات ٹھہر جانے دو صبح ہی میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔

بڑی تکرار کے بعد وہ یوں مانے کہ گاؤں سے باہر وہ تمہارے سامنے ایک پٹسری (جھونپڑی) ہے۔ وہاں رات کاٹ لو مگر شرط یہی ہے صبح ہی بھاگ جانا۔ چنانچہ میں اس جھونپڑی میں چلا گیا جس کی چھت جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ نیچے کوئی چٹائی نہ تھی نہ میرے پاس سوائے ایک سوتی کھیس کے کوئی کپڑا تھا اور غضب یہ کہ دسمبر کا مہینہ اور دریا کا کنارہ' بس ساری رات بیٹھ کر گزار دی۔ سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھا رہا مگر اللہ اللہ کرنے کا موقعہ خوب ملا۔ صبح ہوئی اور ان لوگوں سے بات کئے بغیر اپنے سفر پر روانہ ہو پڑا۔

آریوں کی خفیہ کانفرنس

یہ تو آپ نے سخت سردی کی کہانی سن لی۔ اب ذرا سخت گرمیوں کا قصہ بھی سن لو۔ ایک دفعہ آریوں نے ایک دور دراز مودہ نامی گاؤں میں ریلوے اسٹیشن سے کافی فاصلے پر شدھی کو ذرا زیادہ زور سے چلانے کیلئے خفیہ کانفرنس کی۔ راجہ صاحب تروا اس کے صدر تھے۔

مودہ گاؤں کو محمد آباد کا اسٹیشن لگتا تھا جو وہاں سے گیارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ محمد آباد کے ایک پڑھے لکھے مسلمان کو جو کسی محکمے میں منشی تھا۔ کسی طرح پتہ لگ گیا۔ اس نے فوراً مجھے کہلا بھیجا کہ آریہ ایک خفیہ کانفرنس مودہ میں کر رہے ہیں۔ آپ وہاں ضرور پہنچیں۔

چنانچہ میں ایک نوجوان ہادی علی خاں ولد ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر کو ساتھ لے کر فرخ آباد

سے روانہ ہو پڑا۔ محمد آباد میں منشی صاحب سے ملا اور مودہ کا راستہ وغیرہ اور دیگر معلومات حاصل کر کے ہم دونوں وہاں سے روانہ ہو پڑے۔ گاڑی محمد آباد میں 10 بجے دن کو پہنچتی تھی چلتے چلاتے 11 بج گئے یہ مئی کا مہینہ تھا۔ 11 میل طے کرنے میں ہمیں تین چار گھنٹے لگے۔ مگر خدا کی پناہ اوپر سخت چلچلاتی دھوپ گرم لو جسم جھلس رہا ہے اور نیچے ریتلی زمین تپ رہی ہے۔ ہم ہانپتے ہانپتے گرتے پڑتے قریباً ڈھائی تین بجے مودہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہم راستہ نہیں بھولے۔ ٹھیک اسی گاؤں میں پہنچے۔ راستہ میں ہمیں کوئی دوسرا گاؤں نہیں ملا۔ میں اپنے سادھوآنہ لباس میں ہی تھا اور ہادی علی خاں سادہ لباس میں' گاؤں کے پاس ایک باغیچہ تھا ہم اس میں جا کر ایک درخت کے سائے میں جا بیٹھے تاکہ ذرا ٹھنڈ ہو جائے تو پتہ لیں کہ کانفرنس کہاں ہے۔ باغیچہ کا مالک ایک شریف ہندو تھا۔ اس کا مکان اسی باغیچہ میں تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا اور فوراً ہمارے پاس آیا اور کہا مہاراج آپ ہمارے مکان میں چلے چلیں یہاں تو گرم لو ہے۔ میرے دھن بھاگ ہیں (خوش قسمتی) کہ آپ جیسے مہاپرش کے چرن میری زمین پر پڑے۔ میں نے کہا ہم تو فقیر آدمی ہیں۔ ہمارے لئے جنگل اور مکان برابر ہے۔ مگر وہ بڑی منت کر کے ہمیں اپنے مکان میں لے ہی گیا اور وہاں لے جا کر ہمیں شربت پلایا۔ ہمیں یہاں بڑا آرام محسوس ہوا اور تھکاوٹ دور کرنے کا موقع ملا۔ اسی ہندو سے پتہ چلا کہ کانفرنس پانچ بجے شروع ہوگی۔ وہ سمجھا کہ یہ مہاتما بھی کانفرنس میں شرکت کیلئے آئے ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ جیسے آریہ خفیہ کانفرنس کرنے لگے ہیں ہم بھی خفیہ ہی حاضر ہوئے ہیں۔

پانچ بجے راجہ صاحب تیروا کی صدارت میں کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا۔ ہم بھی جا پہنچے۔ ہماری غرض یہاں صرف ان کی کارروائی معلوم کرنا تھی' نہ کہ کوئی مباحثہ' لیکن ہادی علی خاں جوشیلے نوجوان تھے۔ پہلا ہی لیکچرار جب اٹھ کر بولنے لگا تو حسب عادت اسلام پر اعتراض شروع کر دیئے۔ ہادی علی خاں فوراً بیچ میں ہی بول پڑے۔ وہ ذرا ہتلاہٹ سے بولتے تھے۔ کہنے لگے' یہ یہ پنڈت جی جی۔ جہ۔ جہ جو اعتراض آپ نے اسلام پر کئے ہیں اُ۔ اُان کے جواب بھی سن لو۔

سارے حاضرین اس غیر متوقع مداخلت پر اور پھر زبان کی ہکلاہٹ پر ہنسنے لگے۔ راجہ صاحب نے دریافت کیا۔ آپ کون صاحب ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ ہادی علی خاں بولے کو۔ کو۔ کوئی ہوں۔ کہ۔ کہ۔ کہیں سے آئے ہوں آ۔ آ آپ مجھے وقت دیں۔ میں پنڈت جی کو جہ۔ جہ جواب دوں گا راجہ

صاحب بھی ہنسنے لگے۔ فرمایا آپ قادیانی تو نہیں۔ بھئی یہ تو ہماری پرائیویٹ میٹنگ ہے۔ تم لوگوں کو کہاں سے پتہ چل گیا۔ آپ مہربانی کر کے تشریف رکھئے اور درمیاں میں نہ بولئے۔ ادھر میں نے اشاروں سے سمجھایا کہ تمہارا بولنا بے موقع بھی ہے اور بے ضرورت بھی اور ہمارے مقصد کے خلاف بھی۔ خیر یہ چپ ہو گئے اور ہم سب کارروائی سن کر شام کو سات بجے وہاں سے محمد آباد کی طرف روانہ ہو پڑے۔ رات کو دس گیارہ بجے وہاں پہنچے اور منشی صاحب کے ہاں رات بسر کی اور ان کو ساری روئیداد سنائی۔ صبح اٹھ کر فرخ آباد چلے آئے۔

ایک جوابی بھجن

آریہ اسلام کے خلاف بھجن سنا سنا کر بھی لوگوں کو متاثر کرتے اور میں نے خدا کے فضل سے اس میدان میں ان کا خوب دلچسپ مقابلہ کیا۔ انہوں نے ایک بھجن ملکانہ زبان میں اس مضمون کا لکھا کہ مولویو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ہم تو سنگھ سردار بنیں گے اور اپنے باپ دادا کے دھرم میں داخل ہوں گے۔ اس کا پہلا بول تھا ”بھاگو بھاگو مولویو تم اپنی اپنی گیل گہو“ یعنی مولویو اپنا اپنا راستہ پکڑو۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا جس کے چند شعر نیچے درج کرتا ہوں۔

پنڈت جی بستر گول کرو

پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
ناہیں ہم کو کھبر کچھو تھی کیسو دین اسلامن
اب تو پڑ گیو مالم یہ اک موتی ہے ان مول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
اب تک بہت چلتر تم نے ہم کو تھے دکھلایو
لیکن تمرے دین دھرم کا جلدی کھل گیا پول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول

تمرے پھندوں میں اب ناہیں آوئیں گے ہم ہرگز
قدیاں والوں نے اب تمرا پول دیا ہے کھول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
ہم کو باپ دادا کے دینن سے پھسلاون آیو
دھوکے مکر چھلاوے کر کے میٹھے بول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
بار بار کیوں ہمرے دوارے آوت ہو بہکاون
سچ سچ کہو مہاشہ جی کیا بھنگ پی لی ہے گھول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
چٹیا وٹیا جینو وینو سے ہم نفرت کھاویں
پاک محمدؐ کا ہم کلمہ پڑھیں گے اونچے بول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
ہم نہ سنگھ بنیں گے ہرگز بلکہ خاں کہلاویں
چند ٹکوں پر دھرم ہمارا لیتے ہو تم مول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول
پنڈت جی چپکے چپکے تم نگری سے جلدی نکسو
اسلم جی گر آگئے تمرا کھولیں گے سب پول
پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول

اس بھجن کے گانے کی طرز بھی بڑی دلکش اور عجیب تھی۔ جب میں پڑھتا تو سماں بندھ جاتا۔ سن کر ہندو بچے بھی یاد کر لیتے اور گلیوں میں گاتے پھرتے۔ پنڈت جی بستر گول کرو، پنڈت جی بستر گول۔ ہندو لوگ سن کر انہیں جھڑکتے۔ اے چپ یہ تو مسلمانوں کا ہے۔ غرض بڑا مزہ آتا۔

قدرتِ الٰہی کا اک کرشمہ

گنگا پار ایک گاؤں نگریا جواہر تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ شدھ کی طرف مائل ہیں۔ چنانچہ میں نے اس گاؤں میں ایک جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا مولوی جلال الدین صاحب شمس اس علاقے میں مناظر مقرر تھے۔ جہاں کہیں آریوں سے مناظرہ ہونا ہوتا۔ مولوی صاحب کو آگرہ سے بلا لیا جاتا۔ اس لئے احتیاطاً میں نے مولوی صاحب کو بھی بلا لیا۔ میں۔ مولوی صاحب۔ محمد یامین کتب فروش اور دیگر ایک دو احباب ہم شام کو نگریا جواہر پہنچ گئے۔ رات کو جلسہ ہوا میں نے اور مولوی شمس صاحب نے تقریریں کیں۔ ایک غیر احمدی مولوی بھی آئے ہوتے تھے۔ وہ بھی کچھ بولے۔ جلسہ ختم ہونے پر ملکانوں نے کہا۔ یہاں کے ہندو بہت شریر قسم کے ہیں۔ ان کی نیت فساد کی ہے۔ ایسا نہ ہو یہ رات کو کچھ گڑبڑ کریں۔ ہم کمزور ہیں۔ آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے آپ ابھی یہاں سے چلے جائیں۔ ویسے حضرت صاحب کا حکم بھی تھا کہ خطرے والے مقام پر رات کو نہ ٹھہرا جائے۔

چنانچہ ہم پانچ چھ آدمی جلسہ ختم ہونے پر قریباً 12 بجے رات کو وہاں سے فرخ آباد کی طرف چل پڑے۔ فرخ آباد یہاں سے آٹھ دس میل پر تھا۔ جب ہم تین چار میل پر پہنچے تو راستہ بھول گئے۔ دو بجے رات کا وقت ہوگا کہ ہم راہ سے بھٹک کر کبھی نصف میل ادھر کبھی نصف ادھر گھومنے لگے اور راستہ پر نہ پڑ سکے اب ہم میں سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے حضور دعا میں مصروف ہو گیا۔ رات کا وقت اور اندھیرا گھپ راستے میں کوئی آدم نہ آدم زاد۔ ایسے وقت میں مسافر کی پریشانی بڑی قابل رحم ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کبھی اس حالت سے دوچار ہوا ہو۔ خدا تعالیٰ کی ذرہ نوازی تھی کہ اس نے ہم بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے کیلئے ایک عجیب نشان ظاہر فرمایا۔ دعائیں جاری تھیں کہ ہمارے دائیں ہاتھ ذرا

فاصلے پر ایسا معلوم ہوا کہ گندم کے گٹھوں کو آگ لگ گئی ہے اور حالانکہ گندم کا موسم نہ تھا۔ یہ آگ وسیع رقبہ میں پھیل گئی اور بلند ہوتی گئی۔ اتنی وسیع اور بلند روشنی کہ ہم نہایت آسانی سے ٹھیک راستے پر جا پہنچے۔ زمین پر چاروں طرف تیز روشنی پھیل گئی اور راستہ صاف صاف نظر آنے لگا۔ غیر احمدی مولوی صاحب تو بہت ڈرے کہ یہ شاید جن ہیں۔ اور وہ ہمارے بیچوں بیچ چلنے لگے۔ لیکن ہم بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عین وقت پر رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ گنگا کا پل یہاں سے دواڑھائی میل پر تھا جب تک ہم لوگ پل پر نہ پہنے۔ یہ روشنی بدستور رہی اور جونہی ہم پل پر پہنچے روشنی ختم ہو گئی۔ سبحان اللہ وبحمدہ.

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔ کس طرح ان کی مدد کرتا ہے اور کس طرح سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ پل پر ہمیں دن چڑھ گیا اور ہم صبح کی نماز پڑھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے فرخ آباد جا پہنچے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک.

میں اور برادرم محمد یامین صاحب کتب فروش اور مہاشہ محمد عمر صاحب اس واقعہ کے عینی گواہ ہیں اور حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ یہ واقعہ اسی طرح ظاہر ہوا جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے۔

فرخ آباد میں پادری عبدالحق کی آمد
اور خاکسار کا ان سے دلچسپ مناظرہ

فرخ آباد میں بھی دیگر شہروں کی طرح عیسائی مشن موجود تھا۔ لیکن ہمارا کام صرف آریوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس لئے کبھی عیسائیوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اتفاق سے ایک دفعہ پنجاب سے عیسائیوں کے چوٹی کے مناظر پادری عبدالحق فرخ آباد میں تشریف لے آئے۔ مقامی انچارج امریکن پادری جین دیر صاحب نے شہر میں بذریعہ اشتہار اعلان کر دیا کہ پنجاب سے ہمارے بڑے معزز پادری جناب عبدالحق صاحب تشریف لائے ہیں ان کے لیکچر ہر روز گھمنا بازار کے گرجے میں ہوا کریں گے۔ پادری صاحب ایک ہفتہ قیام فرمائیں گے۔ ہندو، مسلم اور خصوصاً قادیانی صاحبان ضرور تشریف لائیں۔ غروب آفتاب پر لیکچر شروع ہو جایا کرے گا۔

ہمیں امید نہ تھی کہ یہاں کے پادری۔ آبیل مجھے مار، خوامخواہ ہمیں چھیڑیں گے۔ لیکن غالباً پادری عبدالحق صاحب نے اپنے لیکچروں کی رونق بڑھانے کی خاطر یہ مشورہ مقامی پادریوں کو دے دیا ہو گا۔ فرخ آباد کا شہر فرخ سیر بادشاہ کا آباد کردہ ہے اور اس زمانے میں اس کی نسل سے ایک نواب صاحب بھی کسمپرسی کی حالت میں زندگی کے دن بسر کر رہے تھے۔ کیونکہ انہیں گورنمنٹ سے قلیل سی رقم وظیفے میں ملتی تھی۔ یہ مذہباً شیعہ تھے اور ان کے زیر اثر شہر میں اکثریت شیعہ لوگوں کی تھی۔ بہر حال شام کو نماز مغرب کے وقت پادری عبدالحق صاحب کا لیکچر گھمنا بازار کے گرجا میں شروع ہوا۔

میں بھی ''خصوصاً قادیانی'' کے اعلان کے مطابق وقت پر جا پہنچا۔ میرے ساتھ ہمارے ایک دوست رمضان محمد صاحب بھی تھے۔ وہ ایک ہاتھ سے معذور تھے اور ایک بازو ان کا سلامت تھا۔ جب

ہم گرجا گھر پہنچے تو دیکھا گرجے کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ دو ڈھائی سو عیسائیوں کے علاوہ ہزار ڈیڑھ ہزار مسلمان بھی موجود ہیں۔ عیسائیوں نے اندر ہی اندر یہ افواہ بھی پھیلا رکھی تھی کہ شاید قادیانیوں سے مناظرہ ہو جائے۔

پادری صاحب کا لیکچر کفارہ پر تھا۔ حسب عادت انہوں نے یہی کہا کہ انسان فطرتی گنہگار ہے۔ آدم کا گناہ آدم کی نسل میں سرایت کر چکا ہے۔ اس لئے یہ معاف تو ہو نہیں سکتا۔ نبی آتے رہے۔ لیکن چونکہ وہ بھی گنہگار تھے۔ (بحیثیت انسان ہونے کے) اس لئے خداوند نے مخلوقات پر رحم کر کے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کو بھیجا کہ وہ اپنی جان کی قربانی دے کر انسان کے گناہوں کا کفارہ ہو۔ یہ خلاصہ تھا ان کی تقریر کا جسے منطق اور فلسفے کے نافہم دلائل سے وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

جب لیکچر ختم ہو گیا تو صدر جلسہ نے اعلان کیا کہ اگر کوئی صاحب کچھ سوال کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔ پادری صاحب نے خود بھی اعلان کیا کہ کفارہ کا مسئلہ انسانی نجات کیلئے بے حد ضروری ہے۔ اس کے متعلق سامعین اپنی تسلی ضرور کریں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر کوئی بھائی کچھ دریافت کرے۔ پبلک میں سے تو کوئی نہ بولا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ کہ میں کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں پادری صاحب مجھے دیکھ کر مطمئن ہو کر بولے آپ بڑی خوشی سے سوالات کریں پادری صاحب کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قادیانی ہے۔ خوش وہ اس لئے ہوئے کہ انہوں نے مولانا جلال الدین شمس صاحب اور دیگر احمدی علما کے ساتھ مناظرے کئے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے ضرور خیال کیا ہو گا کہ یہ تو کوئی غیر معروف سا آدمی ہے۔ اسے خوب لتاڑوں گا۔ بہت جلدی یہ شرمسار ہو کر خاموش ہو جائے گا اور میری فتح ہو گی۔ چنانچہ صدر صاحب نے دس دس منٹ سوال جواب کیلئے معین کر دیئے اور میں نے کھڑے ہو کر بولنا شروع کیا۔

حضراتِ پادری صاحب نے کفارہ کی بنیاد ہی غلط اٹھائی ہے۔ فرماتے ہیں آدم کا گناہ اس کی نسل میں سرایت کر گیا۔ کیا کبھی ایک کا گناہ دوسرے میں سرایت ہو سکتا ہے۔ اکثر آپ نے دیکھا ہو گا باپ بے حد شریف ہے مگر بیٹا بدمعاش یا باپ بدمعاش ہے بیٹا شریف۔ پس مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور پھر آدم نے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ توریت کی رو سے گناہ حوا نے کیا۔

اور اگر گناہ ایک دوسرے میں یوں سرایت کر جایا کرتا ہے تو جناب یسوع مسیح میں بھی ضرور سرایت کر گیا ہوگا کیونکہ مسیح عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

دوم : اگر مسیح سے پہلے تمام انبیا نعوذ باللہ گنہگار تھے اور وہ گناہوں کو دور نہ کر سکتے تھے تو خداتعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھیجا ہی کیوں۔ خداوند خدا کوئی کام بے فائدہ نہیں کیا کرتا۔ پھر خدا یسوع مسیح سے قبل مسلسل نبی کیوں بھیجتا رہا۔ جبکہ وہ نجات نہ دے سکتے تھے۔

سوم : اگر نجات کا درست اور سو فیصد درست طریق یہی ہے جو آپ بتلاتے ہیں تو خداوند خدا نے شروع سے ہی یہ طریق اختیار کیوں نہ کیا۔ نبی کیوں بھیجتا رہا۔ اپنے بیٹے کو پہلے ہی قربان کرنے کیلئے بھیج دیتا۔ کروڑوں انسان جو مسیح سے پہلے مرے نجات سے بے نصیب ہی گئے۔ خدا نے جان بوجھ کر ایسا عبث اور بے نتیجہ کام کیوں کیا۔

چہارم : یہ بھی فرما دیجئے کہ کیا کفارہ پر ایمان لانے سے انسان کے اندر سے گناہ کرنے کی صلاحیت ہی مٹ جاتی ہے یا کفارہ پر ایمان لانے کے بعد انسان خواہ کتنے ہی گناہ کرے اسے کوئی سزا نہ ملے گی۔ پہلی صورت تو مشاہدے کے خلاف ہے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے انسان کے اندر سے گناہ کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عیسائی دنیا خوب پیٹ بھر کر گناہ کر رہی ہے۔ دوسری صورت ہی قائم رہ سکتی ہے کہ خواہ کتنا ہی گناہ کرو۔ اس کی سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ خداوند مسیح سب کے گناہوں کا کفارہ دے چکے ہیں اور یہ صورت نجات کی نہیں گناہوں کو پھیلانے کا ایک عمدہ ذریعہ ضرور ہے۔ اس عقیدے سے انسان گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔

میرا وقت ختم ہو گیا اور پادری صاحب کھڑے ہوئے۔ پادری صاحب؛

حضرات آپ نے دیکھا ان کے پاس ایک پاکٹ بک ہے۔ یہ سب سوالات اس پر سے دیکھ دیکھ کر کر رہے ہیں۔ یہ قادیانی خود کچھ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بس جو کچھ اعتراضات انہوں نے جمع کر رکھے ہیں وہی رٹ دیتے ہیں۔ پادری صاحب نے اس کے بعد وہی دلائل دہرا دیئے جو لیکچر میں دیئے گئے تھے اور بیٹھ گئے۔

میں نے پھر جلدی جلدی اپنے سوالات کو دہرا کر پبلک کو بتایا کہ پادری صاحب نے میرے کسی

سوال کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ ان کو چھوا تک نہیں۔ اب میں ایک اور زبردست ثبوت کفارہ کی تردید میں پیش کرتا ہوں۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کیا خود پادری صاحب کو بھی کفارہ پر ایمان ہے یا نہیں۔

میں نے کہا۔ کفارہ کا مطلب تو یہی ہے کہ مسیح پر ایمان لایا جائے۔ یسوع مسیح فرماتے ہیں:

"جس کا مجھ پر رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا وہ پہاڑ کو کہے گا کہ ٹل جا تو ٹل جائے گا۔ مردوں کو زندہ کرے گا۔ مختلف بولیاں بولے گا بلکہ مجھ سے بھی بڑے بڑے کام کرے گا۔"

اب مہربانی کر کے پادری صاحب خود یا اس مجمع کے دیگر پادری صاحبان میں سے صرف رائی بھر ایمان والا عیسائی اٹھے اور میرے اس بھائی کا بازو درست کر دے۔ میں نے اپنے ساتھی کو کھڑا کر کے ان کا کٹا ہوا بازو ننگا کر دیا۔

صاحبان میں یہ نہیں کہتا کہ پادری صاحب پہاڑ کو ہلا دیں یا اپنے گرجا کو ذرا پرے لے جائیں یا مردہ زندہ کر دیں۔ ایک معمولی سا کام ہے کہ میرے بھائی کا کٹا ہوا بازو پورا کر دیں۔ لیکن میں اس عیسائی کو بلاتا ہوں۔ جس کا صرف رائی بھر ایمان کفارہ پر ہے۔ چھٹانک بھر ایمان کا پاؤ بھر ایمان کا یا سیر بھر ایمان کا مجھے نہیں چاہئے کیونکہ کام بہت چھوٹا سا ہے۔ میں اپنے وقت میں سے دو منٹ دیتا ہوں۔ اٹھے کوئی یسوع مسیح پر رائی بھر ایمان رکھنے والا مسیحی۔ میں یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ ادھر پبلک میں سناٹا چھا گیا اور تمام لوگ عیسائیوں کی طرف تکنے لگے پادریوں کو سانپ سونگھ گیا۔ دو منٹ ختم ہو گئے اور میں کھڑا ہو کر گرجنے لگا۔ پادری عبدالحق صاحب آپ نے خود بھی دیکھ لیا اور ساری پبلک نے بھی دیکھ لیا کہ آپ لوگوں کی نری باتیں ہی باتیں ہیں کسی میں مسیح پر رائی بھر ایمان بھی موجود نہیں۔ اب میرا حق ہے کہ میں اعلان کروں کہ سب عیسائی بے ایمان ہیں یا کم از کم رائی سے تھوڑا ایمان ان کے اندر ہے۔

میں نے خوب کھول کھول کر لوگوں کو بتایا کہ کفارہ نرا ڈھونگ ہے۔ نہ یہ عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے نہ عملی طور پر اس کا کچھ نتیجہ نکلتا ہے۔ میرا وقت ختم ہو گیا اور میں بیٹھ گیا۔

پادری صاحب اٹھے۔ ان کے پاس میرے مطالبے کا کوئی جواب نہ تھا بڑے جوش میں آ کر پبلک کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ مسلمان بھائیو آپ کو معلوم ہے کہ یہ میرا مدمقابل قادیانی ہے۔ یہ لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی نہیں آ سکتا۔ پھر یہ لوگ سب مسلمانوں کو

کافر بھی کہتے ہیں۔غرض خوب نمک مرچ لگا لگا کر مسلمانوں کو میرے خلاف بھڑکایا۔مجمع میں ایک آگ سی لگ گئی۔چاروں طرف سے مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔اجی لاھول ولا قوۃ یہ قادیانی خود کافر' بے دین مرتد ہیں۔ان کا نبی الگ' ان کا دین الگ' خدا ان کو غارت کرے وغیرہ وغیرہ۔پادری عبدالحق جو اپنے تئیں مناظرے کے میدان میں رستم ثانی سمجھتا تھا۔کفارہ کا مضمون ہی بھول گیا۔اور مجمع کو بھڑکاتا گیا۔ اس کے سوا اس کیلئے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔اب وہ اپنی جان چھڑا رہا تھا۔

ادھر مسلمان برابر مشتعل ہو رہے تھے۔ان کا غیض وغضب بڑھتا ہی جا رہا تھا اور ادھر میں اور میرا ساتھی سمجھ رہے تھے کہ آج خیر نہیں۔ہم یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔میں خدائے بزرگ و برتر کے حضور دعا میں مشغول تھا۔اے قادرِ مطلق خداوند تو ہر امر پر قادر ہے۔تیرے سامنے آج کفر دندنا رہا ہے۔ شرک و باطل کے خوفناک سانپ مسلمانوں کو ڈسنے پر تیار کھڑے ہیں۔تیرے کمزور دو بندے یزید کی فوجوں کے سامنے ہیں تو کوئی ایسا راستہ پیدا کر کہ یہ شرک عظیم شرمسار ہو اور حق کی فتح۔

پادری کا وقت ختم ہوا اور میں اٹھنے لگا کہ خداوند خدا نے میرے دماغ میں ایک ایسا مضمون پیدا کر دیا جس سے میری ڈھارس بندھ گئی اور اطمینان سا پیدا ہوگیا۔گھبراہٹ اور بے چینی دور ہوگئی۔اب میں پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے شیر کی طرح گرجنے لگا۔پادری صاحب۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

سنتے تھے کہ پادری عبدالحق بڑے عالم' بڑے فلسفی' بڑے منطقی ہیں۔مگر آج کے مشاہدے نے اچھی طرح کھول کر رکھ دیا کہ پادری عبدالحق کچھ بھی نہیں۔

پادری صاحب کیا یہ کفارہ کی منطقی دلیل ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔اس لئے کفارہ درست ہے۔

یا یہ بھی کوئی فلسفہ ہے کہ چونکہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو کافر کہہ دیا اس لئے کفارہ سچ ہے۔افسوس ہے آپ کی اس بددیانتی پر' لیکن خیر خدا نے آپ کی بیماری کا علاج بھی مجھے بتا دیا ہے۔آپ کہتے ہیں کہ یسوع مسیح ہماری خاطر صلیب پر مر گئے اور ہمارے لئے اپنی جان دے دی۔اس لئے ہمارے

گناہوں کا کفارہ ہوئے۔پادری صاحب غور سے سنئے۔اگر خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا قانون ہوتا کہ ایک کی قربانی پر تمام مخلوقات کے گناہ بخشے جاتے تو وہ یسوع کی قربانی نہیں بلکہ اسلام ایک قربانی پیش کرتا ہے۔

اور وہ ہے امام حسین علیہ السلام کی قربانی۔

امام حسین علیہ اسلام کا نام سنتے ہی پبلک میں سنجیدگی سی آگئی اور لوگ میری طرف متوجہ ہوگئے۔ میں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا' پادری صاحب اب ذرا یسوع اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا مقابلہ کر لیجئے۔حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کو سچائی کا سبق دینے کیلئے گھر سے نکلے اور اپنے چند جانثاروں کے ساتھ نکلے۔راستے میں خبریں ملتی ہیں کہ کوفے میں امام مسلم کو شہید کر دیا گیا ہے اور سارا کوفہ آپ کے خلاف ہوگیا ہے۔آپ واپس چلے جایئے۔مگر خدا کا شیر جواب دیتا ہے کہ مومن قدم بڑھا کر پیچھے نہیں ہٹتا۔خواہ کچھ ہو اب ہم آگے ہی جائیں گے۔ادھر ذرا یسوع صاحب کا بھی سن لیجئے کہ جب اسرائیل گورنمنٹ نے آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے اور پولیس آپ کی تلاش میں نکلی تو مسیح اپنے حواریوں کو لے کر جھاڑیوں میں جا چھپے۔بس اتنا سننا تھا کہ پبلک میں نعرہ تکبیر گونج اٹھا اور چاروں طرف سے مرحبا کی صدائیں آنے لگیں۔دیکھتے ہی دیکھتے شیطان کا جادو دھوئیں کی طرح اڑ گیا۔میں نے پھر کہا پادری صاحب آگے چلئے۔حضرت امام حسین صاحب میدانِ کربلا میں پہنچے اور دشمنوں سے آمنا سامنا ہوا تو ذرا نہیں گھبرائے اور نہ خدا سے موت سے بچنے کی دعائیں کیں۔لیکن جب یسوع مسیح کو پولیس پکڑنے نکلی اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ پولیس میری تلاش میں ہے تو گڑگڑا کر دعا کرنے لگے۔اے خدا یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹل جائے اور شاگردوں سے کہا سب مل کر دعا کرو۔خود سوچیں کہاں امام حسین علیہ السلام کا حوصلہ اور کہاں یسوع مسیح کا کمزور دل' اور بزدلی۔اتنا سن کر پھر مجمع میں شور پڑ گیا۔الھم صل علیٰ محمدِ.

واہ مولوی صاحب۔سبحان اللہ' نعرہ تکبیر' اللہ اکبر' نعروں کے درمیان پھر میری آواز بلند ہوئی۔ حضرات آگے سنئے۔حضرت امام حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں شیر دل بہادر کی طرح کھڑے دشمنوں کو للکارتے ہیں اور آپ کے جانثار ساتھی۔آپ کے پسینے پر اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔مگر ادھر جب پولیس یسوع مسیح کے سر پر آ پہنچتی ہے تو سارے حواری سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ایک بھی ان کے ساتھ نہیں رہتا اور پولیس کے آنے پر اپنے مرشد۔اپنے استاد کو چھوڑ جاتے ہیں مگر امام حسین علیہ السلام

کے سامنے ایک لشکر جرار ہے۔ لیکن نہ آپ گھبراتے ہیں نہ آپ کے ساتھی بھاگنے کا نام لیتے ہیں بلکہ کٹ کٹ کر اپنے امام پر فدا ہوتے جاتے ہیں۔ اس قدر خوفناک حالت میں امام حسین علیہ السلام پر ذرہ بھر بھی گھبراہٹ طاری نہیں ہوتی' پاؤں میں لغزش نہیں آتی' خدا تعالیٰ کے متعلق مایوسی نہیں ہوتی۔ بڑی جرأت بڑی دلیری بڑے حوصلے کے ساتھ کھڑے ہیں اور اپنے خدا پر پورا بھروسہ پورا یقین دکھاتے ہیں اور اپنی جان کی قطعاً کوئی کو پرواہ نہیں کرتے۔ مگر افسوس کہ جناب یسوع مسیح کو جب پولیس گرفتار کر کے لے جاتی ہے تو سخت گھبراہٹ آپ پر طاری ہو جاتی ہے۔ سخت غم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جب خدا تعالیٰ بھی ان کی دعا نہیں سنتا اور یہودی انہیں صلیب پر جا چڑھاتے ہیں تو سخت بے بسی حالت میں خدا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

ایلی ایلی لما سبقتنی.

اے خدا اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ کس قدر مایوسی ہے۔ کس قدر بے کسی و بے بسی ظاہر ہوتی ہے ان الفاظ سے اور خدا سے کس قدر دوری نظر آتی ہے ان الفاظ میں ساری رات بے چینی سے دعائیں کرنے کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ خدا نے ان کے درد و کرب کا کچھ پاس نہ کیا اور صلیب پر لٹکتے ہی بنی۔ گویا خود مسیح اپنی ساری کیفیت کو ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں:

''اے خدا اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔''

نہ میری دعا سنی' نہ مجھے موت سے بچایا اور مجھے دشمنوں کے ہاتھوں دکھ سہنے کیلئے کھلا چھوڑ دیا۔ خدا کیلئے سوچو کیا یہی قربانی ہے جس پر بنی نوع انسان کے گناہ بخشے جانے کے دعوے کر رہے ہو۔ یہ تو وہی مثل ہوگئی۔

جا بیٹا چڑھ جا سولی پر۔ رام بھلی کرے گا

روتے دھوتے چیختے چلاتے بیٹے کو صلیب پر چڑھا دیا۔ یہ باپ کا ظلم ہے یا رحم' ایسی قربانی تو چھپانے کے لائق ہے یا فخر کرنے کے قابل۔ لیکن ذرا اسلام کی قربانی کی طرف دیکھو کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اسلام کا پہلوان کس طرح پہاڑ کی طرح میدانِ کربلا میں کھڑا ہے۔ اس کے دائیں طرف کٹتے ہیں بائیں طرف کٹتے ہیں' بچے شہید ہوتے ہیں' بوڑھے شہید ہوتے ہیں' جوان مرتے ہیں' پیاس سے

چھوٹے بڑے سب تڑپ رہے ہیں' مگر قدم نہیں ڈگمگاتے' اپنے خدا سے مایوس نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو بے وفا یعنی ساتھ چھوڑ دینے والا نہیں سمجھتے۔ ایلی ایلی لما سبقتنی نہیں کہتے۔

اب پھر لوگوں میں شور پڑ گیا۔ واہ واہ مولوی صاحب خوب کہی۔ واقعی قربانی تو امام حسین کی ہے۔ سبحان اللہ' نعرہ تکبیر' اللہ اکبر۔

پادری صاحب یہ نظارہ دیکھ کر سخت گھبرا گئے۔ پادری عبدالحق کے چھکے چھوٹ گئے' لگے بغلیں جھانکنے اور تو کچھ پیش نہ گئی' کہنے لگے وقت ختم ہو گیا۔ اب ہم اس مناظرے کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ مگر پبلک اصرار کرنے لگی کہ نہیں نہیں مضمون ختم ہو لینے دو۔ لوگ سننے کیلئے بیٹھے ہیں۔ عیسائی اگر نہیں سننا چاہتے تو گرجے سے باہر چلے جائیں۔ عجیب نظارہ آنکھوں نے دیکھا۔

میں نے تقریر جاری رکھی۔ صاحبان ذرا قربانی کا آخری سین بھی ملاحظہ فرمایئے۔ انجیل میں لکھا ہے مسیح نے صلیب پر تین بار چلّا کر جان دی۔ بتاؤ ذرا انصاف سے بتاؤ۔ کیا خوشی سے اپنی جان دینے والے یوں چیختے چلاتے ہیں اور ایسی مجبوری کی قربانی بھی کبھی پھل لایا کرتی ہے۔ دیکھو ذرا امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا نظارہ کہ ان کو دشمن مہلت دیتا ہے کہ یزید کی بیعت کر لو۔ ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں مگر حضرت امام حسین دشمن کے مطالبے کو ٹھکرا دیتے ہیں اور عین آخری وقت میں نماز کیلئے اپنے مولا کے حضور گر جاتے ہیں اور سجدے میں ہی اپنی جان تیروں کی بارش میں جانِ آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اللہ اکبر کیا شاندار قربانی ہے۔ کیا انسانی تاریخ میں ایسی قربانی کی مثال مل سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ یسوع مسیح کی قربانی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ مجمع کا رخ ہی بدل گیا۔ پادری عبدالحق کا چلایا ہوا تیر خود اس کے سینے پر جا لگا۔ وہ اپنے کھودے ہوئے کنویں میں خود ہی گر گیا۔ ایسا پٹا۔ ایسا پٹا کہ سر نہ اٹھا سکا۔ مقامی انچارج پادری جین دیرا اٹھا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ ہم مناظرے کو طول دینا نہیں چاہتے۔ ہماری غرض تو صرف خداوند یسوع کی گواہی دینے کی تھی۔ اب آپ اپنی تقریر ختم کر دیں۔

میں نے عرض کیا جناب تقریر تو ختم ہوگئی۔ ہمیں بھی مناظرے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مگر جناب کے اس ارشاد کی تعمیل میں کہ خصوصاً قادیانی صاحبان تشریف لائیں۔ حاضر ہو گئے تھے پبلک میں نعرہ بازی شروع ہوگئی اور مسلمان مجھے کندھوں پر اٹھا کر گرجے سے باہر لائے اور ہر طرف سے صدائیں آنے لگیں۔

سرے پادری قادیانیوں سے ہاتھ باندھ کر چھوٹے۔ واہ صاحب واہ امام حسین کی قربانی کو کیسے اچھے رنگ میں پیش کیا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے نمایاں کامیابی عطا فرمائی۔ ورنہ کہاں خاکسار اسلم جماعت احمدیہ کا ادنیٰ ترین خادم، کم علم، کم سمجھ اور کہاں عیسائیت کا چوٹی کا پادری، بڑا افاضل بڑا فلسفی، بڑا منطقی، ظاہر ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید تھی۔ میں تو اس زمانے میں صرف ستائیس سال کا خام عقل نوجوان تھا۔ نہ مجھے انجیل کا کچھ مطالعہ تھا، نہ مناظرے کا تجربہ، نہ تقریر کی تمیز، مگر کند تلوار بھی جب ایک تجربہ کار جری کے ہاتھ میں آتی ہے۔ اپنے جوہر دکھاتی ہے اور کاٹتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ خاکسار بھی اس وقت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی برکت تھی جو کام کر رہی تھی۔ الحمد لله ثم الحمدلله.

پادری عبدالحق کا پروگرام فرخ آباد میں ایک ہفتہ کا تھا۔ مگر اس مناظرے کے بعد صبح ہی بستر گول کر گئے۔

جوگی کی صدا

عیسائیوں کا قصہ تو درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا۔ ورنہ ہمارے پروگرام میں ان کا نام نہیں تھا۔ میں بتا چکا ہوں کہ شدھی کے میدان میں کام کرنے کے کئی رنگ میں طریقے میں نے اختیار کر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ دیہاتوں میں علی الصبح منہ اندھیرے نکل جاتا اور اپنی نظم ''جوگی کی صدا'' گاؤں میں چکر لگا کر خوش الحانی سے پڑھتا۔ صبح کا سہانا وقت، فضا میں پر کیف سکون، نیند کے ماروں کے کانوں میں جب میری سریلی آواز پہنچتی تو دلوں میں ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی، لوگ اٹھ بیٹھتے، بعض باہر کوچوں میں آ کر سنتے، دلچسپی کیلئے میں اسے درج کرتا ہوں۔

صدا

اے سونے والو جاگو بھی
یہ گہری نیند تیاگو بھی
حق حق میں اٹھ کر لاگو بھی
دیکھو تو نور ہوا بابا
دیکھو تو نور ہوا بابا

کیا جی میں تیرے آئی ہے
سائیں کی یاد بھلائی ہے
دنیا سے پریت لگائی ہے
کس دھوکے میں ہے پڑا بابا
کس دھوکے میں ہے پڑا بابا

اقرار جو کر کے آیا ہے
دنیا میں آن بھلایا ہے
من مایا میں اٹکایا ہے
یہ سودا گھاٹے کا بابا
یہ سودا گھاٹے کا بابا

یہ جگ تو رین بسیرا ہے
گھر آگے چل کر تیرا ہے
کیوں نیند نے تجھ کو گھیرا ہے
اٹھ بستر باندھ اپنا بابا
اٹھ بستر باندھ اپنا بابا

ہم مولا نام کے متانے
کچھ آئے تم کو بتلانے
اک رمز حقیقی سمجھانے
لے سن لے کان لگا بابا
لے سن لے کان لگا بابا

اس دیس میں یوں پھرتے پھرتے
اک نگری میں ہم جا نکلے
واں دیکھے قدرت کے جلوے
جنگل میں منگل تھا بابا
جنگل میں منگل تھا بابا

اک گنگا واں پر لہرائے
اشنان جو اس میں کر آئے
سب پاپ کی میل اتر جائے
جل نرمل ہے اس کا بابا
جل نرمل ہے اس کا بابا

یہ دیکھتے ہی ہم جا بیٹھے
اور دھونی واں پہ رما بیٹھے
پھر اپنا آپ بھلا بیٹھے
اک پریم کا پی پیالہ بابا
اک پریم کا پی پیالہ بابا

واہ واہ کیا سندر بستی ہے
کچھ ایسی شان برستی ہے
گھر گھر توحید پرستی ہے
خود اترا آن خدا بابا
خود اترا آن خدا بابا

اک ہادی اس میں آیا ہے
وہ نور خدا کا لایا ہے
عالم جس نے چمکایا ہے
تو نیتر کھول ذرا بابا
تو نیتر کھول ذرا بابا

شرک اس کے دم سے دور ہوا
اور کفر بھی سب کافور ہوا
اسلام کا نور ظہور ہوا
شیطان کا سر کچلا بابا
شیطان کا سر کچلا بابا

یوں پیارا بیٹھے پیاروں میں
اک خاص ادا سے یاروں میں
جوں چاند اک چمکے تاروں میں
اور ہو وہ چودس کا بابا
اور ہو وہ چودس کا بابا

جب بات زباں پر وہ لاتا
اک دریا موج میں آجاتا
عرفان کے موتی پھیلاتا
خوش قسمت لے جاتا بابا
خوش قسمت لے جاتا بابا

جا اس کی جلد زیارت کر
اور سچے دل سے بیعت کر
پھر آکر دین کی خدمت کر
ورنہ پچھتائے گا بابا
ورنہ پچھتائے گا بابا

وہ جس بستی میں رہتے ہیں
لوگ اس کو قادیاں کہتے ہیں
واں نور کے دریا بہتے ہیں
تو جا کر درشن پا بابا
تو جا کر درشن پا بابا

بس اسلم کی اتنی تھی صدا
اب چلتے ہیں یہ کر کے دعا
ہو سب کو پریم اس ہادی کا
کل عالم کا ہو بھلا بابا
کل عالم کا ہو بھلا بابا

یہ نظم میں نے ایک دفعہ فتنہ ارتداد سے پہلے حضرت صاحب کو مسجد مبارک میں سنائی تھی۔ آپ سن کر بہت خوش ہوئے اور دوبارہ سنا۔

موضع بھڑا میں ایک پنڈت سے دلچسپ مناظرہ

میں یہ لکھ چکا ہوں کہ ابتدا میں کچھ مولوی صاحبان نے کسی نہ کسی انجمن کی طرف سے مختلف مقامات پر کام کیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد شبرات آگئی اور اکثر مولوی اپنے حلوے مانڈے پر واپس گھروں کو چلے گئے۔ البتہ غلام بھیک نیرنگ آف انبالہ کی انجمن کے دو چار مبلغ یا امارت شرعیہ بنگال کے ایک دو آدمی ابھی بیٹھے کام کر رہے تھے۔ مگر یہ لوگ آریہ دھرم کے اصولوں سے واقف نہ تھے۔ اس لئے کوئی قابل ذکر کام نہ کر سکے۔ خدا کے فضل سے ہماری جماعت کے 100 مبلغ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے بڑی مستعدی سے کام کر رہے تھے۔ اور ہر جگہ انہیں کامیابی حاصل ہو رہی تھی فرخ آباد میں ایک مولوی صاحب امارت شرعیہ بنگال کی طرف سے موضع بھڑا میں کام کر رہے تھے اور اسی گاؤں میں آریوں کی طرف سے ایک پنڈت بھی بیٹھا تھا۔ مگر بڑا ہوشیار' بی اے پاس' چلتا پرزا' مولوی صاحب اس کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا گاؤں اسلام سے بدظن ہو کر شدھی کی طرف مائل ہو گیا۔ اب مولوی صاحب میرے پاس فرخ آباد آئے اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ کو بہت پہلے میرے پاس آنا چاہئے تھا۔ اب معاملہ انتہا کو پہنچ گیا۔ لیکن خیر میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں راستے میں خوب دعا کی۔ وہاں پہنچے تو دیکھا سارا گاؤں ایک میدان میں بیٹھا ہے اور پنڈت ان کو اپنی باتیں سنا رہا ہے۔ ہمارے جانے پر شور پڑ گیا۔ لو بھئی اب بات چیت ہو گی۔ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ہمیں ایک چارپائی دے دی۔ قریب ہی پنڈت بھی بیٹھا ہوا تھا وہ مجھے تاڑنے لگا۔

پنڈت سے مقابلہ

پنڈت نے بڑی چالاکی سے ایک کاغذ پر کچھ انگریزی میں لکھ کر پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی کے ذریعہ مجھے پہنچا دیا۔ اس نے یہ قیاس کیا کہ یہ سادھو (یعنی میں) انگریزی بالکل نہیں جانتا ہو گا اس لئے رقعہ پڑھ نہ سکے گا اور شرمندہ ہو گا لوگوں پر میرا رعب پڑ جائے گا اور میں کہوں گا کہ جو شخص میرا رقعہ بھی نہیں پڑھ سکتا وہ بات چیت کیا کر سکتا ہے۔

اپنی طرف سے اس نے یہ ایک بڑا کامیاب تیر پھینکا تھا اور اس کا یہ قیاس درست بھی تھا میں واقعی انگریزی نہ پڑھ سکتا تھا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی تائید ساتھ ہوتی ہے تو دشمن کی کوئی چالاکی کام نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہی چالاکی اس کے گلے کا پھندا بن جاتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا خدا تعالیٰ کی تائید نے خوب کام کیا۔ میں نے اس کے رقعہ کو سرسری نظر سے دیکھ کر ایک کاغذ پر چند سطریں عربی میں لکھ دیں اور پنڈت کو یہ رقعہ پہنچا دیا کہ یہ آپ کا جواب ہے۔ اب پنڈت یہ دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔ کیونکہ وہ عربی مطلق نہ جانتا تھا۔ گھبرا کر کہنے لگا:

''یہ کیا لکھا ہے' ہم یہ نہیں پڑھ سکتے۔''

میں فوراً بولا بھائیو! یہ پنڈت کہتے ہیں بی اے پاس ہے مگر میرا لکھا ہوا رقعہ پڑھ نہیں سکتا۔ مجھ سے بات چیت کیا کرے گا۔ معلوم نہیں بی اے ہے بھی کہ نہیں۔ تمام لوگوں میں ہنسی پڑ گئی اور لگے پنڈت کو ہنسی ہنسی میں طعنے دینے واہ پنڈت ایسو ہی باتیں بناوت تھے اب رقعہ ناہیں پڑھ سکتا تم تو کہت تھے ہم بی۔ آ ہیں۔ پنڈت کھسیانا ہو کر بولا۔ ہمارے ساتھ بات چیت کرو۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔ مجھے کہنے لگا ہاں مولوی صاحب یہ لکھا پڑھی چھوڑ اور زبانی بات چیت کرو۔ میں نے کہا پنڈت جی یہ لکھا پڑھی تو آپ نے خود ہی شروع کر دی تھی۔ ہم تو بات چیت کیلئے ہی آئے ہیں۔ اس پر سب خاموش ہو گئے اور ہمارا مناظرہ شروع ہوا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

پنڈت : بات یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ان لوگوں کے باپ دادوں کو زبردستی یا لالچ سے مسلمان بنا لیا تھا۔ خصوصاً اورنگ زیب نے۔ کسی کو ڈرا دھمکا کر کسی کو زمین دے کر کسی کو ملازمت میں لے کر بے شمار

ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ میں نے بی۔اے تک تاریخ پڑھی ہے۔خوب جانتا ہوں کہ کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے ہندوؤں سے دھرم چھڑایا گیا۔

میں : پنڈت جی بی۔اے کی تاریخ کچھ زیادہ نہیں۔ میں بی۔اے کو تاریخ پڑھا سکتا ہوں۔آپ ذرا غور کریں کہ مسلمانوں نے صدیوں ہندوستان پر جاہ و جلال سے بادشاہت کی ہے۔ اگر وہ زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بنانے لگتے تو آج ایک بھی ہندو نظر نہ آتا' نہ یہ شدھی کا چرخہ چلتا' آگرہ اور دہلی پر مسلمانوں کی تلوار سینکڑوں برس چمکتی رہی مگر تعجب ہے کہ سارے یو پی کے علاقے میں تو مسلمان چودہ فیصد رہے اور پنجاب اور بنگال جو تلوار سے دور علاقے تھے۔ وہاں پچاس' ساٹھ فیصد' حالانکہ جہاں تلوار کا زور تھا۔ وہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے تھی۔ نیز سلطنت مغلیہ کے خاتمے پر انگریزی حکومت میں جب پہلی مردم شماری ہوئی ہے تو مسلمانوں کی تعداد صرف ڈھائی کروڑ تھی اور آج جبکہ مسلمان بادشاہ نہیں رہے اور انگریزی حکومت ہے آٹھ کروڑ مسلمان ہیں۔ بتائیے' یہ ساڑھے پانچ کروڑ مسلمان کس کی تلوار سے ہوئے۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلام اپنی تعلیم کی خوبیوں کے سبب سے پھیلا ہے۔ ہندوستان کی معزز اقوام برہمن راجپوت وغیرہ نے جب اسلام کی تعلیم کا مطالعہ کیا تو اسے دل و جان سے قبول کر لیا نیز شودر لوگوں نے بڑی قوموں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں کو پہلی بار معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی ایسا مذہب بھی ہے جو سب انسانوں کو بھائی بھائی سمجھتا ہے اس میں اونچ نیچ' اس میں چھوت چھات نہیں' اس میں سب برابر ہیں' کوئی برہمن نہیں کوئی شودر نہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

باقی رہا اورنگ زیب وہ بڑا نیک بادشاہ تھا۔ اس نے راجے مہاراجوں کی طرح 498 کا جرم (اغوا کرنا) نہیں کیا آپ نے تو بی۔اے تک تاریخ پڑھی ہے معلوم ہوگا کہ جب راجہ جے چند والی قنوج نے اپنی لڑکی سنجوگتا کا سوئمبر یعنی اپنا خاوند منتخب کرنے کی مجلس رچائی اور ملک کے چھوٹے بڑے راج کنوار قسمت آزمائی کیلئے جمع ہوئے تو راجہ جے چند کا چچا زاد بھائی پرتھی راج مہاراجہ وہیں بھیس بدل کر آیا اور زبردستی سنجوگتا کو گھوڑے پر بٹھا کر لے اڑا۔

یہ بداخلاقی اورنگ زیب نے کبھی نہیں کی' وہ بڑا پارسا انسان تھا۔ نیز راجپوت بڑے بہادر اور غیور تھے۔ وہ اپنا دھرم نہ ڈر سے نہ لالچ سے چھوڑ سکتے تھے۔ رامائن میں لکھا ہوا ہے:

''رگھوکل ریت یہی چلی آئی۔ پران جائیں پر دھرم نہ جائی۔ یعنی جان چلی جائے مگر دھرم نہ جائے۔ یہ خاندانی ریت ہے۔''

پنڈت : مولوی جی آپ کے مذہب میں بہن کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔ یہ کتنی بری بات ہے۔

میں : پنڈت جی کیا سگی بہن کے ساتھ یا رشتہ کی بہن کے ساتھ۔

پنڈت : چچا یا ماموں' یا خالہ کی لڑکی کے ساتھ جو کہ بہن ہی ہوتی ہے۔

میں : پنڈت جی اسلام نے قرآن پاک میں کھول کر بتا دیا ہے کہ تم کس کس سے شادی کر سکتے ہو اور کس کس سے نہیں۔ مگر ویدوں میں اس کی کوئی تصریح نہیں۔ سگی بہن ماں' بیٹی غرض کسی رشتہ سے شادی منع نہیں۔ یعنی بیٹی' بہن' ماں سے شادی کر لینا پاپ نہیں۔ ہمارے پنجاب میں بٹالے کے ایک پوسٹ ماسٹر نے اپنی حقیقی لڑکی سے شادی کر لی ہے (یہ 1924ء کی بات ہے) جب پنڈت لوگ اس کے پاس گئے کہ تم نے یہ کیا انرتھ (ناجائز کام) کیا تو بابو صاحب کہنے لگے۔ ویدوں میں کہیں نہیں لکھا کہ بیٹی سے نکاح منع ہے۔ پاپ وہ ہوتا ہے جو خدا کے حکم کے خلاف ہو اور سنئے پنڈت جی آپ کو بھی کیا علم ہے کہ آپ کی استری (بیوی) آپ کی بہن یا بیٹی یا ماں ہے کہ نہیں۔

پنڈت : یہ تو بکواس ہے' میری استری' نہ میری بہن ہے' نہ بیٹی وغیرہ۔

میں : پنڈت جی یہ آپ کی بدتمیزی ہے۔ کیا بی۔اے پاس کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔ کیا آپ اس سبھا (مجلس) میں کھڑے ہو کر کہہ سکتے ہیں کہ میں پرماتما کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میری بیوی پچھلے جنم میں میری ماں یا بیٹی یا بہن نہیں تھی۔

پنڈت : میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں' مجھے کیا علم ہے پچھلے جنم کا۔

میں : جناب عالی میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ آپ کو علم نہیں۔ مگر آپ نے اسے بیوی بنا رکھا ہے' ہو سکتا ہے' وہ پچھلے جنم میں آپ کی ماں' بہن ہو۔

پنڈت : مگر پچھلے جنم کے رشتہ کا اس جنم کے رشتے سے کیا تعلق۔

میں : بہت اچھا اگر تعلق نہیں تو پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا اس جنم میں کیوں ملتی ہے۔ جب آپ کا دھرم کہتا ہے کہ جو کچھ آدمی اس جنم میں کام کرے گا۔ اس کا بدلہ اگلے جنم میں ملے گا۔ معلوم ہوا پچھلے جنم کا تعلق اگلے جنم میں چلتا ہے۔

پنڈت : یہ فضول باتیں ہیں کوئی۔ مذہبی بات کرو۔ ان باتوں سے کیا فائدہ۔

میں : جناب آپ نے خود ہی یہ باتیں شروع کی تھیں۔ میں تو آپ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوں۔ پہلے آپ سیاسی باتوں کو لے بیٹھے اور اب رشتہ داری کی باتیں۔ آپ کوئی مذہبی بات پوچھیں تو اس کا جواب دوں۔

ملکانہ لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور پنڈت کے گرد ہو گئے۔ پنڈت اب جواب نہیں آتا تو ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ آواگون (تناسخ) تو تم مانتے ہو تو پھر اپنی استری کی پڑتال کرو کہ یہ تمہاری پیچھے کیا لگتی تھی۔ غرض پنڈت کا جادو لوگوں پر سے اترنے لگا اور ملکانے سمبھلنے لگے۔ پنڈت نے آخر جھنجلا کر کہا۔

پنڈت : اچھا ایک بات کا جواب دو اس کے بعد ہمارا مباحثہ ختم۔

میں : وہ بھی پوچھ لو کیا بات ہے۔

پنڈت : بات یہ ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ کا کھا لیتے ہیں۔ مگر مسلمان کے ہاتھ کا ہندو نہیں کھاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہندو دھرم پوتر (پاک) ہے اور مسلمانوں کا دھرم بھرشٹ (خراب) ہے اور کچا ہے۔

اس پر پھر ملکانہ زور زور سے بولنے لگے۔ ہاں مولوی صاحب اس بات کا جواب دو۔ یہ بات بڑی پکی ہے اور کروّ ہے۔ اگرچہ یہ بات کوئی مذہبی مسئلہ نہ تھی۔ لیکن عوام میں ایک زبردست دلیل ضرور تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ہندو لوگ مقدس ہیں اور مسلمان نیچ۔ اس لئے ملکانہ زور دینے لگے کہ اس کا جواب ضرور دو۔

میں : پنڈت جی مہاراج آپ نے یہ ٹھیک کہا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے ہاتھ کا نہیں کھاتے اور مسلمان ہندو کے ہاتھ کا کھا لیتے ہیں۔ مگر یہ کوئی دھرم کی بات نہیں۔ رشتہ داری کا معاملہ ہے۔ اب سنئے ذرا اس کا جواب۔ پہلے آپ یہ بتائیے کہ چار وید، چھ شاستر، اٹھارہ پران اور دیگر کتب رامائن، مہا بھارت میں یہ

کہاں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ کا نہ کھاؤ اگر یہ دھرم کی بات ہوتی تو ضرور لکھا ہوتا۔

اب پنڈت ایسا گھبرا چکا تھا کہ وہ یہ تو نہ سوچ سکا کہ یہ سب کتب تو مسلمانوں سے پہلے کی ہیں۔ ان میں نہیں لکھا ہونا چاہئے۔ کہنے لگا ان میں تو یہ نہیں لکھا۔

میں : پھر آپ نے یہ کہاں سے نکال لیا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کا نہ کھاؤ۔ مگر میں آپ کو بتلاتا ہوں۔ لکھا ہوا ہے مسلمانوں کے ہاتھ کا کھاؤ۔ بلکہ ان کا پس خوردہ بھی کھاؤ۔ پنڈت جی آپ نے رامائن کی کتاب تو پڑھی ہوگی۔

پنڈت : ہاں کچھ پڑھی ہے۔

میں : میں نے ساری پڑھی ہے۔ اس میں ایک واقعہ آتا ہے۔ غور سے سنئے:

رام چندر جی جب بن باس (دیس بدر) کو گئے تو جنگل میں ایک جگہ آپ کو بھوک لگی قریب ہی ایک بیری کا درخت تھا۔ اس پر ایک بھیل قوم کی عورت یعنی بھیلنی بیری پر بیٹھی بیر کھا رہی تھی۔ رام چندر جی نے اس سے کہا۔ مجھے بھی کچھ بیر دو۔ چنانچہ بھیلنی بیر توڑ کر پہلے خود چکھتی۔ پھر وہی بیر رام چندر جی کی جھولی میں ڈال دیتی۔ جب کافی بیر جھولی میں ہو گئے تو رام چندر بھی مزے لے لے کر کھانے لگے۔

پاس ہی پنڈت جی کوئی آپ جیسا عقلمند بھی کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔ مہاراج آپ بھیلنی کے جھوٹے بیر کھاتے ہیں۔ یہ تو بڑی گندی ہے اس کا جسم بھی گندہ ہے۔ اس کے دانتوں پر میل جمی ہوئی ہے۔ یہ چنڈال قوم سے ہے۔ نیچ ہے۔ آپ نے یہ کیا کیا۔ رام چندر جی بولے، تم بڑے مورکھ ہو تم اس کے ظاہر کو دیکھتے ہو کہ گندہ ہے۔ مگر میں اس کے باطن کو دیکھتا ہوں کہ کس پریم سے کس شردھا (عقیدت) سے یہ مجھے بیر دیتی ہے۔ میں نے اس کے ہردے (من) کو دیکھا کہ کس محبت سے بھرا ہوا ہے۔ تم نے اس کے ظاہر پر نظر ماری۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔

قریب ہی ایک میٹھے پانی کا تالاب تھا۔ اس کا پانی کڑوا ہو گیا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ رامچندر جی کے پاس آئے اور چیخے چلائے کہ مہاراج ہم پانی کہاں سے پیئیں۔ تالاب کا پانی تو کڑوا ہو گیا۔

رام چندر جی نے فرمایا کہ پرماتما تم سے ناراض ہو گیا ہے۔ تم نے اس کے ایک بندے

(بھیلنی) کونفرت سے دیکھا۔ اب یہ بھیلنی جب تک اپنا پاؤں اس تالاب میں نہ ڈالے گی۔ پانی میٹھا نہ ہو گا۔ چنانچہ سب نے بھیلنی کی منت کی اور بھیلنی نے اپنے گندے پاؤں ڈالے تب پانی پھر میٹھا ہو گیا۔

یہ واقعہ سنا کر میں نے پنڈت جی سے کہا۔ دیکھو یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ آپ لوگوں کو تو مسلمانوں کے منہ سے نکلا ہوا بھی کھا لینا چاہیے۔ ہم مسلمان تو اس بھیلنی سے ہزار درجہ بہتر ہیں اور آپ رام چندر جی سے ہزار درجے نیچے ہیں۔ جب انہوں نے مزے لے لے کر بھیلنی کے جھوٹے بیر کھائے تو آپ کیوں نہیں کھاتے۔ پنڈت جی یہ چھوت چھات جو مسلمانوں سے آپ لوگوں نے جاری کر رکھی ہے یہ رشتہ داری کا معاملہ ہے۔ دھرم کی بات نہیں۔ آپ نے تو بی۔ اے تک تاریخ پڑھی ہے۔ معلوم ہو گا کہ اکبر بادشاہ نے ہندو رانی جودھا بائی سے شادی کی تھی اور اس کے بعض شہزادوں نے بھی ہندو راج کنواریوں سے شادی کر رکھی تھی اور دیکھا دیکھی اکثر اہلکاروں اور دیگر معزز اور مالدار مسلمانوں نے بھی ہندو لڑکیوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں میں ایک رشتہ داری قائم ہو گئی۔ مسلمان ہندوؤں کے داماد بن گئے اور ہندوؤں کی لڑکیاں مسلمانوں کے گھروں میں آ گئیں۔ جب کبھی ہندو اپنی لڑکی کے گھر یعنی مسلمانوں کے پاس آتا تو لڑکی کے گھر کا کچھ نہ کھاتا پیتا۔ ہندو قوم میں اب تک یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ وہ کنیا (بیٹی) کے گھر کا نہیں کھاتے پیتے۔

لیکن مسلمان جب اپنے سسرال (ہندو گھروں) میں جاتے تو خوب کھاتے' پیتے' کیونکہ داماد ہونے کے لحاظ سے ان کا حق تھا کہ خوب کھائیں پیئں۔

یہ بات سن کر سب ملکانے اچھل اچھل کر شور مچانے لگے واہ مولوی صاحب آج یہ بھید کھلا ہے۔ سچ ہے ہندو ہمارے ہاں کا کچھ کھا پی نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کی لڑکیاں ہمارے گھروں میں ہیں اور ہم ان کا کھا پی سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے داماد ہیں اب تو پنڈت جی کے چھکے چھوٹ گئے۔ کچھ بھائی نہ دیا۔ کہ کیا کروں۔ چپکے سے وہاں سے کھسکا اور گاؤں سے چلتا بنا اور خدا کا فضل ہوا کہ سارا گاؤں شدھی سے بچ گیا۔ **الحمدللہ علیٰ ذالک.**

بھجن

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ آریہ لوگ اسلام کے خلاف بھجن یعنی نظمیں لکھ لکھ کر اور ہارمونیم باجے سے سنا سنا کر بھی ملکانہ قوم کو شدھی کیلئے تیار کیا کرتے تھے۔ خصوصاً عورتوں کو اس سلسلے میں ایک بھجن ان کا اس طرح شروع ہوتا تھا۔

سواس جی نے توڑ ڈالے پرچ پیالے اسلام کے
وہ خدا جس کو شیطاں نے دھوکا دے دیا
سچ کہو اے شیخ جی ایسے خدا کس کام کے

میں نے اس کے جواب میں ایک بھجن بنا رکھا تھا جو نیچے درج ہے:

اے مہاشہ جی تیاگو[1] اب تو قصے رام کے   یہ سویرا ہے نہ گاؤ گیت وقتِ شام کے
وید کی تعلیم سے بھارت میں اندھیرا ہوا   جوت[2] پھیلے گی مگر پرکاش[3] سے اسلام کے
وہ خدا جو روح و[4] مادہ کو نہ پیدا کر سکے   سچ کہو پنڈت جی ایسے ایشور کس کام کے
مورتی پوجا سے مکتی[5] مل نہیں سکتی کبھی   اے برہمن کیوں پڑا پیچھے خیالِ خام کے
کیوں کروڑوں دیوتاؤں کی کرو اوپاسنا[6]   اک صنم کافی ہے تم کو واسطے پرنام[7] کے
چھوڑ کر من کی کپٹ گر پریم سے دیکھو ذرا   ایشور تم کو ملے گا دھرم میں اسلام کے

لشکرِ محمود کا ہے پہلواں اسلم یہاں
بات کرنا آریو اپنی زبان کو تھام کے

1- چھوڑو۔ 2- روشنی۔ 3- ظاہر ہونا۔ 4- آریوں کا عقیدہ ہے کہ روح و مادہ کو خدا نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خدا کی طرح خود بخود ہیں۔ 5- نجات۔ 6- عبادت 7- سلام۔

تائید خداوندی کا ایک حیرت انگیز واقعہ

حضرت صاحب کا حکم تھا کہ جس مبلغ کو متعلقہ افسر علاقہ کسی گاؤں میں متعین کر دے اسے کسی حال میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔ خواہ کتنی ہی تکالیف کا سامنا آپڑے۔ یہاں تک کہ جان کے لالے بھی پڑ جائیں۔ اپنا مورچہ نہیں چھوڑنا۔

میں نے اپنے علاقے میں موضع قتلو پور کیلئے جو کہ شدھی پر تیار ہو چکا تھا۔ ایک مبلغ مولوی رحمت علی صاحب بنگالی کو بھیجا مولوی صاحب بڑے متقی اور مخلص انسان تھے۔ بڑے خاموش طبع نیک، جب وہ گاؤں میں پہنچے تو گاؤں کے نمبردار احمد خاں نے ان کو گاؤں سے نکال دیا۔ مگر مولوی صاحب پھر گاؤں میں داخل ہو گئے۔ گاؤں والوں نے اب مولوی صاحب کو مار کر گاؤں سے باہر نکال دیا۔ مگر مولوی صاحب پھر گاؤں میں آگئے۔ پھر ان کو مار مار کر باہر نکال دیا۔ یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ آخر مولوی صاحب تھک گئے اور وہ دوسرے گاؤں میں دوسرے مبلغ کے پاس چلے گئے اور مجھے صورتحال سے اطلاع دے دی۔ مولوی صاحب واقعی مجبور ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت صاحب کے حکم کی خلاف ورزی ضرور ہو گئی۔ مجھے دو قسم کی تکلیف مولوی صاحب کی چٹھی پہنچنے پر ہوئی۔ اوّل یہ کہ اپنے امام کے حکم کی خلاف ورزی کیوں ہوئی۔ دوم میرے ایک بھائی کو بار بار مار پڑی اور اس نے کافی تکلیف اٹھائی۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اس مورچے کو میں خود فتح کروں گا۔ انشاء اللہ۔ چنانچہ میں ایک گھنٹہ کے اندر اندر تیار ہو کر اس سفر پر روانہ ہو پڑا۔ میں نے ایک ہفتہ کا راشن یعنی چنے، ستو، گڑ ساتھ لیا اور کچھ ادویات جو کہ میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ تہیہ یہ کیا کہ اب خواہ کچھ بھی ہو کامیابی یا نامرادی کبھی گاؤں سے نہیں نکلوں گا۔

قتلو پور فرخ آباد سے 17 میل پر تھا۔ میں قریباً 12 بجے پیدل فرخ آباد سے چل پڑا اور غروب آفتاب قتلو پور جا پہنچا۔ احمد خاں کی چوپال (بیٹھک) گاؤں سے باہر کی طرف ہی تھی اور میرے راستے کے عین سر پر۔ چنانچہ میں بالکل چوپال پر جا پہنچا۔ ایک بوڑھا شخص چوپال سے نکل رہا تھا۔ میں نے پوچھا احمد خاں کہاں ہے۔ وہ میرا سادھو آنہ لباس دیکھ کر کچھ گھبرا سا گیا۔ کیونکہ اس سارے علاقے میں سادھوؤں کا بڑا رعب تھا۔ کہنے لگا میں ہی احمد خاں ہوں۔ کا کہت ہو۔ یعنی کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا ادھر ہمارے پاس نیچے آجاؤ۔ ایک درخت کٹا ہوا پڑا تھا۔ میں اس پر بیٹھ گیا اور احمد خان میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔

اب میں نے اس کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ لیکن میری زبان میرے قبضے میں نہ رہی اور وہ بکلی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلنے لگی۔ اب میں نہیں بول رہا تھا بلکہ میری زبان پر کوئی اور بولتا تھا۔ گویا:

مرے دل کو دل نہ سمجھو مری جاں کو جاں نہ سمجھو
کوئی اور بولتا ہے میری زباں نہ سمجھو

میں نے کہا۔ احمد خاں تم بہت بیمار ہو۔ تمہیں دس سال سے دمہ ہے۔ احمد خاں یہ سن کر حیران ہو گیا۔ کہنے لگا ہاں شاہ صاحب مر گیا۔ کیا کروں بڑے علاج کروائے کچھ آرام نہیں آتا۔

میں نے پھر کہا تمہیں تو کل سے تیز بخار ہو رہا ہے اور جب میں نے اسے ہاتھ لگایا تو اس کا بدن جل رہا تھا۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ مہاراج آپ تو کوئی خدا آگئے ہیں۔ مجھے پر کرم کیجئے۔

میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا دیکھو ہم خدا نہیں تمہارے جیسے انسان ہیں لیکن ہمارے مرشد نے ہمیں حکم دیا ہے کہ دنیا کا بھلا کرتے پھرو۔ اب چپ کر کے بیٹھو میں تمہیں دوائی دیتا ہوں۔ میں نے اپنے جھولے میں سے چند قبض کشا گولیاں نکالیں اور دو گولیاں دے کر اسے کہا رات کو پانی سے کھا لینا۔ دو تین دست تمہیں آجائیں گے۔ ایک سفوف کی پڑیا دے کر کہا دست آجانے کے بعد یہ پڑیا منہ میں ڈال لینا۔ جاؤ خدا بھلا کرے گا۔ یہ کہہ کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور چلنے لگا باتیں کرتے کرتے اندھیرا ہو چکا تھا۔ احمد خاں نے میری دھوتی کا پلہ پکڑ لیا اور منت کر کے بولا۔ خدا کیلئے آپ آج ہمارے پاس رہیں

اندھیرا ہو چکا ہے اب آپ کہاں جائیں گے۔

مگر میں نے پلہ چھڑا لیا اور پر رعب آواز میں کہا۔ چھوڑو تمہارے پاس ہم نہیں ٹھہر سکتے۔ تم پاپی انسان ہو مہا پاپی۔ احمد خاں ڈر کر بولا کیوں۔ مہاراج۔

میں نے کہا۔ تمہیں شرم نہیں آتی تم نے ایک مولوی کو مار مار کر اپنے گاؤں سے نکال دیا۔ وہ بے چارہ پردیسی تھا۔ یہ سن کر تو احمد خاں بہت ہی ڈر گیا۔ اس نے سمجھا یہ سادھو بہت پہنچا ہوا ہے۔ اس کو مولوی کا بھی سب حال معلوم ہو گیا۔ یہ خدا کا کوئی بڑا بھگت ہے۔ کہنے لگا مہاراج اس دفعہ معاف کر دیں۔ اب اگر مولوی صاحب یہاں آجائیں ہم ان کو نہیں نکالیں گے۔

مگر میں گاؤں سے نکل ہی گیا اور اس کی ایک نہ سنی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ مورچہ انشاء اللہ فتح ہو چکا ہے۔ مجھے تسلی ہو گئی کہ احمد خاں کی بیماری ختم ہو جائے گی اور یہ گاؤں شدھ ہونے سے بچ جائے گا۔

احمد خاں بہت حیران تھا کہ سورج چھپے ایک سادھو آ کر خود بخود میری بیماری بتاتا ہے اور دوائی دیتا ہے۔ نہ کچھ لالچ ہے، نہ کوئی غرض، رات کو ٹھہرتا بھی نہیں، یہ کوئی خدائی بھید ہے۔

میں رات کو 10 بجے دوسرے گاؤں میں پہنچا۔ جہاں ہمارے مبلغ تھے۔ مجھے دیکھ کر مولوی رحمت علی صاحب بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگے۔ اسلم صاحب آپ اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں میں نے کہا۔ آپ کا مورچہ فتح کر کے۔ آپ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ خدا تعالیٰ نے وہ کام مجھ سے لے لیا۔ یاد رکھئے جو خدا کیلئے مرنا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ میں نے کہا' اگرچہ میں آپ کی رپورٹ حضرت صاحب کے پاس نہیں کروں گا۔ مگر آپ نے سخت غلطی کی کہ اپنا مورچہ چھوڑ کر چلے آئے اور امام کے حکم کی نافرمانی کی۔ اب آپ صبح ہی وہاں پہنچ جائیں۔ انشاء اللہ حالات بدل گئے ہوں گے۔ شام کو میں پہنچوں گا مگر مجھ سے بات چیت اجنبیت کے رنگ میں کرنا۔ نہ کہ جان پہچان کی صورت میں۔ ادھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ احمد خاں بالکل تندرست ہو گیا۔ بخار جاتا رہا اور دمہ اس طرح دور ہوا۔ جیسے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ صبح ہی نہا دھو کر اپنی چوپال میں بیٹھا حقہ پی رہا تھا کہ ہمارے مولوی رحمت علی صاحب پہنچ گئے۔ احمد خاں نے دور سے دیکھا اور لپک کر مولوی صاحب کی طرف بڑھا یہ کہتا ہوا۔ آؤ مولوی صاحب آؤ۔

چوپال میں لے آیا اور سارا قصہ انہیں سنایا کہ اس اس طرح کل شام ایک سادھو آیا۔ اس نے خود ہی بیماری بتائی اور پھر دوائی دے کر بغیر کچھ لئے دیئے چلا گیا اور اب میں خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہوں۔ اس سادھو نے آپ کا ذکر بھی کیا تھا۔ اب آپ ہمارے پاس ہی رہیں اور کھانا بھی ہمارے پاس ہی کھایا کریں۔ مولوی صاحب یہ صورتحال دیکھ کر حیران ہو گئے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا جو اس گاؤں کو ارتداد کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کیلئے دکھایا گیا۔ حالانکہ دمہ کی بیماری بالکل ختم نہیں ہوا کرتی۔ کم ہو جاتی ہے۔ شام کو میں بھی جا پہنچا۔ احمد خاں بہت خوش ہوا اور کہنے لگا شاہ صاحب یہ مولوی صاحب تھے جن کو ہم مار مار کر نکال دیا کرتے تھے۔ خدا نے آپ کی مہربانی سے مجھے شفا بھی دے دی اور مولوی صاحب کو بھی بھیج دیا اور اب آپ بھی آ گئے۔ بس آج آپ ہمارے پاس ٹھہریئے۔ آپ کی دعوت ہے۔ میں نے کہا۔ میں تمہاری دعوت نہیں کھا سکتا۔ تم نے آریوں سے روپیہ کھا کر شدھ ہونے کی تیاری کر رکھی ہے اور اسلام جیسے پاکیزہ دین کو چھوڑ رہے ہو۔ اب چونکہ اس کو میرے ذریعہ ایک خطرناک بیماری سے نجات مل چکی تھی۔ اس لئے فوراً بولا۔ نہیں صاحب آریوں کی سسروں کی ایسی کی تیسی۔ اب وہ ہمارے گام میں ناہیں گھس سکت۔ اب ہم شدھ نہیں ہوں گے۔ آپ نے تو ہمیں بچا لیا۔

چنانچہ میں رات رہا اور صبح ہی خداوند خدائے قدوس کی حمد کے گیت گاتا ہوا فرخ آباد چلا آیا۔

الحمد لله ثم الحمدلله.

میری دو تصانیف

مجھے ہندو مذہب کا اب کافی مطالعہ ہو چکا تھا۔ کئی مناظرے بھی پنڈتوں سے کر چکا تھا۔ بھجن بازی بھی ہو رہی تھی۔ ان دنوں میں نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک ''کارزار شدھی'' جس میں اس علاقے کے حالات درج ہیں۔ دوسری ''نیوگ شاستر'' جس میں مسئلہ نیوگ پر روشنی ڈالی گئی ہے دونوں کتابیں کافی مقبول ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ پہلی کتاب حکیم محمد شفیع صاحب آف لاہور نے اور دوسری محمد یامین صاحب کتب فروش نے شائع کی۔

بعض لطائف

اس میدان میں بعض کچھ مزیدار اور پرلطف واقعات بھی ہوجاتے تھے۔

1- ایک دفعہ کسی گاؤں میں ایک پنڈت اپنی گڑوی پانی سے بھری ہوئی ایک جگہ رکھ کر کہیں چلا گیا۔ دوسری طرف سے ایک مبلغ آ گئے۔ نماز کا وقت قریب تھا۔ گڑوی اٹھا کر وضو کرنے لگے اچانک پنڈت واپس آگیا اور مولوی صاحب کو اپنی گڑوی سے وضو کرتا ہوا دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اونچی آواز سے کہنے لگا او مولوی تم نے ہماری گڑوی بھرشٹ کر دی۔ (خراب کر دی)

مولوی صاحب نے فوراً گڑوی اٹھا کر زمین پر دے ماری اور گرج کر بولے۔ او پنڈت یہ تمہاری گڑوی تھی۔ میرا تو وضو ہی بھرشٹ ہو گیا۔ اب پنڈت بڑا حیران ہوا اور اسے بجائے گڑوی کے وضو کا فکر پڑ گیا۔ دو چار لوگ کھڑے ہنسنے لگے اور پنڈت کھسیانا ہو کر گڑوی اٹھا کر ایک طرف چلا گیا۔

2- ایک دفعہ میں آریوں کے جلسہ میں گیا۔ ایک اسلام سے مرتد شدہ آریہ پنڈت بدھ دیو جو کہ پہلے غلام حیدر تھا۔ میرے پاس آ کر کہنے لگا۔ کیوں صاحب ایک سوال کا جواب دو گے۔ میں

نے کہا پوچھو۔ ارد گرد کافی ہجوم تھا اور سب ہندو۔ پنڈت نے پوچھا۔ تمہارے محمد صاحب ﷺ کا نکاح جب بی بی عائشہ سے ہوا تھا تو بی بی عائشہ کی عمر کتنی تھی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ تمہاری سیتا جی کی جس عمر میں شادی ہوئی تھی اس سے چار سال حضرت عائشہؓ بڑی تھیں۔ وہ یہ سن کر کہنے لگا۔ اچھا جی۔ میں نے کہا ہاں جی۔ وہ شرمسار ہو کر واپس چلا گیا۔ اصل میں اس کی غرض یہ تھی کہ یہ حضرت عائشہ کی عمر جب بتائے گا تو لوگ ہنسیں گے اور مخول کریں گے۔ لیکن چونکہ سیتا جی کی صرف 7 سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی اس لئے وہ میرا جواب سن کر شرمسار ہوا اور اپنی شرارت میں ناکام رہا۔

3- ہمارے ایک مبلغ فرخ آباد کے بازار میں جا رہے تھے کہ بارش آگئی کوئی جگہ بچاؤ کی نہ ملی۔ آگے گرجا گھر آگیا۔ وہ جھٹ اس میں جا گھسے۔ پادری صاحب کھڑے تھے انہیں کہنے لگے۔ کیوں میاں صاحب خدا کی رحمت سے بھاگتے ہو۔ مولوی صاحب نے جھٹ جواب دیا۔ پادری صاحب خدا کی رحمت سر پر برسی تو لے لی۔ جسم پر آئی تو لے لی۔ جب پاؤں پر پڑنے لگی تو گرجے میں آگیا کہ پاؤں اور گرجا نجس ہی ہیں۔

4- فرخ آباد کے ایک غیر احمدی مولوی غلام مصطفیٰ کسی گاؤں میں وعظ کرنے کیلئے گئے۔ اتفاق سے میں بھی ان کا ہم سفر تھا اور اسی گاؤں میں جا رہا تھا راستے میں مولوی صاحب کو میں مختلف طریق سے یہ سمجھاتا رہا کہ آریہ مسلمانوں کو مرتد کر رہے ہیں۔ اس وقت ہمیں متنازع فیہ مسائل میں نہیں الجھنا چاہئے اور مولوی صاحب میری تائید کرتے چلے جا رہے تھے۔

لیکن جب گاؤں میں پہنچے اور رات کو مولوی صاحب نے تقریر کی تو اپنی مولویانہ بدعادت پر اتر آئے۔ تقریر میں حاضری بہت زیادہ تھی۔ وہ سمجھے یہ سب لوگ ہمارے ساتھ پکے ہی ہیں حالانکہ نصف سے زیادہ گاؤں ہمارے زیر اثر تھا۔

مولوی صاحب نے کہا۔ دیکھو جی۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔ رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ مگر مرزا صاحب اپنے تئیں نبی بنتے ہیں۔ حالانکہ خاتم النبیین کے معنی ہیں نبیوں کو ختم کرنے والا۔

میں نے اٹھ کر کہا مولوی صاحب لفظ خاتم النبیین میں خاتم زبر کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی ختم

کرنے والا نہیں ہوتے۔ اگر زیر کے ساتھ یعنی خاتم ہوتا تو آپ کے معنی درست تھے۔

خدا کی شان۔ مولوی صاحب کہنے لگے۔ ہرگز نہیں خاتم کا لفظ قرآن پاک میں زیر کے ساتھ ہے اور لوگوں کو کہنے لگے۔ دیکھو مسلمانو۔ قادیانی اس طرح قرآن کے لفظ بدل بدل کر غلط معنی کرتے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ میں نے کہا مولوی صاحب اب فیصلہ آسان ہے اگر خاتم کا لفظ قرآن پاک میں زیر کے ساتھ ہو تو آپ سچے اور اگر زبر کے ساتھ ہو تو پھر آپ کو اعلان کرنا پڑے گا کہ قادیانی سچے ہیں اور میں نے جھوٹ بولا۔ مولوی صاحب کی عقل پر کچھ ایسے پردے پڑ گئے کہ اپنی بات پر پورا یقین کر کے مجھے چیلنج پر چیلنج دے رہے ہیں۔

آخر میں نے قرآن پاک منگوایا اور خاتم النبین والی آیت نکال کر مولوی صاحب کے سامنے کر دی اور اونچی آواز میں کہا۔ مولوی صاحب خاتم زبر کے ساتھ ہی ہے اور انشاء اللہ میں زبر ہی رہوں گا۔ آپ کہتے ہیں زیر کے ساتھ اور آپ انشاء اللہ زیر رہیں گے جب مولوی صاحب نے قرآن میں یہ آیت پڑھی تو پیشانی پر پسینے آنے لگے اور ڈھیلا منہ کر کے کہنے لگے۔ ہاں یہاں تو زبر ہی ہے۔ مگر بعض لوگ اسے زیر کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں پبلک میں شور پڑ گیا اور لوگ مولوی صاحب پر آوازے کسنے لگے۔ مولوی صاحب نے کھسک جانے میں ہی بھلائی سمجھی۔

5- ایک دفعہ ہم چند مبلغ جن میں سید ارشد علی صاحب لکھنوی بھی تھے۔ سڑک پر چلے جا رہے تھے پیچھے سے چند ہندو نوجوان بڑے تیز تیز چلتے ہوئے۔ ہم سے آگے نکل گئے۔ ارشد صاحب بھی ان کے ساتھ تیز تیز چلنے لگے۔ وہ ہندو یہ دیکھ کر کہ ایک مسلمان ہمارے ساتھ تیز تیز چلتا ہے۔ دوڑنے لگے ارشد صاحب بھی ساتھ دوڑنے لگے اور ان سے آگے نکل گئے اور پھر ان کے ساتھ کھڑے ہو کر تھاپ لگا کر کہنے لگے۔ دیکھا تمہیں پچھاڑ دیا ہم نے۔

ہم سب آہستہ آہستہ چل رہے تھے، ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے کہ ان کو کیا سوجھی۔ جب قریب پہنچے اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا کیا۔ اکڑ کر کہنے لگے اماں ان کافروں کو کسی میدان میں ہم آگے بڑھنے نہیں دیں گے۔

ارشد صاحب بہت مخلص احمدی تھے۔ بلکہ احمدیت کے عاشق زار تھے۔ بہت ہی زندہ دل تھے۔ یہ بھی تین ماہ کیلئے تبلیغ کے میدان میں آئے تھے اور انہوں نے بہت ہی اخلاص سے کام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

قنوج میں ایک عظیم الشان جلسہ
اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ایک عجیب واقعہ

قنوج ہندوستان میں ایک بہت پرانا اور مشہور شہر ہے۔ عطر کیلئے خاص طور پر شہرت رکھتا ہے۔ ضلع فرخ آباد کی تحصیل ہے۔ یہاں کے کچھ دیندار اور اسلام کا درد رکھنے والے مسلمانوں نے ایک بہت بڑا جلسہ شدھی کا اثر مٹانے کیلئے منعقد کرایا اور فرقہ وارانہ خیالات سے بالاتر ہو کر ہر عقیدے اور ہر خیال کے علماء اور مبلغین کو دعوت دی۔ کانپور، لکھنؤ، بریلی، دہلی اور آگرہ سے بڑے بڑے جید عالم بلائے گئے اور اس سلسلے میں مجھے بھی دعوت نامہ ملا۔ تاریخ مقررہ پر تین چار ہزار ملکانہ بھیا بھی آ گئے اور خوب ہجوم ہو گیا۔ علی گڑھ کالج کے پرانے طالب علموں نے اس جلسہ کے نظم و نسق میں بہت حصہ لیا اور بڑی دلچسپی دکھائی۔

جلسہ دو دن کیلئے تھا اتوار اور پیر۔ سب علماء کرام اور خاکسار ہفتہ کی شام کو قنوج پہنچ گئے۔ رات کو لکھنؤ کے مولانا عبدالوالی صاحب کی صدارت میں پروگرام بننے لگا۔ طے یہ پایا کہ ہر انجمن یا ہر فرقے کے مبلغ کو کم از کم ایک تقریر کا موقعہ دیا جائے۔ چنانچہ باری باری نام لکھے جانے لگے۔ جب جماعت احمدیہ کا ذکر آیا تو میرا نام لیا گیا۔ لیکن فرخ آباد کے ایک مولوی آل نبی نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ شخص (یعنی خاکسار اسلم) کوئی مولوی نہیں۔ نہ اسے کچھ آتا ہے۔ اس لئے اس کا نام نہ لکھا جائے۔ اس مجلس میں اس علاقے کے ایک مشہور اور بڑے دلیر رئیس راجہ ہادی یار خاں صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہماری جماعت کے کارناموں سے واقف تھے اور ذاتی طور پر میرے دوست بھی تھے۔ وہ بولے مولوی صاحبان، اسلم صاحب کا لیکچر ضرور رکھو۔ میں نے ان کے بیان (تقریر) سنے ہوئے ہیں۔ ملکانہ قوم کیلئے بڑے مؤثر

ہوتے ہیں۔ یہاں بھی میرا خیال ہے۔ ان کا بیان ہی سب سے زیادہ مؤثر اور کامیاب رہے گا۔ یہ ملکانہ زبان میں بولتے ہیں اور ان کے حسبِ حال باتیں بیان کرتے ہیں۔ بھجن بھی سناتے ہیں۔ مگر تعصب نے مولویوں کے دماغ معطل کر دیئے اور خاں صاحب کی بات نہ مانی۔ راجہ ہادی یار خاں چونکہ بہت بڑے آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی بے عزتی سمجھی اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ میں اس مجلس میں موجود نہ تھا۔ مگر یہ سارا واقعہ خاں صاحب نے مجھے آ کر بتا دیا۔

دوسرے دن اتوار کو صبح ہی خاں صاحب میرے پاس آئے۔ کہنے لگے جلسہ تو 9 بجے شروع ہو گا۔ مگر آپ کا بیان 8 بجے ہوگا۔ تیار رہئے۔ میں نے کہا خاں صاحب یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مولوی لوگ فساد کریں گے۔ کہنے لگے آپ فکر نہ کریں۔ ملّوں کی ایسی تیسی۔ ان کی یہ جرأت نہیں۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

پورے آٹھ بجے خاں صاحب آ کر مجھے پنڈال میں لے گئے۔ میں اپنے اسی سادھوآنہ لباس میں تھا۔ چار پانچ سو لوگ پنڈال میں بیٹھے تھے۔ خاں صاحب صدر بن گئے اور مجھے فرمایا اپنا بیان شروع کرو۔ میں نے تقریر شروع کر دی۔ چند منٹ بیان کرنے کے بعد میں نے ایک بھجن پڑھا۔ آواز بلند اور سریلی تھی۔ سنتے ہی ادھر ادھر سے لوگ بھاگے اور دیکھتے ہی دیکھتے پنڈال بھر گیا۔ میں نے پون گھنٹہ تقریر کی اور اس میں کئی بھجن بھی سنائے۔ موٹی موٹی باتیں ان کی عقل کے مطابق بیان کیں۔ اتنے میں مولوی صاحبان بھی تشریف لے آئے۔ وہ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ جلسہ قبل از وقت کیونکر شروع ہوگیا۔ مگر الٰہی تصرف تھا کہ کسی کو کچھ بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔

خاں صاحب نے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کی کہ بھیاّ ابھی بہت کچھ سنانا ہے اور نئے نئے بھجن بھی۔ مگر میرا اسماں (وقت) ختم ہوگیا ہے پھر اگر موقع ملا تو سنائیں گے۔ خاں صاحب کرسئ صدارت سے اٹھے اور بولے' لو مولوی صاحبان ہمارا جلسہ تو ختم ہوگیا۔ اب آپ اپنا اجلاس شروع کریں۔

مولوی عبدالوالی صاحب کرسی صدارت پر آ بیٹھے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوگئی۔ یہ اجلاس دو بجے تک جاری رہا۔ شام کو 5 بجے دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ میں اور خاں صاحب بھی سٹیج پر بیٹھے تھے۔ کارروائی شروع ہوئی ایک مولوی صاحب اٹھے اور تقریر کی۔ دوسرے اٹھے اور تقریر کی۔ جب تیسرے

اٹھے تو سارے ملکانوں نے شور مچا دیا کہ ہم کچھو ناہیں سمجھ سکت مولوی صاحب کا بکت ہیں۔ کل وارے جوگی صاحب کو اٹھاؤ ان کی باتیں سمجھ میں آوَت ہیں۔ یعنی ہم کچھ نہیں سمجھے کہ مولوی صاحب کیا بکتے ہیں۔ کل والے جوگی کو اٹھاؤ۔ خاں صاحب نے یہ سنتے ہی میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے میز کے قریب کھڑا کر دیا اور پبلک سے بولے کیا یہ جوگی صاحب بولیں۔ سب طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ ہاں' ہاں' یہی۔

میں نے تقریر شروع کر دی۔ نہ صدر صاحب نے مجھے روکا نہ کسی اور مولوی کو جرأت ہوئی۔ مگر اندر ہی اندر سب وِس گھولنے لگے۔ میں بولتا چلا گیا اور خوب بھجن سنائے۔ لوگ بہت خوش ہوئے کوئی پانچ چھ ہزار کا مجمع تھا۔ اپنی مرضی سے تقریر ختم کی اور ساتھ ہی یہ اجلاس بھی ختم ہوگیا اور جلسہ برخواست ہوگیا۔

دوسرے دن پیر کو پہلا اجلاس تو ملکانہ لوگوں نے صبر کے گھونٹ پی کر گزار دیا۔ مگر وہ شام کا اجلاس سننے کیلئے تیار نہ تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ مولوی صاحبان ملکانہ لوگوں کی عقل اور سمجھ کے مطابق نہ بولتے تھے۔ مشکل مشکل لفظ عربی فارسی کے شعر' قرآن پاک کی بڑی بڑی آیات' لمبی لمبی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ جن کو وہ لوگ سمجھ نہ سکتے تھے نہ تو انہوں نے اس قسم کے وعظ پہلے کبھی سنے اور نہ ہی مولوی صاحبان کو ایسے لوگوں میں وعظ کرنے کا موقع ملا۔ میرے دو لیکچر ہو چکے تھے۔ ان کا شہر میں ہر طرف چرچا ہوگیا۔ مشہور یہ ہوگیا کہ ایک نو مسلم سادھو آیا ہوا ہے۔ وہ خوب تقریر کرتا ہے۔ بس جادو بیان ہے۔ اس لئے شام کے آخری اجلاس میں شہر کے لوگ کثرت سے جلسے میں آ گئے اور بہت سے رئیس بھی اپنی اپنی بگھیاں لے کر پہنچ گئے۔ دس ہزار کا مجمع ہوگیا۔ مولانا عبدلوالی صاحب کی صدارت میں اس آخری اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت کے بعد ایک مولوی صاحب اٹھے اور تقریر شروع کی۔ پبلک نے اسے مجبوراً سن لیا۔ جب دوسرے مولوی صاحب اٹھے تو ایک طرف سے کسی نے اونچی آواز میں کہا۔ صاحبِ صدر ہم نے سنا ہے کہ ایک جوگی صاحب آئے ہوئے ہیں ان کو وقت دیں۔ ہم ان کا بیان سننے کیلئے آئے ہیں۔

صدر صاحب بولے جناب جوگی صاحب کے دو لیکچر کل ہو چکے ہیں۔ چونکہ ابھی بہت سے علمائے کرام رہتے ہیں اس لئے جوگی صاحب کو اب وقت نہیں مل سکتا۔ دوسرے کونے سے آواز آئی جناب

صدر علمائے کرام تو ہمیشہ ہی آتے رہتے ہیں مگر اس قسم کے جوگی تو کبھی کبھار ہی آتے ہیں اس لئے انہیں کھڑا کریں۔ ادھر ملکانوں نے شور مچا دیا۔ ہاں جی ہاں۔ جوگی صاحب کو کھڑا کریں۔ مگر اب صدر صاحب بھی اور سارے مولوی صاحبان اپنی ضد پر اڑ گئے۔ آدھ گھنٹہ شور رہا۔ آخر اس انجمن کا صدر جس نے جلسہ کرایا تھا۔ پہلوان خاں اٹھا اور مولوی صاحبان کو کہنے لگا بات یہ ہے مولوی صاحبان ہم نے یہ جلسہ اس لئے کرایا ہے کہ یہ شدھ ہونے والے ملکانے کچھ سمجھیں۔ ہم نے دو ہزار روپیہ صرف ان کی بھلائی کیلئے خرچ کیا ہے۔ اب یہ سب لوگ جوگی صاحب کی باتیں سننا چاہتے ہیں اور شہر کے معزز لوگ بھی یہی چاہتے ہیں کہ جوگی صاحب کچھ سنائیں۔ آپ ضد کیوں کرتے ہیں اس پر مولوی صاحبان ٹھنڈے ہو گئے اور راجہ ہادی یار خاں صاحب بڑے خوش ہو کر میرے پاس آئے کہنے لگے اٹھئے صاحب اور میں نے اپنا لیکچر شروع کر دیا۔

اس واقعہ کو یاد کر کے مجھے اتنا لطف آتا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ادنیٰ ترین خادم کو مولویوں نے حقیر سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیا تھا اور ایک تقریر کی بھی اجازت نہ دی تھی۔ مگر قربان جاؤں اللہ تعالیٰ کی اس دلداری پر کہ ایک کی بجائے تین تقریروں کا موقعہ دیا۔ اور لوگوں پر تقریروں کا سکہ بٹھا دیا اور بڑے بڑے جید علما کو ترمسار کر دیا۔ میں نے خدا تعالیٰ کی اس نصرت کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی۔

میری تقریر کا خلاصہ

پہلے میں نے ملکانہ زبان میں کچھ تقریر کی اور بھجن سنائے پھر سلیس اردو میں شہر کے معززین کیلئے۔ اسلام اور آریہ دھرم پر ایک مؤثر' مدلل اور خوش کن تقریر کی۔ ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ تکبیر کے نعرے گونجے اور دس ہزار کے مجمع پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سٹیج پر بیٹھے ہوئے معززین نے بھی اقرار کیا کہ ایسی تقریر ہم نے کبھی نہیں سنی۔ مولوی صاحبان منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھے تھے اور میں خدا تعالیٰ کے اس زندہ نشان کو دیکھ کر خوشی میں جھوم رہا تھا۔ کیونکہ من آنم کہ من دانم۔

اسلام اور آریہ دھرم کا میں نے ایسا کھول کھول کر مقابلہ کیا کہ اسلام سورج کی طرح چمکنے لگا۔

اور آریہ دھرم نجاست کا ڈھیر معلوم ہونے لگا۔ آواگون' نیوگ' روح و مادہ کے مسائل کو خوب واضح کیا۔ میں اس تقریر کو یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ احمدیوں کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے۔ البتہ ان لوگوں کیلئے یہ بالکل نیا بلکہ انوکھا مضمون تھا۔

یہ اس جلسہ کا آخری اجلاس تھا اور میرا لیکچر ختم ہونے کے قریب تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر میرے بعد مولوی صاحبان کو وقت مل گیا تو یہ ضرور میری تقریر کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے میں نے تقریر کے آخری حصے میں مسلمانوں کے ضمیر سے اپیل کی میدان ارتداد میں مسلمانوں کی بے کسی کا نقشہ کھینچا۔ شدھی کے خوفناک نظارے پیش کئے اور پھر بے دھڑک مولوی صاحبان پر برس پڑا کہ ایسے ہولناک حالات میں ہمارے حضرت مولوی صاحبان تعصب کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ شیعہ' سنی' اہل حدیث' قادیانی وغیرہ کے اختلافات پیش کر کے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر دشمن کے حوصلے بلند کر رہے ہیں۔ اسلام کے قلعے کو آگ لگ رہی ہے۔ اسلام کا باغ اجڑ رہا ہے۔ مولوی دشمن کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں دے رہے ہیں۔ تا کہ وہ آسانی سے توحید کے گلشن کو کاٹ کر پھینک دے۔ وہ دین جو ہمارے آباؤ اجداد نے گردنیں کٹا کٹا کر اپنے خون سے سینچا تھا۔ آج برباد ہو رہا ہے اور مولوی لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ اپنے حلوے مانڈے میں مست ہیں۔ اور ہم لوگ اتنی دور پنجاب سے آ کر گرمی میں سردی میں' ننگے سر' چنے چاب کر' پیدل چل چل کر' بعض اوقات بھوکے رہ کر بھی ارتداد کے سیلاب کو روک رہے ہیں۔ مگر مولوی ہمیں کام نہیں کرنے دیتے۔ ہمارے راستے میں روکیں پیدا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد میں نے بہ آواز بلند کہا احباب کرام تقریر ختم ہو گئی۔ یہ ہمارے جلسہ کا آخری اجلاس تھا۔ اور آخری تقریر' اب میں دعا کرتا ہوں۔ تمام احباب میرے ساتھ دعا میں شریک ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لئے اور تمام مجمع بھی دست بدعا ہو گیا۔ مولوی صاحبان نے بھی جبراً و قہراً ہاتھ اٹھا لئے۔ دعا لمبی ہو گئی آخر میں نے آمین کہی اور اعلان کر دیا۔ جلسہ برخواست ہوتا ہے۔ احباب اب جا سکتے ہیں۔ لوگ کھڑے ہو گئے مولوی صاحبان بادلِ نخواستہ اٹھے اور خاموش سے آہستہ آہستہ کھسک گئے۔

اب پبلک میں شور اٹھا کہ ہم مولانا سے (خاکسار سے) مصافحہ کرنا چاہتے ہیں۔ والنٹیرز نے مجھے اسٹیج کے کنارے پر کھڑا کر دیا اور دو طرفہ لائن باندھ کر لوگوں کو قطار میں مصافحہ کرنے کا موقع دیا۔ سارے مجمع نے مصافحہ کیا۔ دو گھنٹے اس میں لگ گئے۔ اس نظارے کو دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری

ہو گئے اور روح آستانِ خداوندی پر سجدہ ریز ہوگئی۔ خداوند تعالیٰ نے ایک یتیم بچے کو احمدی بنا کر اتنا نوازا۔ اتنا نوازا کہ اس کا لاکھواں حصہ بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

خاں صاحب عبدالباقی خاں

مصافحہ ہوتا رہا' ہوتا رہا' سب سے آخر میں ایک بوڑھے دوست عبدالباقی خاں صاحب تاجر عطر تشریف لائے۔ پرنم آنکھوں' لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ مولانا میری ایک خواہش ہے آپ پوری کریں تو آپ کی کرم نوازی ہوگی۔ میں نے عرض کیا۔ فرمائیے میں حاضر ہوں۔ کہنے لگے۔ میری یہ خواہش ہے کہ آپ تھوڑی دیر کیلئے میرے غریب خانے پر تشریف لے چلئے۔ آپ کے مبارک قدم خاکسار کیلئے ایک نعمت ثابت ہوں گے۔ میں اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا اگر میری درخواست منظور ہو جائے۔ میں نے عرض کیا خاں صاحب میں حاضر ہوں یہ تو بہت معمولی بات ہے۔ خاں صاحب بہت خوش ہوئے اور مجھے اپنی فٹن میں لے کر اپنی کوٹھی پر پہنچے۔ ایک پرتکلف بنگلہ' صاف ستھرے کمرے اور ضروری سامان سے پر۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی۔ ایک وسیع ہال میں جس کے فرش پر چاندنی بچھی ہوئی تھی اور حاشیے پر گاؤ تکئے ٹکے ہوئے تھے ہم لوگوں کو بٹھا دیا۔ کچھ لوگ اور بھی مدعو تھے۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مجھے سینٹر میں جگہ دی گئی۔

اب خاں صاحب نے روح گلاب چھڑکا۔ جس سے سارا کمرہ مہکنے لگا۔ پھر ایک دوسرا کمرہ کھول دیا جو گلاب کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ بس پھر کیا تھا خوشبو سے ساری مجلس معطر ہوگئی۔ یہ سب کچھ کر کے خاں صاحب بولے مولانا میں ایک خاص بات پوچھنے کیلئے آپ کو یہاں لایا ہوں۔ چند دن ہوئے میں نے ایک مولوی صاحب کو اس علاقے میں تبلیغ کیلئے بلایا۔ وہ صاحب آئے مگر ایک ہفتہ تک ہمارے پاس ہی بیٹھے رہے اور کھاتے پیتے رہے۔ ایک دن میں نے عرض کیا۔ مولانا آپ تبلیغ کا کام شروع کر دیں آپ کو آئے ہوئے کافی دن گزر چکے ہیں۔ فرمانے لگے۔ اوہو میں تو بھول ہی گیا تھا۔ بہت اچھا۔ آپ ایک گھوڑا منگوا دیجئے اور ایک ہفتہ کیلئے کھانے پینے کا سامان' میں کل تو نہیں پرسوں سے اپنا دورہ شروع کر دوں گا۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر آجایا کروں گا اور کھانے پینے کا سامان بھی آکر لے جایا کروں گا اور کچھ آرام بھی کر لیا کروں گا۔ خان صاحب نے کہا میں بڑا حیران ہوا یہ کیسی تبلیغ ہے۔ میں نے مولوی

صاحب سے عرض کیا۔ مولوی صاحب تبلیغ اس طرح گھوڑوں پر چڑھ کر اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لاد کر نہیں ہوا کرتی۔ تبلیغ تو قادیانی کرتے ہیں۔ پیدل چل کر' بھوکے رہ کر' مولوی صاحب نے کہا۔ قادنیوں کو میں جانتا ہوں۔ ان کا ایک آدمی فرخ آباد میں رہتا ہے۔ اسلم' اسلم کہتے ہیں اسے۔ وہ مسمریزم جانتا ہے۔ وہ گاتا بجاتا بھی ہے۔ اس کے پاس ایک باجا ہے۔ بس باجا بجا کر اور مسمریزم کر کے اپنا اثر جما لیتا ہے۔ یہ ہے ان کی تبلیغ۔

خان صاحب نے کہا۔ میں نے مولوی صاحب کو تو نذرانہ دے کر رخصت کیا۔ مگر ان کی یہ بات دریافت طلب رہی۔ اتفاق سے آپ ہمارے شہر میں تشریف لے آئے۔ سنا ہے آپ قادیانی ہیں اور اسلم نام ہے آپ کا۔ ذرا بتایئے تو یہ مسمریزم اور باجے کا کیا قصہ ہے۔ میں ہنس پڑا عرض کیا خاں صاحب میرا باجا اور مسمریزم تو آپ نے خود آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کے سوا تو میرے پاس کچھ نہیں۔ سب لوگ ہنس پڑے۔ خاں صاحب نے حاضرین کی خاطر تواضع کی اور عزت کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ.

اب آپ غور فرمائیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اس مشتِ خاک پر نہیں۔ کہاں تمام ہندوستان کے جیّد علما۔ کہاں جماعت احمدیہ کا ایک ادنیٰ ترین نالائق سا بے علم خادم۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کس طرح اسے نوازا اور کس طرح مولویوں کو رسوا کیا اور پچھاڑا۔

ایک سخت معرکہ

احمدی مجاہدین کے مکان کا مسلح محاصرہ اور آریہ سور بیروں کا ناکام حملہ

دردناک مگر دلچسپ حقائق

فرخ آباد میں میرا دفتر عین مین بازار جامع مسجد کے قریب ایک چوبارے پر تھا۔ اس چوبارے کے دائیں طرف ایک مندر بائیں طرف ایک ہندو کا مکان تھا اور پچھواڑے بھی ہندو آبادی تھی۔ نیچے کی سب دکانیں ہندوؤں کی۔ ایک آدھ مبلغ میرے پاس کسی کام کیلئے آ کر ٹھہرا ہی رہتا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ اتفاق سے تین مبلغ میرے پاس آئے ہوئے تھے۔

محمد یامین صاحب کتب فروش، محمد عامل صاحب بھاگلپوری، محمد ایوب خان طالب علم سکول قادیان ساکن ضلع ہزارہ۔

شام کے وقت محمد یامین صاحب ایک راجپوت 25 سالہ نوجوان جگدمبا سنگھ کو میرے پاس لائے کہ یہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ اس نوجوان نے مجھے بتایا کہ میں اجودھیا کا رہنے والا ہوں۔ دیر سے اسلام کا مطالعہ کر رہا ہوں ایک ماہ سے میں نے ہمدم اخبار لکھنؤ میں اشتہار دے رکھا ہے کہ کوئی پنڈت مجھے سمجھائے کہ اسلام کے بالمقابل ہندو دھرم سچا ہے۔ ورنہ ایک ماہ کے بعد میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ مگر آج تک کسی نے مجھے سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ اب میں بہ رضا و رغبت مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔

راجہ تروا کے مصاحب سورج نرائن کی آمد

گرمی کا موسم تھا، ہم سب چوبارے کی چھت پر چٹائیوں پر لیٹے ہوئے تھے کہ مغرب کے بعد ایک باسلیقہ اور خوش پوش شخص اجازت لے کر اوپر آیا اور بولا میں جگدمبا سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا تشریف رکھئے۔ فرمائے جگدمبا سنگھ سے آپ کو کیا کام ہے۔ کہنے لگا سنا ہے وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ اس نے اشتہار دے رکھا ہے کہ کوئی ہندو مجھے سمجھائے میں اسے ہندو دھرم کی سچائی بتلانے آیا ہوں۔

میں نے کہا اس نے اخبار میں یہ بیان دیا ہے کہ اسلام میں بڑے بڑے بزرگ ہر زمانے میں آتے رہتے ہیں جو کہ اسلام کی حفاظت کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ یعنی جو غلطیاں بعض لوگ اس میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کو یہ لوگ درست کر دیتے ہیں مگر ہندو دھرم میں ایسا کوئی نظام نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہندو دھرم میں بھی ایک اوتار کلنکی بھگوان آنے والا ہے۔ وہ ہندو دھرم کی سہائتا (مدد) کرے گا۔

میں نے کہا وہ کب آئے گا اس کی علامات کیا ہیں۔ اس نے کہا۔ میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آپ جگدمبا سنگھ سے مجھے ملا دیں۔ میں نے کہا آپ کون صاحب ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ کہنے لگا میرا نام سورج نارائن ہے۔ میں راجہ صاحب تروا کا مصاحب ہوں۔

میں نے کہا افسوس ہے کہ میں جگدمبا سنگھ کو آپ سے اس وقت نہیں ملا سکتا۔ اس پر وہ آداب عرض کہہ کر چلا گیا اور ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر سب مع جگدمبا سنگھ کے چٹائیوں پر سو گئے۔

ہمارا محاصرہ

رات کے قریباً دو بجے کا وقت ہوگا کہ نیچے بازار میں ایک موٹر کی گڑگڑ کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ اٹھ بیٹھا۔ اور چھجے پر سے نیچے دیکھا تو حیران ہو گیا کہ ایک موٹر سے چھ سات آدمی اتر کر ہمارے نیچے کی دکانوں میں چھپ گئے۔ اس کے بعد موٹر چلی گئی میں بیٹھا سوچنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ابھی پندرہ منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ موٹر پھر آئی اور وہ چھ سات آدمیوں کو اتار کر پھر واپس چلی گئی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو جگایا اور صورتحال سے آگاہ کیا۔

ابھی ہم سوچ بچار کر ہی رہے تھے کہ یہ کیا مصیبت ہے کہ موٹر نے آ کر پھر چھ سات آدمی اتار دیئے۔ یہ سب لوگ نیچے کی دکانوں میں چھپتے رہے۔ آخر ہم سمجھ گئے کہ یہ حملہ کر کے جگد مبا سنگھ کو زبردستی لے جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہم بھی چوکنے ہو گئے۔ جگد مبا سنگھ بے خبر سویا پڑا تھا۔ پہلے ہم چاروں نے مل کر دعا کی کہ اے ہمارے قادرِ مطلق خدا اور اے ہمارے محافظ تو ہی ہماری اس وقت مدد فرما۔ ہم دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ہمارا فعل تیرے سامنے ہے' تو ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور اس بڑے فتنے سے نجات بخش۔

یہ دعا کر کے ہم نے بموجب ارشاد نبویؐ کہ اونٹ کا گھٹنا باندھ اور توکل کر' کچھ مقابلے کا انتظام بھی کیا۔ نیچے 60-70 آدمی جمع ہو چکے تھے اور ان کو یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ ہم لوگ بیدار ہو چکے ہیں اور کچھ حرکت بھی ان میں ہو رہی ہے۔

میں نے محمد یامین صاحب کو مندر کی طرف دیوار پر بٹھا دیا کہ اس طرف سے کوئی نہ آ گھسے۔ محمد عامل بھاگلپوری کو ہندو مکان کی طرف اور محمد ایوب خاں صاحب کو سیڑھیوں پر تا کہ دروازہ توڑ کر کوئی اندر نہ آ سکے۔ میں چھت پر کھڑا ہو گیا کہ جب یہ لوگ حملہ کریں گے میں سیٹی بجا دوں گا تم سب اپنی اپنی جگہ تیار ہو جانا۔ اب بظاہر ہمارا یہ انتظام کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی تھی۔ ورنہ چار آدمی 60-70 کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ لاٹھیوں' بلموں اور تلواروں سے مسلح بھی ہوں۔

اب ان لوگوں نے آخری وسل دیا اور حملہ کی تیاری کی' لیکن وسل کے ساتھ ہی ایک طرف سے چار سپاہی اور ایک سارجنٹ راؤنڈ کرتے ہوئے آ نکلے۔ جنہیں دیکھ کر یہ لوگ پھر دکانوں میں جا گھسے کہ یہ سپاہی گزر جائیں تو حملہ کیا جائے۔ رات کے قریباً چار بج چکے تھے۔ اس لئے یہ لوگ جلدی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ ادھر خدا تعالیٰ ہمارے بچانے کی تدبیر کر چکا تھا۔ پولیس کی یہ پارٹی جب قریب آئی تو اچانک سارجنٹ کی نظر ہماری چھت پر پڑی۔ اس نے ایک آدمی کو ایسے وقت میں چھت پر جو کھڑے دیکھا تو زور سے پکارا۔ اوپر کون کھڑا ہے۔ مجھے دھندلکے میں بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ یہ پولیس ہے یا دشمن کے ہی آدمی ہیں۔ مگر اس کی آواز کے انداز سے میں نے یہی سمجھا کہ یہ پولیس کا آدمی ہے۔ میں نے بھی زوردار آواز سے پوچھا۔ آپ پولیس کے آدمی ہیں۔ کہنے لگا۔ ہاں۔ میں نے کہا پھر آپ ہمارے مکان کے نیچے

ٹھہریں۔ ہم اس وقت سخت خطرے میں ہیں اور بہت سے لوگوں نے ہمارے مکان کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ میں یہ کہہ کر نیچے اترنے لگا۔ مگر میرے ساتھیوں نے مجھے پکڑ لیا کہ نیچے خطرہ ہے۔ آپ نیچے نہ اتریں۔ میں نے کہا کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے نیچے اتر کر پولیس کو صورتحال سے آگاہ ضرور کرنا چاہئے۔ آپ اندر سے زنجیر لگا لیں۔ یہ کہہ کر میں نیچے اتر کر بازار میں آ گیا اتفاق کی بات تھی اور دراصل اللہ تعالیٰ کا فضل کہ وہ سارجنٹ (احمد حسین) مسلمان تھا اور سپاہی بھی مسلمان۔ اگر ہندو پولیس ہوتی وہ ہماری ایک نہ سنتی۔ بلکہ لینے کے دینے پڑ جاتے۔ احمد حسین سارجنٹ نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ کہنے لگے۔ مولوی صاحب کیا معاملہ ہے۔ میں نے اسے سارا قصہ بتایا۔ اس نے ایک ہندو کو جو کہ باہر دکان کے تھڑے پر بیٹھا ہوا صورتحال کی نگرانی کر رہا تھا۔ گرفتار کر لیا۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے پریشان ہو کر کہا کہ ہمیں تو راجہ صاحب تروا کا حکم ہے کہ اس جگہ بیٹھ کر پہرہ دو۔

اب معاملہ میری سمجھ میں بھی آیا کہ اس سارے معرکے میں راجہ تروا کا ہاتھ ہے۔ اس کی کوٹھی یہاں سے تین منٹ پر فتح گڑھ چھاؤنی فرخ آباد میں تھی اور وہیں سے یہ موٹر آدمیوں کو لا دلا د کر لاتی تھی۔

معاملے کی نازک صورتحال کو دیکھ کر احمد حسین سارجنٹ سپاہیوں کو وہاں کھڑا کر کے فوراً کوتوالی گیا جو کہ صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھی۔ خدا تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہوا کہ اس وقت اصل کوتوال تو چھٹی پر تھا اور قائم مقام ایک مسلمان عبدالرّب لگا ہوا تھا۔ جو کہ فوراً سپاہیوں کی ایک گارد لے کہ موقعہ پر پہنچ گیا۔ اب ہندو حملہ آوروں نے سوچا کہ اندر چھپے رہنا بے کار ہے۔ پولیس کافی آ گئی ہے۔ سب باہر نکل آئے اور ایک شخص آگے بڑھ کر کوتوال صاحب کے پاس آ کر رونے لگا کہ میرے لڑکے کو یہ مولوی زبردستی مسلمان بنانے کو دھوکے سے لے آئے ہیں۔ میری مدد کریں۔ کوتوال نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے سچ سچ جو واقعہ تھا بتا دیا۔ کوتوال صاحب کہنے لگے کہ میں لڑکے سے خود دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اسے کٹہرے پر ہی ہمارے سامنے کر دیں۔ کوتوال صاحب کا منشا یہی معلوم ہوتا تھا کہ اگر لڑکا واقعی سچے دل سے مسلمان ہونا چاہتے ہے تو اسے ہندوؤں کے ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ اب دن چڑھ چکا تھا۔ میں نے محمد یامین صاحب کو نیچے سے ہی آواز دے کر کہا وہ جگد مبا سنگھ کو باہر کٹہرے پر کھڑا کر دیں۔ کوتوال صاحب اس سے کچھ دریافت کریں گے۔ شور پڑ رہا تھا۔ محمد یامین صاحب اچھی طرح سمجھ نہ سکے اور لڑکے

کو نیچے سڑک پر بھیج دیا۔ ہندوؤں نے اسے فوراً ہی اٹھالیا اور ایک گلی میں لے گئے۔ پولیس کو خبر بھی نہ ہوئی اور ہم بھی سب حیران ہو گئے۔ آخر کوتوال صاحب نے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں کوتوالی میں لے گئے۔ ہم چاروں آدمی بیٹھ کر بہت افسوس کرنے لگے۔ لیکن جو قدرت کو منظور تھا۔ وہ ہو گیا اور ہمیں ایک سبق بھی مل گیا۔ کیونکہ ہم نے جو دعا کی تھی وہ منظور ہو گئی۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ہمیں بچالیا۔ کاش کہ ہم اس وقت یہ دعا بھی کرتے کہ لڑکا بھی ہمارے پاس رہے۔

تمام واقعہ کی رپورٹ قادیان حضرت صاحب کی خدمت میں اور ملک کے مسلم پریس میں دے دی گئی۔ دوسرے دن جلی سرخیوں سے سرورق اخباروں میں چھپ گیا۔

''احمدی مبلغین کا محاصرہ''

جگدمبا سنگھ کی تلاش

اس واقعہ کا چرچا فرخ آباد کے کوچے کوچے میں ہو گیا۔ بہت سے مسلمان میرے پاس بھی آئے اور کہنے لگے۔ کہ آپ نے ہمیں پہلے سے کیوں اطلاع نہ دی۔ ہندوؤں کی ایسی کی تیسی۔ وہ کبھی بھی اس لڑکے کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکتے تھے۔

ایک دردمند اور خیر خواہ مسلمان عبدالواحد خاں ہمارا دفتر اپنے وسیع احاطے میں لے گئے جو کہ محلہ خنک پورہ میں تھا۔ حضرت صاحب کو جب میری رپورٹ ملی تو آپ نے مجھے لکھا کہ اس لڑکے کو تلاش کر کے واپس لانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ میں ایک ماہ ٹھہر کر اس کی تلاش میں نکلا۔ میرے ساتھ شیخ بشیر احمد صاحب محترم ایڈووکیٹ لاہور بھی ہو لئے۔ اس وقت جناب شیخ صاحب ابھی زیر تعلیم تھے اور تین ماہ کیلئے میرے حلقے میں تبلیغ پر آئے ہوئے تھے۔

جگدمبا سنگھ کا ایڈریس میرے پاس تھا۔ ہم دونوں خدا تعالیٰ کا نام لے کر فرخ آباد سے چل پڑے پہلے لکھنؤ پہنچے اور امین آباد پارک میں سیٹھ خیر الدین صاحب اور ارتضٰی علی صاحب کے مکان پر ٹھہرے دو چار دن کیلئے ان دوستوں نے ہمیں زبردستی ٹھہرالیا اور ڈاکٹر زبیر صاحب نے ہمیں لکھنؤ کے مشہور تاریخی مقامات کی سیر کروائی۔ شیعہ حضرات کا مشہور امام باڑہ بھی دکھایا۔ چند دن کے بعد ہم نے ان

دوستوں کو اپنا پروگرام بتایا اور رخصت لے کر دعا کر کے آگے بڑھے۔ فیض آباد پہنچ کر میں نے شیخ صاحب محترم کو تو وہیں چھوڑا۔ شیخ صاحب کے والد محترم جناب شیخ مشتاق حسین صاحب کے ایک دوست یہاں پر تھے۔ ان کے پاس شیخ بشیر احمد صاحب ٹھہر گئے اور میں آگے چل پڑا۔

فیض آباد مسلمانوں کا آباد کردہ شہر ہے۔ اور خوب بارونق ہے۔ اس کے پانچ میل پر ہندوؤں کا مقدس شہر اجودھیا ہے جو بہت پرانا ہے اور راجہ رام چندر جی کا وطن ہے۔ میں پیدل ہی آہستہ آہستہ فیض آباد سے اجودھیا پہنچا۔ اس علاقے میں بندر بے شمار ہیں ہندو لوگ ان کو رام چندر جی کی فوج سمجھتے ہیں۔ انہیں مارنا جرم ہے۔ اس لئے ان کی کثرت ہے اور یہ لوگوں کو بے حد پریشان کرتے رہتے ہیں۔ پانچ میل برابر سڑک کے دونوں طرف درختوں پر اور نیچے بندروں کی ٹولیاں پھر رہی تھیں اور کبھی کبھی راہ گیروں سے ان کی چھیڑ چھاڑ بھی ہو جاتی تھی۔ آخر اجودھیا کا شہر دکھائی دیا۔ جب میں شہر میں داخل ہونے لگا تو ایک سادھو جوگیانہ لباس میں ماتھے پر تلک لگائے ہوئے مجھے ملا۔ اور آگے بڑھ کر بولا۔ ڈنڈوت کرت ہوں' ڈنڈوت فرشی سلام کو کہتے ہیں۔ اس نے بہت جھک کر مجھے سلام کیا اور میں نے اسے جواب دیا۔

''چرنجیت رہو'' یعنی جیتے رہو۔ میں بھی بدستور جوگیانہ لباس میں تھا۔ اس نے اس لئے میری بڑی عزت افزائی کی۔ علیک سلیک کے بعد کہنے لگا مہاراج آپ اجودھیا کے پوتر استھانوں (پاک جگہوں) کے درشن کریں گے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ چنانچہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلا۔ پہلے وہ رام چندر جی کے سنگھاسن (تخت گاہ) پر لے گیا۔ وہاں ایک وسیع کمرے میں ایک تخت پر رام چندر جی ان کی بیوی سیتا جی اور ان کے بھائی لچھمن جی کے قد آدم بت نصب تھے۔ اس سادھو نے مختصراً اس کا حال بتایا اور آگے چل دیا۔ چلتے چلتے ہم ایک احاطے میں داخل ہوئے۔ جس میں ایک مسجد اورنگ زیب کی بنائی ہوئی موجود تھی اور اس کے ساتھ ہی سیتا رسوئی (سیتا کا باورچی خانہ) کی یاد میں کچھ چیزیں بنا رکھی تھیں۔ مثلاً چولہا' توا' وغیرہ۔ میں نے مسجد کے اندر جا کر بھی دیکھا اور اس کی دیوار پر لکھ دیا۔ اے مسلمانو امام مہدی' قادیان ضلع گرداسپور پنجاب میں آ گئے ہیں۔

پھر ہم یہاں سے نکل کر آگے بڑھے اور ایک چھوٹے سے قلعہ نما عمارت میں پہنچے سادھو نے بتایا۔ یہ ہنومان کی گڑھی ہے (قلعہ) ہنومان رام چندر جی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ غرض اس نے مجھے بہت

سی اس قسم کی جگہیں دکھائیں۔ وہ سادھو میرے متعلق حیران تھا کہ یہ بتوں کے آگے سر نہیں جھکاتا اور نمسکار نہیں کرتا (سلام) آخر اس نے مجھ سے پوچھ ہی لیا۔ کہنے لگا مہاراج آپ ان مہاپرشوں کو (بڑے لوگوں) نمسکار کیوں نہیں کرتے۔ میں نے فوراً ہی بلا جھجک جواب دیا تم تو مورکھ ہو۔ یہ مہاپرش تو ہمارے ہردے میں بس رہے ہیں۔ ہمارا من ہی ان کو نمسکار کرتا ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

وہ ڈر گیا۔ کہنے لگا مہاراج کھِما کرو (رحم کرو) ہم تو سنسار کے بندے ہیں۔ آپ کی پدوی (مرتبہ) بہت اونچی ہے۔ میں نے اسے کچھ پیسے دیئے اور رخصت کیا۔

اجودھیا میں بہت پرانا قلعہ اب تک موجود تھا اور ایک نہایت خوبصورت نیا قلعہ موجودہ راجے نے بنا رکھا تھا۔ اسے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اس کے صدر گیٹ پر گورکھا سپاہیوں کی ایک گارد متعین تھی اور اوپر نقار خانہ۔ مَیں دروازے میں گھسنے لگا تو ایک سپاہی دوڑا آیا اور میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ مہاراج اندر جانے کا حکم نہیں۔ میں نے ذرا تندی سے جواب دیا۔ کس کا حکم نہیں۔ اس نے کہا مہاراجہ بہادر کا۔ میں نے کہا کون مہاراجہ۔ ہم خود مہاراج ہیں۔ جب اس نے مجھے یوں سختی سے بولتے دیکھا تو ڈر گیا۔ ادھر اس دستہ کا انچارج بھی یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے اونچی آواز میں سپاہی سے کہا ان کو جانے دو اور تم واپس آجاؤ۔

بات یہ تھی کہ اس علاقے میں سادھوؤں کا بے حد احترام تھا اور ان سے لوگ ڈرتے تھے۔ بہرحال میں اندر چلا گیا۔ بے شمار مکانات' باغ' باغیچے میں نے دیکھے۔ چلتے پھرتے میں نئے قلعے کے سامنے جا پہنچا۔ سہ منزلہ کٹہرے دار نہایت شاندار' وسیع محل تھا۔ سامنے پائیں باغ جس کی تراش خراش نہایت دلکش۔ ایسا پر فضا نظارہ دیکھ کر میں بے اختیار ہو گیا۔ محل کے سامنے باغ میں ٹھنڈی گھاس پر اپنی گڑوی اور جھولا رکھا اور لمبی تان کے بڑے اطمینان سے لیٹ گیا۔ راجہ صاحب تو کہیں باہر دورے پر تھے۔ البتہ رانیاں چمک دمک کی ساڑھیاں اور زرق برق لباس پہنے ہوئے کٹہروں میں ادھر ادھر پھرتی نظر آرہی تھیں۔ وہ دور سے مجھے دیکھ کر جھک کر پرنام کرتیں اور میں انہیں ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتا

جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ وہ بہت خوش ہیں کہ ایک سادھو مہاتما ہمارے محل میں براجمان ہے۔ ہمارے دھن بھاگ کہ ان کے چرنوں سے ہمارا استھان پوتر ہوا۔

کچھ دیر آرام کر کے اٹھا اور سادھو پھرتا پھراتا قلعے سے باہر نکل آیا۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی نوازشیں تھیں جو خاکسار پر ہو رہی تھیں ورنہ کہاں راجہ بھوج اور کہاں لنگڑا تیلی مار مار کر میرا بھرکس نکال دیا جاتا اور کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوتا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت تھی اور خدمتِ دین کے شیریں پھل۔

میں نے باہر آ کر اپنا سفر پھر شروع کیا اور اجودھیا سے بذریعہ ریل ٹنڈولی کے اسٹیشن پر اترا۔ یہ ایک بارونق قصبہ ہے اور مسلمانوں کی بھی کافی آبادی اس میں ہے اجودھیا میں تو بہت تھوڑے سے مسلمان دیکھے گئے۔

ٹنڈولی کی ایک مسجد میں مَیں نے ڈیرہ لگا لیا کیونکہ سورج غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت باقی تھا رات کو مسجد کے مولوی صاحب کو میں نے اپنا مقصد بتایا کہ میں ایک لڑکے کی تلاش میں آیا ہوں جو دل سے مسلمان ہو چکا ہے اور اسے ہندو زبردستی اٹھا لائے ہیں۔ نیز شدھی کا مختصر قصہ اور جماعت احمدیہ کی تبلیغی جدوجہد کا ذکر بھی کیا۔ وہ مولوی صاحب میری باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی طرف سے ہر قسم کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ رات بسر کر کے صبح ہی میں مولوی صاحب سے رخصت ہوا۔ مجھے ابھی چند میل پیدل چلنا تھا۔ جس گاؤں میں جگد مبا سنگھ تھا یا اس کا ہونا ممکن تھا اس کا نام نرولی تھا۔ میں شہر سے نکل کر ریلوے لائن کراس کرنے لگا تو ریلوے چوکی کے جمعدار نے مجھے پرنام کیا اور پوچھا۔ مہاراج کہاں سے آنا ہوا۔ میں نے جواب دیا۔ سادھوؤں کا آنا جانا ہی رہتا ہے۔ کہاں سے بتاؤں۔ کوئی ایک ٹھکانہ نہیں۔ پرماتما کی دھرتی پر ہم لوگ چلتے پھرتے ہی رہتے ہیں۔ وہ بولا۔ مہاراج آپ برا نہ مانیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ خفیہ پولیس کے آدمی ہیں اور فوج سے بھاگے ہوئے کسی آدمی کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ یہ خیال اللہ تعالیٰ نے ہی اس کے دل میں ڈالا جو میرے لئے مفید ثابت ہوا اور دراصل بات بھی کس قدر ٹھیک ہی تھی۔ کیونکہ میں سادھو کے لباس میں کسی بھاگے یا بھگائے ہوئے کی تلاش ہی میں تو نکلا تھا۔ میں نے اسے فوراً جواب دیا۔ ٹھیک ہے دیکھو تم بھی سرکاری آدمی ہو اور ہم بھی۔ یہ راز کسی اور کو نہ بتلانا اور اس

کام میں ہماری مدد کرنا گورنمنٹ تم کو بہت کچھ انعام دے گی۔ وہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا۔ آؤ مہاراج اندر چوکی میں چل کر بیٹھیں۔ اندر لے جا کر مجھے کہنے لگا۔ مہاراج اگر میں آپ کی مدد کروں تو مجھے کیا انعام ملے گا۔ میںؓ نے کہا۔ بس پوچھو مت' بہت انعام ملے گا۔ کہنے لگا کچھ زمین یا نقد روپیہ۔ میں نے کہا تم مورکھ ہو۔ زمین یا روپیہ کیا چیز ہیں۔ ہماری سرکار بہت بڑی ہے بہت کچھ دے گی کہنے لگا۔ مہاراج آپ کی فوج کا کیا نام ہے۔ میں نے کہا۔ روحانی فوج۔

یہ ٹھیٹھ ہندی علاقہ تھا۔ یہاں خالص اردو' عربی' فارسی الفاظ نہ بولے جاتے تھے' نہ سمجھے جاتے تھے' ہندی زبان تھی۔ اس لئے وہ مطلق نہ سمجھا روحانی فوج کے کیا معنی ہیں۔ اس نے یہی خیال کیا کہ یہ واقعی کسی فوج کا نام ہوگا۔

اس نے پھر پوچھا۔ مہاراج آپ کی پلٹن کا کیا نمبر ہے۔

میں نے کہا۔ نمبر چودہ (14)۔

یہ لفظ بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ مگر ٹھیک نکلا' کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور آپ کی جماعت چودھویں روحانی پلٹن ہی ہے۔ تیرہ روحانی پلٹنیں پہلے تیرہ مجدد بنا گئے۔

اس کے بعد میں نے اسے کہا۔ اگر ہمارا آدمی مل گیا تو تمہارا یہ کام ہوگا کہ اسے اپنے پاس چھپا لینا۔ بشرطیکہ ضرورت پڑی۔ اس نے وعدہ کیا اور میں اس سے رخصت ہو کر چل پڑا۔ چلنے سے قبل میں نے اس سے سامنے نظر آنے والے چند دیہاتوں کے نام پوچھے اور پھر نرولی کا۔ چلتے چلتے میں اپنی منزل مقصود پر جا پہنچا۔ میں نے بڑی احتیاط سے پہلے گاؤں کا چکر لگایا کیونکہ اگر کوئی ایسا شخص مل جاتا جس نے مجھے فرخ آباد بھی دیکھا ہوتا تو جان کی خیر نہ ہوتی میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ کسی عورت کے ذریعہ جگد مبا سنگھ کا پتہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک عورت میدان میں بیٹھی گوبر کے اپلے تھاپ رہی تھی۔ میں اس کے پاس جا کر بے دھیان کھڑا ہو گیا۔ اس نے جو مجھے دیکھا فوراً گوبر سے ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی اور مجھے جھک کر پرنام کیا۔ میں نے کہا چرنجیت رہو (جیتی رہو) اس کے بعد مندرجہ ذیل گفتگو اس کے ساتھ ہوئی۔

میں : یہ کن لوگوں کا گام ہے۔

وہ : یہ مہاراج ٹھاکرن لوگن کا ہے۔

میں : اس میں کتنے نمبردار ہیں۔

وہ : مہاراج چار نمبردار ہیں۔

میں : ان کے کیا نام ہیں' اس نے نام لئے اور جگد مبا سنگھ کے باپ ملک سنگھ کا نام بھی لیا جو کہ گاؤں کا نمبردار تھا۔ میں نے پھر پوچھا ملک سنگھ کے کتنے لڑکے ہیں۔

وہ : صرف ایک جگد مبا سنگھ' مگر وہ بھی یہاں سے بھاگ گیا۔ پہلے وہ فرخ آباد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہاں سے اس کو زبردستی یہاں لائے۔ مگر وہ پھر بھاگ گیا۔ یہ سن کر میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ جس کیلئے اتنی کٹھن منزل طے کی۔ اس قدر تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ گوہر مقصود تو یہاں ہے ہی نہیں۔ دل بڑا بے چین ہوا۔ اطمینان کیلئے اس عورت کے بیان کی تصدیق ضروری تھی۔ اس لئے کسی سیدھے سادھے آدمی سے مل کر اسی طرح ہیر پھیر کی گفتگو کر کے معلوم کیا۔ واقعی جگد مبا سنگھ یہاں سے بھاگ چکا تھا اور ساتھ ہی باتوں باتوں میں یہ بھی معلوم ہوا کہ جگد مبا سنگھ کا باپ بے حد برافروختہ ہے اور وہ جگد مبا سنگھ کی اس طرح تلاش کرنے والے شخص کو قتل کرنے کو تیار ہے۔ میں مایوسی کے عالم میں وہاں سے نکلا۔ واپسی پر مجھے یاد ہے بڑے زور کی بارش راستے میں آ گئی اور کئی میل بھیگتا ہی چلا گیا۔ ٹنڈولی سے گاڑی میں سوار ہو کر فیض آباد پہنچا اور شیخ بشیر احمد صاحب کو ساتھ لیا۔ ان کو سارا قصہ سنایا۔ وہاں سے دونوں لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ پہنچ کر معلوم ہوا کہ جگد مبا سنگھ۔ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محل کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر کہیں چلا گیا۔ افسوس کہ میں نہ مل سکا۔ واپس فرخ آباد پہنچ کر ساری رپورٹ حضرت صاحب کی خدمت میں ارسال کر دی۔ اگرچہ جگد مبا سنگھ ہمارے ہاتھ نہ آیا۔ مگر وہ مسلمان ہو گیا اور یہی ہماری غرض تھی۔ حضرت صاحب میری کارکردگی سے بہت خوش ہوئے۔

فرخ آباد میں ہماری مشکلات

ہمیں مکان سے زبردستی نکال دیا گیا

میں قادیان سے اپنی والدہ محترمہ اور اہلیہ اور اپنے بچے یونس احمد کو فرخ آباد لے آیا تھا۔ یونس اس وقت صرف ڈھائی سال کا تھا۔ فرخ آباد کے ایک مولوی آل نبی کا ذکر میں قنوج کے جلسے میں کر آیا ہوں۔ وہ ہمارا شدید مخالف تھا۔ اس نے شہر کو ہمارے خلاف بھڑکا رکھا تھا اگرچہ کچھ شریف مسلمان ہمارے خیر خواہ بھی تھے۔ جن میں عبدالواحد خان مالک مکان بھی تھا۔ اس کی بیوی بہت شریف اور نیک عورت تھی۔ میری والدہ اور بیوی کے ساتھ وہ بہت ہمدردی سے پیش آتی رہی۔ مولوی آل نبی ہمیں اس مکان سے نکلوانا چاہتے تھے۔ مکان سے ہی نہیں، شہر سے بھی۔ لیکن عبدالواحد خاں کی بیوی مولوی آل نبی کی پیش نہ جانے دیتی۔ عبدالواحد خاں خود بھی بہت شریف انسان تھا۔ وہ اگرچہ آل نبی کا مرید تھا۔ مگر اس کی یہ بات نہ مانتا تھا۔ قضائے الٰہی سے خاں صاحب کی بیوی فوت ہوگئی اور مولوی آل نبی نے اب خاں صاحب پر خاصہ دباؤ ڈالا کہ ان قادیانیوں کو اپنے مکان سے نکال دو۔ یہ لوگ کافر ہیں۔ ان کی مدد کرنا بھی کفر ہے۔ آخر عبدالواحد خاں مجبور ہو گیا اور کہا کہ میں تو مسافروں کو اور خدمتِ دین کرنے والوں کو خود اپنے مکان سے نہیں نکال سکتا۔ آپ خود نکال دیں مولوی آل نبی کئی سو آدمی لے کر ہمارے مکان پر پہنچ گیا اور ہمیں زبردستی مکان سے نکال دیا۔ دفتر بھی خالی کروالیا۔ اس وقت ہماری حالت عجیب بے کسی کی تھی۔ دو تین مبلغ اور میں بمعہ بال بچوں کے حیران و پریشان کھڑے تھے۔ آخر ہم نے دو یکے کرایہ پر لئے۔ ایک میں زنانہ سواریاں بٹھائیں۔ دوسرے میں سامان رکھا اور خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر چل پڑے کہ کوئی مکان تلاش کریں ادھر مولوی نے شریر لڑکوں کا گروہ ہمارے پیچھے لگا دیا ایک عجیب اور دردناک منظر تھا۔ کچھ دیر کے بعد لڑکے تو ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور ہمیں ایک چھوٹا سا مکان مل گیا۔ ہم نے جلدی جلدی سامان رکھا۔ شام ہو چکی تھی، رات بسر کی، صبح ہی مولوی نے اس مالک مکان کو بلا کر خوب دھمکایا کہ تم نے کافروں کو مکان دے دیا۔ یہ بڑا گناہ ہے۔ وہ نومسلم تھا۔ حیران ہوا کہ گناہ کیسے ہو گیا۔ وہ مولوی کے دھمکانے میں نہ آیا اور اس نے یہ کہا کہ جب تک ان لوگوں کو کوئی اور مکان نہیں مل جاتا۔ میں انہیں مکان سے نہیں نکالوں

گا۔ اس نے ہمیں سارا حال بتایا اور ہم نے پھر مکان کی تلاش شروع کر دی۔

کئی دن کی تلاش کے بعد ہمیں ایک بڑا مکان مل گیا جو ایک مسلمان ریٹائرڈ تھانیدار کا تھا۔ وہ کسی وجہ سے کرایہ پر نہ چڑھتا تھا۔ اس لئے جب ہم اس سے ملے تو اس نے اپنی شرائط یہ پیش کیں کہ اگر تم ایک سال سے پہلے مکان چھوڑ دو تو ایک سال کا پورا کرایہ دینا پڑے گا اور اگر میں ایک سال سے پہلے مکان خالی کراؤں تو ایک سال کا کرایہ بطور ہرجانہ تمہیں دوں گا۔ نیز کرایہ دس روپے ماہوار ہوگا اور تین ماہ کا کرایہ پیشگی دینا پڑے گا۔ یہ سب شرائط باقاعدہ پکے کاغذ پر لکھی جائیں گی۔

؎ اندھے کو کیا چاہئے دو نین

ہم خود بے چین تھے۔ یہ شرائط ہمارے لئے عین ضروری تھیں۔ ادھر ہم جلدی کر رہے تھے کہ کہیں مولوی کو پتہ نہ چل جائے۔ ادھر وہ مالک مکان جلدی کر رہا تھا کہ کہیں کرایہ دار کھسک نہ جائیں۔ چنانچہ فوراً اسٹامپ پیپر منگوا کر جلدی جلدی شرائط لکھ لکھا کر ہم نے تین ماہ کا پیشگی کرایہ دیا اور رسید لے لی۔ فوراً ہی اپنا سامان اس مکان میں لے آئے اور اطمینان کا سانس لیا۔ دوسرے دن مولوی کو جب پتہ لگا۔ بڑا بے چین ہوا اور مسلمانوں کا ایک وفد لے کر مالک مکان کے پاس پہنچا۔ وہ ریٹائرڈ تھانیدار، مذہب سے بیزار، مولویوں سے متنفر مطلب کا بندہ، مولوی کو کہنے لگا کہ مولوی صاحب سال کا کرایہ 120 روپے بنتا ہے وہ لے آئیں۔ اور پھر کوئی کرایہ دار بھی دس روپے ماہوار کا ڈھونڈ لائیں میں ان کو نکال دوں گا۔ مولوی صاحب سن کر بغلیں جھانکنے لگے۔ اتنا روپیہ کون دے، ٹھنڈے ہو کر چلے گئے اور ہمیں تنگ کرنے کیے دوسرے منصوبے سوچنے لگے۔

یہ ہیں مولوی اس زمانے کے۔ ہم تو صرف اسلام کے نام کی لاج رکھنے کیلئے اس میدان میں گئے اور مرتد ہونے سے مسلمانوں کو بچایا اور بے شمار مرتد شدہ مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا۔ مگر مولوی ہمارے ساتھ یہ سلوک کرتے رہے۔ بغض و حسد، تنگ دلی، تعصب کی انتہا تھی۔ سچ فرمایا رسول کریمؐ نے فرمایا:

علما هم شر من تحت!... سما.

مولوی کی سرشت میں سچ مچ فتنہ وفساد کے سوا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے ٹھیک کہا ہے:

دین کافر فکر و تدبیر و جہاد

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

فرخ آباد میں مولوی آل نبی اور مولوی غلام مصطفیٰ ان دونوں مولویوں نے ہمارا ناک میں دم کر دیا۔ کبھی آوارہ وبدمعاش لوگوں کو ہمارے مکان پر شرارتیں کرنے کو بھیج دیتے۔ کبھی ہمارے مبلغوں کو راہ چلتے غنڈوں سے پٹواتے۔ کبھی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو ہمارے پیچھے لگا دیتے۔ غرض وہ سب کام جو کفار نے پاکوں کے سردار رسول کریم ﷺ اور آپ کی جماعت کے ساتھ کئے۔ مولوی ہمارے ساتھ کرتے اور کراتے رہے۔ ہم ہی سے کیا امت محمدیہ میں ہر مجدد، غوث، قطب اور اہل اللہ لوگوں سے مولوی یہی کچھ کرتے آئے۔

چاروں اماموں پر کفر کے فتوے، عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین اجمیریؒ، بایزید بسطامیؒ، مجدد الف ثانیؒ، حضرت منصور، شمس تبریز، سب پر کفر کے فتوے لگائے اور قسم قسم کی تکلیفیں دیں۔ کوڑے لگوائے، زہر دلوائے، جیل خانوں میں ڈالا، بائیکاٹ کئے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ پھر بھلا ہم کس گنتی میں۔

بسم اللہ کا قتل

موضع بھڑا کا ذکر میں پیچھے کر آیا ہوں۔ یہاں کے لوگ مجموعی طور پر تو شدھ ہونے سے رک گئے تھے لیکن ایک دو گھر آہستہ آہستہ شدھ کیلئے تیار ہو گئے۔ شدھی کی مقررہ تاریخ آ گئی۔ ایک نوجوان شہزادہ نام کا سب میں پیش پیش تھا۔ وہ اپنی بیوی کو بھی شدھی کیلئے تیار کرنے لگا۔ مگر اس کی بیوی بسم اللہ نام کی اچھے اور پکے مسلمان گھرانے کی لڑکی تھی اس کے پہلا ہی بچہ تھا جو سال ڈیڑھ سال کا ہو گا۔

اپنے خاوند سے کہنے لگی۔ میں شدھی نہیں ہوں گی تم جو چاہو ہو جاؤ، مندرجہ ذیل گفتگو ان میں شروع ہوئی اور بسم اللہ کی موت پر ختم ہوئی۔

شہزادہ : (اپنی بیوی بسم اللہ سے) اب شدھی میں صرف دو تین دن رہ گئے۔ ہم سب شدھ ہوں گے۔ وہ بڑا خوشی کا دن ہو گا۔

بسم اللہ : تم ہو جاؤ، ہم تو مسلمان ہی اچھے ہیں۔ ہمارے ماں باپ بھی مسلمان ہیں۔ ہم شدھی نہیں جانتے کیا ہوتی ہے۔

شہزادہ : تمہارے ماں باپ کی ایسی کی تیسی۔ وہ کون ہوتے ہیں۔ تمہیں ضرور شدھ ہونا پڑے گا۔

بسم اللہ : میں کبھی شدھ نہ ہوں گی۔ تم جو چاہو کرو۔

شہزادہ : ہم لٹھیا سے تمہیں ٹھیک کر دیں گے۔

بسم اللہ : میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ شدھ نہیں ہوں گی۔

شہزادہ : لاٹھی اٹھا کر مارنے لگا۔ بولو شدھ نہیں ہو گی؟

بسم اللہ : ہائے میں مر گئی، ہائے میں مر گئی، مجھے ماں باپ کے گھر بھیج دو، میں شدھ نہیں ہوں گی۔

شہزادہ : لاٹھیاں مارتا جاتا ہے اور بسم اللہ تڑپ رہی ہے اور مار کھا کھا کر یہی کہے جاتی ہے۔ مر جاؤں گی، شدھ نہ ہوں گی، بچہ ایک طرف چلا رہا ہے۔ شہزادہ برابر لاٹھیاں مار رہا ہے۔ بسم اللہ چیختی چلاتی رہی ہائے میں مر گئی۔ کوئی مجھے بچائے۔ میری ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ہائے اللہ میں مر گئی۔

شہزادہ : اب بلاؤ اللہ کو، جب تک شدھی کیلئے تیار نہ ہو گی۔ نہیں چھوڑوں گا۔

بسم اللہ : اب تم مجھے مار ہی ڈالو، میں زندہ نہیں رہنا چاہتی، ہائے میرے بچے۔

افسوس کہ ظالم خاوند مارتا ہی گیا، یہاں تک کہ بسم اللہ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس سانحہ ہوش ربا کا چرچا فوراً سارے گاؤں میں ہو گیا۔ لاش کو فوراً دفن کر دیا گیا اور بچے کو اس کے ننھیال میں بھیج دیا گیا کہ اس کی ماں ہیضے سے مر گئی ہے۔

یقیناً اس بے کس نوجوان لڑکی کی روح تو جنت میں پہنچ گئی۔ مگر آریہ سماج کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔ سارے علاقے میں شور پڑ گیا اور حکومت کو بھی شدھی کی تحریک کھٹکنے لگی؟ خونِ ناحق اپنا رنگ لایا اور وہ لوگ جو شدھ ہونا چاہتے تھے۔ شدھی سے بیزار ہو گئے اور سب کے سب اسلام پر پھر سے مضبوط ہو گئے۔ الحمد للہ۔ کہ بسم اللہ کی قربانی رائیگاں نہ گئی۔

جب بسم اللہ کے ماں باپ کو پتہ چلا۔ وہ بے چارے پاگل ہو گئے، خون چھپا نہیں رہتا۔ حقیقت کھل گئی مگر بسم اللہ کا باپ نور خاں ایک غریب آدمی تھا۔ اور بے سہارا، بے چارہ ادھر ادھر بڑے مسلمانوں

کے پاس اور مولویوں کے پاس بھاگا بھاگا پھرا۔ مگر کسی نے اس غریب کی پرواہ نہ کی۔ آخر وہ میرے پاس فرخ آباد میں آیا اور مدد طلب کی۔ میں نے شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ کپورتھلہ کو بلا لیا جو کہ خدمت دین کیلئے آگرے میں موجود تھے۔ شیخ صاحب نے آکر خاص توجہ اور کوشش سے اس کیس کی پیروی کی۔ ایک مسلمان وکیل سے مل کر صلاح مشورہ کیا اور نور خاں کی طرف سے عدالت میں درخواست دلوائی۔

اس واقعہ کے متعلق ''مسلم آؤٹ لک'' لاہور کو مندرجہ ذیل تار فرخ آباد سے روانہ کیا گیا اور دوسرے اخباروں کو بھی اس تار کا مضمون بھیجا گیا جو درج ذیل ہے:

''ایک شخص نور محمد (نور خاں) نے انسپکٹر جنرل فرخ آباد کو درخواست دی ہے کہ اس کی بیٹی بسم اللہ نے مرتد ہونے سے انکار کیا تھا اور اچانک اس کی موت واقع ہوگئی ہے اور مجھے جنازے میں شامل ہونے کیلئے بھی نہیں بلایا گیا۔ اس لئے اس کی نعش برآمد کر کے تفتیش کی جائے۔''

چنانچہ پولیس لاش کو قبر سے برآمد کرنے کیلئے روانہ ہو چکی ہے۔

چار دن کے بعد سپرنٹنڈنٹ پولیس وہاں پہنچا۔ لاش نکلوائی گئی۔ ڈاکٹری معائنہ ہوا۔ مگر ڈاکٹر ہندو، سپرنٹنڈنٹ پولیس ہندو، گواہ ہندو نیچے سے لے کر اوپر تک ہندو ہی ہندو، مجرم صاف بچ نکلا۔ سچ ہے:

تم ہی قاتل تم ہی منصف تم ہی شاہد ٹھہرے
اَقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

معرکہ بھرتپور، موڑ چہ اکرن
مائی جمیّا

موضع اکرن، ریاست بھرتپور کا ایک اہم اڈا تھا آریوں کا۔ یہاں کے سارے گاؤں کو آریوں نے کسی نہ کسی طرح شدھ کر لیا تھا۔ لیکن احمدی مبلغین کی کوششوں سے یہ لوگ پھر مسلمان ہو گئے۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال بہ نفسِ نفیس وہاں تشریف لے گئے اور اس خوشی میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔

جب آریوں نے دیکھا کہ سب ملکانے پھر مسلمان ہو گئے تو ریاست کے حکام کی معرفت ان پر بہت سختی شروع کر دی تا کہ وہ دوبارہ شدھ ہو جائیں۔ ڈرایا، دھمکایا، مارا پیٹا، تنگ کیا اور ظلم پر ظلم کر کے انہیں پھر شدھ کر لیا۔ نیز مہاراجہ بھرتپور سے ایک ایسا اعلان کرا دیا کہ کوئی غیر ریاستی پرچارک (مبلغ) ریاست کی حدود میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہ رہنے پائے۔

ہمارے لئے کام کرنا مشکل ہو گیا۔ مگر ہم نے ہمت نہ ہاری اور یہ ترکیب کی کہ ریاست کی سرحد پر ہم نے مجاہدین کا کیمپ لگا دیا۔ ایک مبلغ ریاست میں جاتا اور موضع اکرن میں 24 گھنٹے ٹھہر کر واپس آجاتا۔ اس کے بعد دوسرا چلا جاتا اور 24 گھنٹے ٹھہر کر واپس آجاتا۔ اس طرح ریاست کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہ ہوتی اور تبلیغ بھی ہوتی رہتی۔ کیونکہ ہر وقت ہمارا ایک مبلغ وہاں موجود رہتا جب ریاست کے حکام نے یہ معاملہ دیکھا تو بڑے سٹپٹائے۔ آخر مہاراجہ بھرتپور نے علانیہ احمدی مبلغین کا داخلہ ریاست میں بند کر دیا۔ چونکہ احمدی جماعت ایک پرامن جماعت ہے اور اس کے نزدیک حکومت وقت سے سرکشی کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ اس لئے ہمارے مندرجہ ذیل معزز ارکان ناظم ریاست سے ملے تا کہ تبلیغ کیلئے کوئی راستہ نکالا جائے۔

-1 جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔

-2 جناب مولوی فضل دین صاحب وکیل

-3 چوہدری نصر اللہ خاں صاحب وکیل

ناظم ریاست سے یوں گفتگو شروع ہوئی۔

احمدی : ریاست نے ایسا قانون کیوں جاری کیا ہے جو مذہبی آزادی میں مخل ہو۔

ناظم : ریاست کے قواعد گورنمنٹ انگریزی کی طرح نہیں ہوتے۔ مہاراجہ صاحب اندرونِ ریاست خودمختار ہیں جو چاہیں حکم دے دیں۔ اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔

احمدی : آخر مہاراجہ صاحب نے کس بنیاد پر یہ حکم دیا ہے۔ کیا وہ ہمارے متعلق اپنے کانشنس کو استعمال کریں گے۔

ناظم : اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟

احمدی : ہم مہاراجہ کے حکم کی پابندی ضرور کریں گے۔ مگر ساتھ ہی چارہ جوئی بھی کریں گے۔

ناظم : آخر آپ لوگ اب کیا چاہتے ہیں۔ جبکہ سارا گاؤں اکرن شدھ ہو چکا ہے۔

احمدی : ہمارا حق ہے کہ ہم ان کو دوبارہ مسلمان بنائیں۔ اس کے علاوہ اب تک وہاں ایک بوڑھی عورت مسلمان ہے۔ اس کی حفاظت ہمارا مذہبی فرض ہے۔

ناظم : یہ تو ایک بیہودہ دلیل ہے۔

احمدی : آپ اسے جو چاہیں کہہ لیں۔ مگر ایک منصف آدمی اسے بیہودہ نہیں کر سکتا۔

ناظم : ریاست میں اور مسلمان بھی تو ہیں۔ وہ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ باہر سے مبلغوں کا آ کر ہمارے لوگوں کو سمجھانا۔ ریاست کی ہتک ہے۔

احمدی : یہ کوئی سنجیدہ دلیل نہیں۔ ریاست میں کئی حاکم ریاست کے باہر پنجاب کے ہیں۔ کیا اس میں ریاست کی ہتک نہیں ہے۔

ناظم ریاست نے جھنجھلا کر گفتگو بند کر دی اور ہمارے معززین مجبوراً ناکام واپس آگئے۔

مائی جمیا

اکرن کا سارا گاؤں شدھ ہو چکا تھا مگر ایک 80 سالہ بڑھیا مائی جمیاؔ ابھی تک مسلمان تھی۔ اس کے بیٹے اور پوتے سب شدھ ہو چکے تھے۔ مگر اس بڑھیا نے باوجود بڑی بڑی سختیوں کے اسلام کو نہ چھوڑا۔ اسے احمدی مجاہدین سے بڑی محبت تھی۔ اپنے بیٹوں کی طرح انہیں چاہتی تھی اور وقتاً فوقتاً کیمپ میں آ کر احمدیوں سے ملتی۔ تھوڑی سی زمین اس کی اپنی ملکیت تھی اس پر اس کا گزارہ تھا۔ یہ اپنے بیٹوں سے الگ ہو گئی اور اسلام پر ڈٹی رہی۔ جب اس کی گیہوں کی فصل پک گئی تو اس کے بیٹے' پوتے اور دیگر لوگ اسے طعنے دینے لگے کہ اب مولویوں سے اپنی فصل کٹواؤ۔ بڑھیا جواب دیتی۔ ہاں ہاں میرے مولوی ضرور میری گندم کاٹیں گے۔ چنانچہ جب فصل کٹنے کا وقت آیا تو ہمارے مبلغوں نے واقعی ہاتھوں میں درانتیاں لے کر ساری فصل کاٹ دی۔ ان میں مولوی فاضل بی۔ اے۔ ایم۔ اے مجاہدین بھی تھے۔ محترم قاضی عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی' ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان بھی فصل کاٹنے والوں میں تھے۔ چونکہ ان لوگوں نے ایسا کام کبھی پہلے نہ کیا تھا۔ اس لئے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے مگر فصل کاٹ دی۔

مائی جمیاؔ قادیان بھی آئی اور سالانہ جلسے پر اس نے چھوٹی سی تقریر بھی کی۔ میں نے اس کے حالِ زار کی ایک نظم لکھی تھی جس کے چند شعر بطور نمونہ نیچے درج ہیں۔

مائی جمیاؔ کی فریاد

بپتا کسے سنائے کوئی' بپتا کسے سنائے
آج جگت میں میں دکھیاری جتن کروں میں کیا بے چاری
بات نہ کوئی سن پائے
بپتا کسے سنائے کوئی' بپتا کسے سنائے

پوت بھی مورے ہو گئے شدھی دیکھو کیسی الٹ گئی بدھی
کوئی ان کو سمجھائے
بپتا کسے سنائے کوئی' بپتا کسے سنائے

مل کر گام سے مجھے نکالا گھرور مورا آپ سنبھالا
پڑی مصیبت ہائے
بپتا کسے سنائے کوئی، بپتا کسے سنائے

قدیاں والے مولوی آئے آ موہے آرام پہنچائے
دکھڑے آپ اٹھائے
بپتا کسے سنائے کوئی، بپتا کسے سنائے

دین اسلام کو ناہیں چھوڑوں نہ میں کلمے سے مکھ موڑوں
دنیا زور لگائے
بپتا کسے سنائے کوئی، بپتا کسے سنائے

ہمارا ایک مجاہد اور مورچہ اسپار

موضع اسپار میں ہمارے ایک معزز دوست مولوی غلام رسول صاحب ریٹائرڈ سشن جج پشاور کام کر رہے تھے۔ کچھ مرتد ملکانے ان کے سخت دشمن ہو گئے۔ وہ موقعہ کی تلاش کر رہے تھے کہ فساد برپا کر کے اس احمدی مجاہد کو یہاں سے نکال دیں۔

عیدالاضحیٰ قریب آ گئی۔ مولوی صاحب نے قربانی کی اور گوشت تقسیم کیا۔ اس کو بہانہ بنا کر مرتد ملکانے شام کو 50-60 کی تعداد میں لاٹھیاں لے کر آ گئے اور جس جھونپڑی میں مولوی صاحب بیٹھے تھے اسے گرا دیا۔ مولوی صاحب نیچے دب گئے پھر ان کو کھینچ کر نکالا اور گھسیٹ کر گاؤں سے باہر جا پھینکا۔ لیکن خداتعالیٰ نے مولوی صاحب کو ہمت دی اور وہ پھر گاؤں میں آ گئے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم مجھے زندہ یہاں سے نہیں نکال سکتے جو چاہو سو کرو۔ میں گاؤں نہیں چھوڑوں گا۔ چونکہ آریوں کی یہ خلاف قانون حرکت تھی اور دھینگا مشتی سے وہ اپنا رعب جمانا چاہتے تھے۔ اس لئے عدالت میں ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا گیا۔ مسٹر فرئین جائنٹ مجسٹریٹ ضلع متھرا کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہوا۔ جس نے ان لوگوں کو زیر دفعہ 147 تعزیرات ہند جرمانے کئے اور ایک ایک سال کیلئے حفظ امن کا مچلکہ لیا گیا۔ ایک سو روپیہ ہمارے مبلغ کو معاوضہ دیا گیا۔ آئندہ کیلئے اس علاقے میں امن قائم ہو گیا۔

شدھی کے آخری سانس

جاء الحق وزھق الباطل ط

ایسے شدھی کو دیئے جھٹکے کہ بے جان کر دیا

خداتعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک سال کے عرصہ میں ہی شدھ کا زور ٹوٹ گیا۔ مرتدین پھر آغوش اسلام میں آنے لگے۔ آریوں سے مناظرے ہوئے۔ مجادلے ہوئے، ہر رنگ میں مقابلے ہوئے اور آریہ شکست کھا کر میدان سے بھاگنے لگے۔

عیسائی اخبار ''نور افشاں'' لدھیانہ نے لکھا کہ:

''بارہ ہزار ہندو پھر مسلمان ہو گئے، آریوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔''

ایک ہندو اخبار ''ملاپ'' نے لکھا:

''دوڑ دھوپ کر کے اگر ایک پارٹی کو شدھی پر تیار کر لیا جاتا ہے تو دوسری بگڑ بیٹھتی ہے۔ اگر دونوں موافق ہو جائیں تو کھان پان کا اڑنگا کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ سیوک (مبلغ) بھوکے پیاسے دھوپ اور لُو سے جھلسے ہوئے جب لوگوں کے دواروں پر پہنچتے ہیں تو چمار اور عیسائی کہہ کر دھتکار دیئے جاتے ہیں۔''

آریہ مایوس ہو گئے۔ جب دیگر ہندو لیڈروں نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ رہا ہے اور اب ہندو قوم کی رسوائی ہو گی تو کانگریسی لیڈروں سے مل ملا کر شدھی کی تحریک کو بند کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ ناکامی پر پردہ پڑے۔

چنانچہ ایک کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا جس میں ہمارے نمائندے بھی شامل ہوئے۔

کانفرنس کی طرف سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو تار ملا۔

دہلی' 18 ستمبر 1926ء

حضرت مرزا محمود احمد صاحب قادیان' بٹالہ۔

''نمائندے پہنچ گئے' آپ کی مہربانی پر مشتمل خط اور فوری توجہ کا تہہ دل سے شکریہ۔ آپ کا مشورہ ہمارے لئے بڑی مدد کا موجب ہوگا۔'' (اجمل خاں)

کانفرنس کے تمام نمائندے سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ تجویز پیش ہوئی کہ آریہ اور مسلمان اپنے اپنے مبلغ واپس بلالیں اور شدھی کا کام بند کر دیا جائے۔ غیر احمدی مسلمان نمائندے خصوصاً مولوی فوراً بول اٹھے کہ ٹھیک ہے۔ ہم سب واپس چلے جائیں گے۔ مگر ہمارے نمائندوں نے کہا' کہ ہم واپس نہیں لوٹیں گے۔ جب تک ایک مسلمان بھی شدھ شدہ موجود ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جو مسلمان اب تک شدھ ہیں ہم ان کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔

مولوی لوگ تو اپنی جان چھڑانا چاہتے تھے۔ انہیں نہ مرتد مسلمان کا درد تھا' نہ اسلام کی بدنامی کا خیال' کہنے لگے' بہت اچھا اگر قادیانی حضرات واپس نہیں لوٹتے تو نہ سہی۔ ان کو چھوڑو ہم ہندوؤں سے صلح کرتے ہیں۔ لالہ شردھانند بولے کہ جب تک قادیانی اس علاقے میں موجود ہیں ہم بھی واپس نہیں جاسکتے۔ کیونکہ کام کرنے والے تو درحقیقت یہی لوگ ہیں۔ آپ کا ہمیں کچھ ڈر نہیں بے شک آپ موجود رہیں۔ مگر قادیانی واپس لوٹ جائیں۔

آخر بڑی ردوکد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو اس علاقے کا دورہ کرے اور جس فریق کی زیادتی ہو اس کی پریس میں مذمت کی جائے اور اس کانفرنس کا ڈراپ سین ہوگیا۔ نہ کسی نے دورہ کیا' نہ کوئی واپس لوٹا۔ البتہ مولوی صاحبان جو دو ایک اس علاقے میں تھے واپس گھروں کو آگئے۔ آریہ پرچارک تو تھک چکے تھے۔ تحریک کا بانی شردھانند اس تحریک سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے کوشش کر کے تمام علاقے کے مرتد مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر دوبارہ مسلمان کیا۔ صرف قریباً ایک ہزار شدھ شدہ واپس نہ ہو سکے۔ لیکن قریباً دو ہزار ہم نے پیدائشی ہندو مسلمان کر لئے۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے بھی کچھ ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ میں ان کی چٹیا (بودی) کاٹ کر اور لفافے میں ڈال کر حضرت صاحب کو قادیان بھیج دیا کرتا۔ حضرت صاحب بڑے خوش ہوتے اور فرماتے یہ ثبوت بھی ساتھ بھیج دیتا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے ہمیں کامیاب فرمایا اور آریہ ناکام رہے۔ اس کا اقرار اپنے بیگانوں نے کیا۔ پریس اس امر کا شاہد ہے۔

بھجن مناسب حال

اب تو پھر اسلام کا سب ٹھاٹھ ملکانوں میں ہے ۔۔۔ کچھ نہیں معلوم پھر کیوں شور نادانوں میں ہے
ہندوؤں میں وہ بسر کرتے ہیں اپنی زندگی ۔۔۔ من مگر ان کا مگن رہتا مسلمانوں میں ہے
مورتی پوجا کو نفرت سے نہ کیوں ٹھکرائیں وہ ۔۔۔ اک صنم کی شکل ان کے دل کے آئینوں میں ہے
ایک حملے سے اشدھی کا قلعہ دھم سے گرا ۔۔۔ جس سے ہلچل آریوں کے سارے پردھانوں میں ہے
آگئے ہیں پھر سے وہ اسلام کی آغوش میں ۔۔۔ شور اب بے فائدہ شدھی کے دیوانوں میں ہے
احمدی لشکر نے دے دی فوج باطل کو شکست ۔۔۔ اس کا چرچا دیکھ لو اب اپنے بیگانوں میں ہے
توڑ کر زنار ملکانوں نے جرأت سے کہا ۔۔۔ اب ہمارا نام پنڈت جی مسلمانوں میں ہے
آگیا ہے لشکر محمود اب میدان میں ۔۔۔ اس لئے ہنگامہ برپا آج بت خانوں میں ہے
کیوں مقابل پر ترے اسلم کوئی آتا نہیں
کچھ تو بتلا دے اثر کیا تیرے پیکانوں میں ہے

شدھی کا ڈراپ سین

آریہ لیڈروں کے مایوسانہ بیانات

ہمارے کام پر اپنوں اور بیگانوں کا اعتراف

احمدی مجاہدین کے کارنامے کچھ ایسے طور پر ظاہر ہوئے اور آریہ پرچارکوں نے کچھ ایسی بری طرح شکست کھائی کہ اپنے اور بیگانوں نے اس کا اعتراف کیا۔ چند شہادات نیچے ملاحظہ کریں:

1- ایک ہندو اخبار ''ملاپ'' (اگست 1923ء) لکھتا ہے:

''گاؤں میں گھومتے ہوئے سوئم سیوکوں (مبلغوں) اور بے غرض کام کرنے والوں کو دو دو کوڑی کے آدمیوں کو ہاتھ جوڑ جوڑ کر شدھی پر تیار کرنا پڑتا۔ مگر گاؤں کے ٹھاکر بجائے نمسکار کرنے کے گالیاں دیتے۔''

2- گروکل کانگڑی کے آریہ پروفیسر کیتو جی فرماتے ہیں:

''آریہ لڑائی کے شائق اور جھگڑالو ہیں۔ اس وقت جو شدھی کی جارہی ہے بے ڈھنگی اور ناواجب ہے۔'' اخبار (آریہ پتریکا)

3- بھائی پرمانند جی فرماتے ہیں:

''جس طرح آج کل شدھی کی جارہی ہے۔ وہ زیادہ تر اپنے مذہب کو گرانے والی ہے۔ اس کے جیون میں کوئی اچھی تبدیلی نہیں ہوئی۔'' اخبار ''کیسری'' 14/جون 1924ء۔

4- راجگوپال آچاریہ فرماتے ہیں:

''کاش خدا ہمیں عقل زیادہ دیتا اور ہوس کم، ہم ہندو دھرم کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اپنی تازہ کوششوں سے اور کمزور کر رہے ہیں۔ چند نفوس کو دکھانے کا ہندو بنانے کی کوشش کر کے ہم نے اپنی سابقہ فتوحات کو خاک میں ملا دیا ہے۔'' اخبار ''وکیل'' 3/مئی 1923ء امرتسر۔

یہ چند حوالے آریوں کی ناکامی اور مایوسی کے کھلے کھلے ثبوت ہیں۔ اگر واقعی آریہ کامیاب ہو جاتے اور در حقیقت شدھ شدہ مسلمان دوبارہ اسلام نہ لاتے اور پکے ہندو بنے رہتے تو ہندوؤں کے یہ بزرگ ایسا کبھی نہ لکھتے۔

اب چند حوالے ایسے بھی پڑھیے جو احمدی مجاہدین اور جماعت احمدیہ کی کھلی کھلی فتح کو ظاہر کرتے ہیں:

1- چوہدری نذیر احمد صاحب وکیل جے پور ایک معزز خاندان کے فرد تھے۔ 13/اپریل 1923ء کو دہلی کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''میں نہ خود احمدی ہوں نہ میرا کوئی رشتہ دار احمدی ہے۔ لیکن احمدیوں کے کام کرنے کا طریق، ان کے اخلاص، انکی تندہی اور جفاکشی کی حالت کا اندازہ کر کے میں مجبور ہوں کہ تمام اہل اسلام سے کہوں کہ ان کی مخالفت چھوڑ دیں۔ ان کا طرزِ تبلیغ خاص طور پر ایسا ہے کہ آریہ ان کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ اس وقت جماعت احمدیہ کے 72 مبلغ کام کر رہے ہیں۔ برخلاف ہماری انجمنوں کے صرف چند وہ بھی شب برات کے حلوے کھانے کیلئے واپس جا چکے ہیں۔

2- آغا حیدر علی صاحب وکیل سہارنپور نے ''ہمدم'' اخبار میں تحریر فرمایا:

''راقم مرزائی نہیں۔ بلکہ اثناعشری ہے۔ مرزا صاحب (خلیفۃ المسیح ثانی) نے اپنی جماعت سے پچاس ہزار روپیہ اور ایک سو واعظ طلب کئے۔ ایک ماہ کے اندر اندر 140 واعظ اور کثیر رقم جمع ہوگئی۔ دوسری اسلامی جماعتوں کو اس کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔''

3- اخبار زمیندار لاہور 8/اپریل 1923ء کو لکھتا ہے:

''احمدی بھائیوں نے جس خلوص جس ایثار، جس جوش اور جس ہمدردی سے کام میں حصہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مجلس نمائندگانِ تبلیغ کے فیصلہ انقطاع نے ان کی مخلصانہ کوششوں پر کوئی برا اثر نہیں ڈالا۔ وہ ہر حصہ میں بدستور سرگرم حفظ و دفاع ہیں۔''

4- اخبار وکیل 3/مئی 1923ء میں شائع ہوا۔

''احمدی جماعت کا طرزِ عمل خاص طور پر قابل تعریف ہے۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت اعلان کرتے ہیں کہ احمدی جماعت بہترین کام کر رہی ہے۔''

5- اخبار ''نور'' علی گڑھ نے 3/مئی 1923ء کو لکھا:

''ابتک جتنی انجمنوں نے اس کار خیر میں قدم رکھا ہے۔ ان سب میں اعلیٰ کام قادیانی جماعت

کا ہے۔"

6- اخبار "روزگار" آگرہ نے 1/ مئی 1923ء کو لکھا:

"اس میں شک نہیں کہ جس قدر واعظ اور جتنے وفد اور ہمدردانِ اسلام کوشاں ہیں ان میں سب سے بڑھا ہوا نمبر جماعت قادیان کا ہے۔ جس کے واعظ ہر قسم کے مصائب اور مصارف برداشت کر کے مصروف کار ہیں۔ بے حد قابل شکر گزاری کے ہیں۔ لیکن افسوس یہ کیسا برتاؤ ہے کہ فرضی یا اصلی خلافت کے حامیان کی جماعت جو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان کے پسینے کی کمائی سے باون لاکھ وصولی کر کے ٹھکانے لگا چکے ہیں۔ وہ واقعات فتنہ ارتداد دیکھتے ہیں اور خاموش ہیں۔"

کام کا خاتمہ اور میری واپسی

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب شدھی کی تحریک بالکل مر چکی تھی اور ہم نے متواتر اور مسلسل جدوجہد سے تمام مرتد ملکانوں کو پھر سے حلقہ بگوش اسلام کر لیا تھا۔ بلکہ اکثر پیدائشی ہندوؤں کو بھی مسلمان بنا چکے تھے۔

اس کے علاوہ ہم نے اکثر ملکانوں کو قادیان بھیج کر کچھ معمولی تعلیم دے کر ان کے اپنے علاقے میں بطور مبلغ مقرر کر دیا تھا۔ بیسیوں مساجد مختلف دیہات میں تعمیر کر دیں اور ملکانوں کو اسلام پر کاربند کر دیا۔ آریہ اپدیشک مایوس ہو کر واپس جا چکے تھے۔ اس لئے ہمارے بھی اکثر مبلغ واپس بلا لئے گئے اور نہایت ضروری جگہوں پر کسی کسی مبلغ کو بٹھائے رکھا۔

میں آخری ایّام یعنی 1926ء میں اکبرپور ضلع فرخ آباد میں مقیم تھا۔ ضلع کے سارے مورچے فتح ہو چکے تھے اس لئے میں بھی واپسی کی تیاری کرنے لگا۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ میری والدہ محترمہ اور میری اہلیہ اور دو بچے میرے ساتھ تھے۔ پہلا یونس احمد اور دوسرا چھوٹا بچہ ناصر احمد۔ قضائے الٰہی سے چھوٹا بچہ اکبرپور میں فوت ہو گیا اور گھر کے باقی سب افراد موسمی بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ادھر انجمن کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ پورے تین ماہ مجھے تنخواہ بھی نہ مل سکی۔ سخت پریشانی میں وقت گزرنے لگا۔ آخر میں مجبور ہو کر قادیان واپس آ گیا۔ دو چار جگہ مبلغ بیٹھے تھے۔ مثلاً مولوی محمد حسین صاحب۔ منشی عبدالخالق صاحب

(میرے خسر) اور عبدالرشید میرا چھوٹا بھائی؛ چند ماہ کے بعد یہ سب بھی واپس آ گئے اور کام بالکل ختم ہو گیا۔

یہی حال دوسرے اضلاع آگرہ، متھرا، ایٹہ، اٹاوہ وغیرہ کا ہوا۔

میرے علاقہ میں میرے ساتھ مل کر جن احباب نے کام کیا ان میں سے بعض کے نام نیچے درج کرتا ہوں جو کہ یاد رہے:

1- بھائی خدا بخش مومن صاحب
2- منشی عبدالخالق صاحب (میرے خسر)
3- مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی
4- عبدالرشید صاحب (برادرم)
5- ڈاکٹر نور احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن
6- ڈاکٹر عبدالغفار خاں صاحب، پشاور
7- حکیم مرزا محمد شفیع صاحب، لاہور
8- مولوی غلام محمد صاحب حکیم
9- بابو ابراہیم صاحب، سیالکوٹ
10- میاں محمد سعید صاحب، سیالکوٹ
11- محمد ایوب خاں صاحب ہزارہ
12- محمد یامین صاحب کتب فروش قادیان
13- مولوی عبدالعزیز صاحب بھٹی، شرقپور
14- حافظ ملک محمد صاحب برادر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب
15- بقا اللہ صاحب، بھوپال
16- مولوی ارجمند خاں صاحب قادیان
17- میاں وزیر محمد صاحب قادیان
18- ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی
19- عبدالسلام صاحب تبتی
20- ڈاکٹر شمس الدین صاحب
21- مولوی عبدالکریم صاحب جہلمی
22- عبدالکریم خاں صاحب قادیان
23- محمد عالم صاحب بھاگلپوری
24- شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ، لاہور
25- سید ارشد علی صاحب، لکھنؤ
26- مولوی رحمت علی صاحب بنگالی
27- غلام محمد صاحب ٹیلر ماسٹر

کوہ مری میں ملازمت اور وہاں کے مختصر حالات

میں 1926ء میں واپس قادیان آگیا اور اپنے مکان واقع محلہ دارالفضل میں رہنے لگا میری صحت مسلسل کام کرنے کی وجہ سے گر چکی تھی۔ نیز مجھے ہرنیا یعنی فتق کی بیماری لاحق ہوگئی اور آنکھیں بھی سخت خراب ہوگئیں۔ میں نے کسی قدر رخصت لے لینے کے بعد انجمن کی ملازمت چھوڑ دی اور ضلع راولپنڈی میں سروس کر لی پہلے تو راولپنڈی کے قریب ہی چوہڑ کے قریب کے گاؤں میں ایک ورنیکلر مڈل سکول کا ہیڈ ماسٹر لگ گیا اور چند ماہ کے بعد کوہ مری میونسپلٹی کے ہائی سکول میں جگہ مل گئی۔ یہ سب ماسٹر خاکی صاحب کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ کوہ مری میں مَیں نے اپنا تبلیغی شوق جاری رکھا اور خاکی صاحب کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان دنوں 10-12 احمدی دوست یہاں ہوتے تھے۔ بابو الٰہ بخش صاحب پوسٹ ماسٹر اور بابو انشاء اللہ خاں صاحب بنک میں؛ بابو محمد دین صاحب ڈاکخانہ میں؛ چودھری فضل احمد صاحب اے ڈی آئی۔ محمد افضل خاں صاحب صرافہ میں۔ قابل ذکر اصحاب بھی تھے۔ مجھے یہاں کی جماعت نے اپنا پریذیڈنٹ منتخب کر لیا اور میں نے تبلیغ پر خوب زور دیا۔ خاکی صاحب اور میں عام طور پر شام کو روزانہ اور اتوار کو خاص طور پر کوٹھیوں؛ بنگلوں اور بعض مکانوں پر چلے جاتے اور تعلیم یافتہ طبقے میں لٹریچر تقسیم کرتے۔ زبانی تبلیغ بھی کرتے۔ محمد افضل خاں صاحب نے انہی دنوں بیعت کی۔ پہلے پہلے جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے سیرت النبی کے جلسوں کی تحریک کی تو میں نے کوہ مری میں بھی اپنے وقت میں یہ جلسے کروائے۔ نیز خاتم النبیین نمبر 'الفضل' اخبار سینکڑوں کی تعداد میں غیر احمدیوں میں فروخت کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ پانچ سو اخبار بکا۔

کوہ مری میں سلسلہ کا ایک اشد ترین مخالف منشی عبداللہ متولی جامع مسجد تھا۔ وہ قریباً ہر جمعہ

ہمارے خلاف تقریر کرتا۔ میری تبلیغ کے حالات سن کر وہ اور بھی آگ بگولہ ہوگیا۔ اس نے پبلک کو جماعت کے خلاف خوب بھڑکایا اور ایک محضر نامہ میرے خلاف تیار کر کے اور اس پر سینکڑوں دستخط کرا کے انسپکٹر تعلیم کو راولپنڈی بھیجا کہ ماسٹر اسلم کو یہاں سے تبدیل کر دیا جائے۔ انسپکٹر چونکہ ہندو تھا۔ اس لئے اس نے مسلمان اسسٹنٹ انسپکٹر تعلیم کو تحقیقات کیلئے مری بھیجا۔ الزام یہ لگایا گیا کہ میں سکول کے لڑکوں میں تبلیغ کرتا ہوں۔ مگر یہ بالکل غلط تھا اور تحقیقات میں بھی غلط نکلا اسسٹنٹ انسپکٹر راجہ فاضل محمد غیر متعصب انسان تھا۔ اس نے صحیح رپورٹ مرتب کر کے انسپکٹر تعلیم کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس لئے مجھے کوئی نقصان نہ ہوا۔

خدا تعالیٰ کی شان چند ماہ کے بعد ہمارے مخالف منشی عبداللہ کا لڑکا مشتاق احمد احمدی ہوگیا۔ اب تو اس کی دشمنی کا پارہ 100 درجے پر پہنچ گیا۔ ہمارا تو وہ کچھ نہ کر سکا۔ اپنے بیٹے کو مکان میں بند کر کے ہر روز مارتا اور ساتھ اپنے دوسرے لڑکوں کو شامل کر لیتا۔ اس طرح قریباً ایک ہفتہ مشتاق احمد کو مار پٹتی رہی۔ جب مشتاق اپنے ایمان پر قائم رہا اور باپ کا ظلم اسے احمدیت سے نہ ہٹا سکا تو اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ ہمارے پاس آگیا۔ اس کا جسم سوجا ہوا تھا۔ اس کے ناک منہ سے خون نکلتا تھا۔ جب وہ رات کے وقت میرے مکان پر پہنچا۔ ہم نے اس کی ہر طرح امداد کی اور چوہدری فضل احمد صاحب نے اسے باہر کسی سکول میں ٹیچر لگا دیا۔ کیونکہ مڈل پاس تھا۔ سیزن یعنی گرمیوں کے موسم میں ہماری تبلیغ زور پر ہو جاتی۔ کیونکہ میدان سے اکثر امرا اور تعلیم یافتہ لوگ پہاڑ پر آجاتے۔ مال روڈ کا ایک نوجوان سوداگر عبدالسبحان بھی احمدی ہوگیا۔ نیز بہت سے لوگ احمدیت کے قریب تر ہوگئے۔

میں اپنی والدہ محترمہ اور اہلیہ کو بھی لے آیا تھا۔ میرا دوسرا چھوٹا لڑکا رفیع احمد اس وقت قریباً دو سال کا تھا۔ افسوس کہ وہ مکان کی کھڑکی سے گر کر فوت ہوگیا۔ اس کا مجھے اور اس کی والدہ کو بہت صدمہ ہوا۔ بڑا خوبصورت اور پیارا بچہ تھا۔ اناللہ و انا علیہ راجعون.

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ہمارا سکول دوسرے ہی سال کمیٹی سے گورنمنٹ نے لے لیا اور اس طرح مَیں گورنمنٹ سروس

میں آگیا۔ پہلے تو ایک مسلمان ہیڈ ماسٹر سکول میں لگا یہ اچھا آدمی تھا۔ مگر دوسرے ہی سال ایک ہندو ہیڈ ماسٹر تبدیل ہو کر آگیا۔ یہ سخت متعصب' ضدی اور گرے ہوئے چال چلن کا آدمی تھا۔ سکول میں آتے ہی اس نے مسلمان ٹیچروں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ سکول کمپاؤنڈ میں نماز نہ پڑھنے دیتا اور تھوڑی تھوڑی بات پر مسلمان ٹیچروں کی بے عزتی کرتا۔ غرض بڑی بدمزگی سے دن گزرنے لگے۔ انسپکٹر ہندو تھا' وزیر تعلیم بھی ہندو تھا۔ پھر مسلمانوں کی کون سنتا۔ حالات بگڑتے چلے گئے آخر کئی قسم کے فسادات کے بعد محکمہ نے اس کی اور کچھ ٹیچروں کی وہاں سے تبدیلی کر دی۔ اس سلسلے میں میری تبدیلی میانوالی میں ہوگئی۔

راولپنڈی سے 38 میل کے فاصلے پر کوہِ مری صحت افزا مقام ہے اور یہاں کی آب وہوا بڑی خوشگوار ہے۔ خصوصاً تپ دق کے مریضوں کیلئے بڑی مفید ہے۔ میں نے مری کے اردگرد پہاڑی حصوں کی خوب سیر کی۔ یہاں پھل بھی کافی ہوتے ہیں اس زمانے میں خوبانی یہاں خوب ہوتی تھی۔ ٹھنڈی' میٹھی اور بڑی بڑی' ویسے ناشپاتی' بگوگوشہ' سیب' اخروٹ بہت کچھ ہوتا ہے۔ والدہ محترمہ یہاں آکر بہت خوش ہوئیں۔ ہمیں 15 دسمبر سے 15 مارچ تک تین ماہ کی موسمی تعطیلات ہوا کرتی تھیں۔ بعض اوقات نومبر میں یا دسمبر کے شروع میں ہی برف پڑنی شروع ہو جاتی۔ برف پڑنے کا نظارہ بھی عجیب ہوتا تھا۔ سفید سفید روئی کے گالے آسمان سے گرنے شروع ہو جاتے۔ جیسے کوئی دُھنیہ روئی دھن رہا ہو۔ درختوں کے پتے' ٹہنیاں سفید' در و دیوار سفید' زمین کا گھاس سفید' گویا جس طرف دیکھو سفید چادر بچھی ہوئی نظر آیا کرتی۔

برف گرتے وقت کوئی سردی نہ ہوتی۔ جب بعد میں ہوا چلتی تو الامان ایسی سخت سردی کہ ناقابل برداشت ہو جاتی۔ کتنے ہی گرم کپڑے پہن کر نکلو۔ معلوم یوں ہوتا جیسے ننگے بدن کھڑے ہوں۔ برف آہستہ آہستہ زمین پر جم جم کر سخت ہوتی جاتی۔ جیسے ہمارے ہاں میدانوں میں پانی سے جمی ہوئی برف۔ بس پھر عجیب تماشے ہوتے۔ پاؤں پھسلتے' کوئی ادھر جا پڑا کوئی ادھر' ابھی ایک کے گرنے پر قہقہے اٹھ رہے ہیں کہ دوسرا گر گیا۔ میونسپلٹی کدالوں سے کھود کھود کر راستے بناتی۔ گھروں کے آگے برف کے اونچے اونچے ڈھیر لگ جاتے۔ بچے دودھ سے بھر کر گلاس ان میں دبا دیتے تو وہ چند گھنٹوں کے بعد ملائی کی برف بن کر نکلتے۔ بچے بوڑھے جوان سبھی اس برف کا لطف اٹھاتے۔ پارٹیاں باہر جاتیں اور برف کے گولے

بنا بنا کر کھیلتیں برف جم کر عجیب شکلیں بنا لیتی۔ کہیں نالی میں پانی جم کر رول کی شکل بن گیا۔ کہیں چھجے سے بوندیں گرتی گرتی جم گئیں تو جھالر بن گئی۔ کہیں نلکے کا پانی کھلا رہ گیا تو پانی نے لاٹھی کی شکل اختیار کر لی غرض عجب پر لطف سماں ہوا کرتا۔

مری گورنمنٹ ہائی سکول مختصر سا سکول تھا۔ گرمیوں میں تعداد طلبا کچھ زیادہ یعنی 20-25-30 تک ہر جماعت میں ہو جاتی۔ باقی ایاّم میں صرف دو چار لڑکے ہر کلاس میں رہ جاتے۔ میرے شاگردوں میں دو لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے امتیازی پوزیشن حاصل کر گئے۔ ایک تو آج کل مری کارپوریشن کے چیف آفیسر ہیں یعنی خواجہ عبدالطیف ایم اے۔ دوسرے مسٹر نذیر احمد جو آج کل ڈیفنس سیکرٹری ہیں۔ مسٹر نذیر احمد آئی سی ایس شروع میں کراچی کلکٹر کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ اس کے بعد صوبہ سندھ کے راشننگ آفیسر' پھر کمشنر محکمہ بحالیات' پھر کمشنر حیدر آباد ڈویژن اور پھر سیکرٹری منسٹر بحالیات اور آج کل ڈیفنس سیکرٹری لگے ہوئے ہیں۔ جو کہ ایک نہایت اعلیٰ عہدہ ہے۔ میں ان کو مختلف مقامات پر ہر عہدے پر ملا ہوں۔ ہر دفعہ بڑے اخلاق اور محبت سے پیش آتے رہے۔ ان کا کچھ ذکر آگے چل کر آئے گا۔

1929ء میں خدا تعالیٰ نے لڑکی عطا فرمائی جس کا نام کلثوم رکھا گیا۔

والدہ محترمہ کا انتقال

1926ء میں مَیں کوہ مری آگیا تھا۔ والدہ ساتھ تھیں ان کو ایک دیرینہ مرض تھی اور جگر خراب تھا۔ میں نے کوہ مری میں سول ہسپتال میں ان کا علاج کروایا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی۔ مری کی خوشگوار آب وہوا کا اثر بھی صحت پر اچھا پڑا اور بالکل تندرست ہوگئیں۔ چھوٹا بھائی قادیان میں رہتا تھا۔ والدہ ایک سال مری میں رہ کر 1927ء میں قادیان چلی گئیں۔ گرمیوں کے دن تھے جاتے ہی بیمار پڑ گئیں اور آہستہ آہستہ مرض بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دسمبر میں بالکل نڈھال ہوگئیں اور بے حد کمزور ہوگئیں۔ میں اطلاع ملنے پر رخصت لے کر گھر پہنچا۔ اپنی طاقت کے مطابق بڑا علاج کروایا۔ قادیان کے کئی ڈاکٹروں سے بھی اور پھر بٹالے کے ڈاکٹر سے بھی۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ میں نے والدہ کو بڑی تسلی دی اور کہا کہ میں اپنا مکان بیچ کر بھی آپ پر لگا دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی زندگی ختم ہو

چکی تھی۔ ادھر میری رخصت ختم ہوگئی اور میں مری آنے کو تیار ہوا والدہ نے حسرت سے کہا۔ کاش کہ تم آخری وقت میں میرے پاس ہوتے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی مجھ سے جدا ہو جائیں گی۔ چونکہ سکول میں حاضر ہو جانے کے بعد دوسرے ہی دن موسم سرما کی تعطیلات ہونے والی تھیں۔ میں قادیان سے چلا ہی آیا۔ میں نے راستے میں دعا کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر دعا ہو ہی نہ سکی۔ میں نے سمجھ لیا کہ والدہ کا بچنا اب ناممکن ہے۔ چنانچہ میں دوسرے دن صبح مری اسکول میں حاضر ہو گیا اور اسی وقت مجھے قادیان سے تار ملا کہ والدہ وفات پا گئیں۔ انا للہ و انا علیہ راجعون.

دوسرے دن سکول بند ہو گیا اور میں روتا دھوتا واپس قادیان پہنچ گیا۔ مگر والدہ جا چکی تھی۔ آہ وہ ماں جس نے مجھے بڑی مصیبت سے پالا پوسا وہ مجھ سے جدا ہو گئی وہ جس نے میرے لئے بے شمار دکھ سہے' مجھ سے روٹھ گئی' وہ جس نے صرف ہم دو بھائیوں کو دیکھ دیکھ کر اپنی جوانی بڑے صبر سے گزار دی' وہ کہیں غائب ہو گئی' وہ جس نے اپنے باغ کی بہار بھی نہ دیکھی اچانک چلی گئی' وہ میری ماں جو مجھے دیکھ کر جیتی تھی میرا انتظار بھی نہ کر سکی جس کی ہزاروں دعائیں میرے لئے محفوظ قلعہ تھیں اور مجھے ہر آفت سے بچایا کرتی تھیں۔ آج مجھے بے سہارا چھوڑ گئی۔ میری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ مجھ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ خدا تعالیٰ کی مرضی پوری ہوئی اور مجھے اس پر راضی ہونا پڑا۔ راضی ہونا ہی چاہئے تھا۔ اس میں بھلا ہے۔ جدائی کا غم فطرتی تقاضا ہے۔ وہ بھی ضرور پورا ہوتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ والدہ محترمہ کو احمدیت کی دولت بخشی۔ ہجرت کی توفیق دی۔ وصیت کرنے کی سعادت عطا کی اور بہشتی مقبرے میں دفن ہوئی۔

میرا خواب

اللہ تعالیٰ نے مجھے والدہ محترمہ کی بیماری کے ایام میں بذریعہ خواب خبر دی کہ یہ بیماری موت کی بیماری ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ ایک کھلے میدان میں والدہ دوڑی جا رہی ہے۔ ہم دونوں بھائی اسے پکڑنے کیلئے پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ مگر وہ بہت تیز دوڑ رہی ہے۔ آگے ایک برج نما عمارت ہے۔ والدہ اس میں داخل ہو گئی ہم بھی بھاگتے بھاگتے اس میں داخل ہو گئے۔ والدہ اس گنبد کے اندر کی گیلری

میں چڑھ گئی۔ نہ معلوم کس راستے سے اوپر گئی۔ ہمیں وہ راستہ نہیں ملتا۔ حیران ہو کر نیچے والدہ کو دیکھنے لگے۔ والدہ اوپر ہمیں دیکھے لگی۔ آخر ہم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے کہ اب اس کو پکڑ نہیں سکے اور والدہ نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور آنکھ کھل گئی۔

یہ خواب والدہ کی وفات کا کھلا کھلا نظارہ تھا۔ زندگی کی دوڑ ختم ہو گئی اور میں باوجود کوششوں کے اسے اس دوڑ میں روک نہ سکا۔ انا للہ و انا علیہ راجعون.

دوسرا خواب وفات کے بعد

مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت پر پورا یقین تھا کہ والدہ جنت میں جائے گی کیونکہ والدہ نے نہایت پاکیزگی سے دن گزارے اور پارسائی سے عمر بسر کی۔ صبر اور شکر دکھایا۔ میں نے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے خواب میں دکھا کہ میری والدہ جنت میں ہی ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ میں اور میرا لڑکا یونس احمد جو کہ اس وقت صرف پانچ سال کا تھا۔ قادیان میں ہائی سکول کے میدان میں کھڑے ہیں۔ اس میدان میں زمین کے نیچے کی طرف سیڑھیاں جا رہی ہیں۔ ہم دونوں نیچے اتر گئے۔ دیکھا کہ نیچے ایک وسیع میدان گھاس کا ہے اور کہیں کہیں اس میں درختوں کے جھنڈ ہیں نے دیکھا ایک طرف سے والدہ محترمہ چلی آ رہی ہیں۔ میں اور یونس احمد اس کی طرف بڑھے۔ وہ قریب آ کر بیٹھ گئی۔ میں اس کی رانوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ جیسے چھوٹے بچے ماں کی گود میں بیٹھا کرتے ہیں۔ والدہ محترمہ نے کہا یہ تو بہشت ہے تم یہاں کیسے آ گئے۔ یہاں کوئی بغیر اجازت نہیں آ سکتا۔ میں نے کہا' اللہ تعالیٰ نے دو دن کی اجازت دی ہے۔ میں فرط محبت میں رو رہا ہوں۔ مگر والدہ محترمہ بڑے اطمینان سے بیٹھی ہیں۔ ان کو کچھ غم یا فکر نہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر میں اور میرا لڑکا وہاں سے چلے آئے اور انہی سیڑھیوں سے اوپر چڑھ آئے۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

یوں خدا تعالیٰ نے میری تسلی فرمائی اور مجھے کچھ ڈھارس ہوئی۔ لیکن حقیقت میں مجھے والدہ کی وفات کے وقت غم کا پتہ چلا کہ یہ کیا ہوتا ہے۔ والدہ 14 ر دسمبر 1927ء کو فوت ہوئیں۔ اب ہمارا دنیا میں کوئی سچا خیر خواہ نہ رہا۔ کوئی دلی دعائیں کرنے والا نہ رہا' کوئی محبت کرنے والا نہ رہا' والدہ کی وفات پر

اپنے غم کا اظہار چند شعروں میں کیا جن میں سے چند نیچے درج کرتا ہوں۔

میری والدہ

میری پیاری ماں تجھے جب سے نہیں پاتا ہوں میں — خونِ دل پیتا ہوں میں لختِ جگر کھاتا ہوں میں
کیا خبر تھی اس قدر جلدی جدا ہو جائے گی — یاد کر کے تجھ کو دیوانہ سا ہو جاتا ہوں میں
جانتا ہوں اب نہ تیری آئے گی کچھ بھی خبر — ہائے اس نادان دل کو لاکھ سمجھاتا ہوں میں
کیسے کیسے دکھ اٹھا کے تونے پالا تھا مجھے — تیری شفقت یاد کر کے آج چلاتا ہوں میں
قصۂ درد و الم کس سے کہوں جا کر بتا — کوئی بھی غمخوار دنیا میں نہیں پاتا ہوں میں

بہر حال رخصتیں ختم ہونے پر میں مری واپس آگیا۔ اپریل 1930ء میں میری تبدیلی جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ میانوالی ہوگئی۔

1929ء کے سالانہ جلسہ پر میرے لڑکے یونس احمد نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تقریر سے پہلے دس' بارہ ہزار کے مجمع میں میری ایک نظم پڑھی۔ اگرچہ اس کی عمر 6-7 سال کی تھی اور حضرت صاحب نے خود اٹھا کر میز پر کھڑا کیا۔ مگر یونس احمد نے بڑی جرأت سے بلا جھجک اشاروں سے نظم پڑھی۔ سامعین اور حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور برادرم محمد ہاشم ٹھیکدار نمک آف کھیوڑہ نے دس روپے انعام دیا۔ اس نظم کا پہلا شعر ہے۔

مجھے ایک چھوٹا سا لڑکا نہ سمجھو
مجھے کوئی تم ایسا ویسا نہ سمجھو

میانوالی میں

میانوالی پنجاب کے شمال میں ہے۔ علاقہ ریگستان ہے' آب و ہوا گرم' میرے زمانے میں یہاں ایک سکول ماسٹر ابراہیم اور اوورسیئر بابو محمد شفیع احمدی تھے۔ بابو صاحب کے دو تین لڑکے تھے۔ ہمارے ہیڈ ماسٹر ملک محمد حسین ایم۔ اے تھے جو کہ بہت شریف' عالی حوصلہ اور قابل آدمی تھے۔ مجھے ان

کے ساتھ ان کے مکان میں رہنے کا اتفاق بھی ہوا۔ نہایت شفقت سے پیش آتے رہے۔ میں ان کے بچوں کو پرائیویٹ پڑھاتا رہا۔ ملک صاحب ترقی کر کے انسپکٹر تعلیم کے عہدے تک پہنچے۔

میں نے یہاں کے نارمل سکول کے طلباء سے اپنا تیار کردہ ڈرامہ بھی کرایا جو بہت پسند کیا گیا۔ نارمل سکول بھی ملک صاحب کی نگرانی میں تھا۔ میانوالی میں ایک اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز' جسے اے ڈی آئی کہتے ہیں محمد اقبال صاحب تھے جو ایم اے تھے مگر دہریہ خیالات کے تھے۔ اکثر نماز' روزے پر تمسخر اڑاتے رہتے۔ ملک صاحب سے ان کے بڑے تعلقات تھے۔ یہ انگریزی لباس کوٹ پتلون پہن کر رہتے تھے چہرے کا رنگ سیاہ تھا۔ ایک دفعہ سکول میں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہوا۔ تلوک چند محروم بھی اس میں شریک ہوئے ملک صاحب نے مجھے فرمایا آپ بھی کچھ لکھیں تا کہ سکول کا حصہ بھی ہو جائے۔

میں نے کہا میں کوئی شاعر نہیں' مذہبی رنگ میں کچھ لکھ لیتا ہوں مگر انہوں نے اصرار کیا میں مان گیا۔ مصرعہ طرح تھا۔

ے میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

میں نے اے۔ ڈی۔ آئی صاحب کی شان میں ہی چند شعر لکھے۔ تا کہ ایک کام دو کاج ہو جائیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ اے ڈی آئی صاحب سیاہ رنگ کے تھے اور انگریزی لباس میں رہتے تھے۔ میں نے اپنی باری پر مندرجہ ذیل نظم پڑھی۔

کل ایک کالا مین تھا اکڑا ہوا کھڑا — پتلون کوٹ شرٹ ہیٹ اور جراب میں
میں نے ذرا سا جھک کے جو گڈ نائٹ کہہ دیا — وہ ناک بھوں چڑھا کے آیا پیچ و تاب میں
سگریٹ کا کش لگا کے وہ کہنے لگا مجھے — کچھ فرق بھی سمجھتے ہو تم شیخ و شاب میں
تم دیسی لوگ ایٹی کٹ سے نابلد رہے — گڈ نائٹ کہنا لکھا بھلا کس کتاب میں
میں نے کہا حضور میرا کیا قصور ہے — کیوں بے سبب غریب کو پکڑا عتاب میں
لیلائے شب ہے آپ کے چہرے پہ جلوہ گر — خوبیٔ شب دیجور کی ظلمت مآب میں

بس نظم سن کر مجلس میں قہقہے بلند ہوئے' اے ڈی آئی صاحب افسروں کی قطار میں تشریف فرما تھے۔ بڑے پریشان' اور شرمسار' یہ نظم ایسی مشہور ہوئی کہ گلی گلی بچے پڑھنے لگے۔

؎ کل ایک کالا مئین تھا اکڑا ہوا کھڑا

غرض سب لوگ بڑے خوش ہوئے اس دن سے اے ڈی آئی صاحب نے نماز روزے پر تمسخر اڑانا چھوڑ دیا۔

سکول میں ہمارے دوست ماسٹر ابراہیم صاحب جونیئر انگلش ماسٹر تھے۔ احمدیت کے مسائل سے بے خبر، حد سے زیادہ بھلے مانس، اس لئے عام طور پر سکول میں دب کر رہتے۔ ایک غیر احمدی مولوی اس غریب کو بہت تنگ کیا کرتا۔ یہ مولوی صاحب اپنی عادت کے ماتحت مجھے بھی چھیڑنے لگے مگر میں ان کو تسلی بخش جواب دیتا۔

میں نے میانوالی میں جلسہ سیرت النبی ﷺ بھی کیا۔ حالانکہ یہاں کوئی جماعت نہ تھی مگر ہمت کر کے خود ہی پنڈال سجایا۔ سائبان لگوایا، جھنڈیاں لگائیں، سٹیج بنایا، دریاں بچھائیں اور ملک صاحب سے کہہ کر نارمل سکول کے مسلمان طلبا کی شمولیت کی اجازت لے لی۔ کچھ شہر کے لوگ آ گئے تین چار سو کی حاضری ہو گئی۔ تقریر بھی خود ہی کی۔ اس سارے کام میں احمد شفیع بابو اور سیز صاحب کا لڑکا میرے ساتھ رہا اور ماسٹر ابراہیم صاحب بھی کچھ کچھ شریک کار رہے۔

دریائے سندھ میانوالی کے ساتھ سے گزرتا ہے۔ سیلاب آ جائے تو بالکل قریب ہو جاتا ہے۔

میں اس میں ڈوب گیا

گرمی کی تعطیلات میں ایک دن باقی تھا سکول سٹاف بمع ہیڈ ماسٹر صاحب کے دریا پر نہانے اور سیر کرنے چلے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ کپڑے کھول کر اور دھوتیاں باندھ کر سب دریا میں اتر گئے۔ پانی کمر تک تھا۔ ایک ماسٹر نے مجھے پکڑا اور پانی میں دور تک لے گیا۔ پانی گہرا ہوتا گیا میں چونکہ تیرنا نہ جانتا تھا۔ ڈرا اور اس ماسٹر سے بمنت کہا۔ مجھے چھوڑ دو میں گہرے پانی میں نہیں جا سکتا۔ تیرنا نہیں جانتا، ڈوب جاؤں گا، اس نے ایک نہ سنی، میں نے ہر چند منتیں کی۔ اس نے میرا بازو نہ چھوڑا اور گھسیٹتا لے ہی گیا نہ معلوم اس کا ارادہ ہی مجھے ڈبونے کا تھا کہ گہرے پانی میں لے جا کر مجھے چھوڑ دیا۔

میں چند غوطے کھا کر سچ مچ ڈوب گیا۔ اب سب کو فکر پڑی۔ ہر ماسٹر غوطہ لگا کر مجھے بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ میں پانی کے اندر بیٹھا تھا اور موت کے قریب ہو رہا تھا۔ مجھے

اس وقت سوائے موت کے دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ نہ رہی۔ آخر سکول کے کلرک نے خاص ترکیب سے مجھے دھکیل دھکیل کر اونچی جگہ کر کے پانی سے باہر نکالا، باہر نکل کر میں بہت دیر تک حیران ششدر کھڑا رہا۔ بڑی دیر کے بعد میرے حواس قائم ہوئے اور سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے یہ تجربہ ہوا کہ انسان موت کے وقت سوائے اپنی ذات کے سب کچھ بھول جاتا ہے۔

میانوالی میں 31 مئی 1931ء کو اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکا عطا فرمایا۔ جس کا نام داؤد احمد رکھا گیا۔ میں نے 1932ء کے شروع میں اپنا تبادلہ جہلم میں کرا لیا وہاں کا ایک ٹیچر میانوالی آنا چاہتا تھا۔

جہلم میں

اپریل 1932ء میں مَیں جہلم آ گیا۔ یہاں کا سکول طلبا کی تعداد کے لحاظ سے بہت بڑا سکول تھا۔ مگر شہر سے باہر قریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ سکول سے دو فرلانگ پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں صرف 40-45 گھر تھے اور سوائے ایک گھر کے باقی سب احمدی تھے۔ مگر اس کا پرانا نام رام پور چلا آ رہا تھا۔ مَیں نے یہاں اپنی رہائش رکھی اور اس گاؤں کا نام احمدی پور رکھ دیا۔

شہر میں بہت پرانی اور بڑی جماعت تھی۔ مولوی برہان الدین صاحب یہیں کے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوّلین خدام میں سے تھے۔ مگر وفات پا چکے تھے اور ان کے فرزند مولوی عبدالمغنی صاحب اب تک بقید حیات ہیں اور وہاں کی جماعت کے امیر ہیں ہمارے سکول میں ایک احمدی دوست مولوی سعد الدین انگلش ٹیچر تھے۔ بڑے نیک اور قابل انسان تھے۔ ہیڈ ماسٹر چوہدری عمر دین نیچری خیالات کے تھے مگر اچھے آدمی تھے۔

مَیں نے سنا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کلاسوں کا راؤنڈ کرتے ہوئے جب کسی کلاس میں داخل ہوتے ہیں تو معمولی غلطی پر ٹیچر کی بے عزتی کلاس کے اندر ہی کر دیتے ہیں۔ یہ بات ان کی عادت میں داخل تھی۔ کیونکہ بعد میں وہ خود بھی اسے محسوس کیا کرتے۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں میری کلاس میں آ کر میری بھی بے عزتی نہ کر دیں۔

میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی میں نے خواب میں دیکھا کہ سچ مچ ہیڈ ماسٹر میری کلاس میں آیا

اور میری بے عزتی ساری جماعت کے سامنے کی۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور ہم دونوں نیچے اوپر ہونے لگے کہ آنکھ کھل گئی۔

دوسرے دن سکول سے چھٹی ہونے پر مولوی سعد الدین سے اس خواب کا ذکر کیا۔ وہ بہت ہنسے' کہنے لگے' چلو ہیڈ ماسٹر سے ملیں' ان کا مکان ساتھ ہی تھا۔ ہم دونوں وہاں گئے اور چوہدری صاحب کی بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ چوہدری صاحب نے پوچھا کیسے آنا ہوا۔ ہم دونوں ہنس پڑے اور میں نے خواب سنایا۔ چوہدری صاحب بھی سن کر خوب ہنسے کہنے لگے بابا تم احمدیوں کے خواب سچے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے میں تمہارے کمرے میں نہیں آیا کروں گا۔

جان بچی لاکھوں پائے' اور ہم اٹھ کر چلے آئے۔ چنانچہ جب تک میں وہاں رہا۔ میرے کمرے میں ہیڈ ماسٹر صاحب نہیں آئے۔

عربی مولوی صاحب

سکول میں ایک مولوی محمد اشرف عربی ٹیچر بھی تھے جو بڑے سخت متعصب اور مغرور تھے۔ احمدیت کے سخت مخالف' میں چونکہ ورنیکلر ٹیچر تھا۔ وہ سمجھے یہ اردو ماسٹر معمولی علم کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ ماسٹر اسلم شاید غلطی سے احمدی ہوگیا ہے۔ آؤ اسے سمجھائیں۔

چنانچہ وہ تفریح کے وقت اور کبھی خالی گھنٹی میں مجھے لے بیٹھا کرے اور سمجھانا شروع کردے کہ اسلم صاحب آپ کو چونکہ عربی کا علم نہیں غالباً بے خبری میں مرزائی ہوگئے۔ میں بھی مچلا ہوگیا کہا مولوی صاحب مجھے آپ سمجھائیں۔ چنانچہ دس دن وہ مجھے مختلف اختلافی مسائل پر بزعم خود سمجھاتے رہے۔ وفات مسیح' صداقت مسیح موعود وغیرہ مسائل پر وہ سمع خراشی کرتے رہے۔ آخرکار کہنے لگے' کہو کچھ سمجھے۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ نے دس دن لئے ہیں جن میں مَیں خاموشی سے آپ کی باتیں سنتا رہا ہوں۔ اب آپ صرف پانچ دن مجھے دیں اور اسی طرح آپ میری باتیں خاموشی سے سنتے رہیں۔ وہ حیران ہوکر بولا تم کیا کہو گے۔ میں نے کہا' پہلے وفات مسیح پر کچھ دلائل دوں گا۔ پھر جناب مرزا صاحب کی سچائی پر۔

وہ اپنے دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ماسٹر اسلم چونکہ خاموشی سے سن رہا ہے اس پر میرا اثر ہوگیا ہے اور اب یہ توبہ کرلے گیا مگر میرا جواب سن کر کہنے لگا' جا دفع ہو' تم تو پکے کافر ہو۔ دل پر مہر لگ چکی ہے۔

عربی مولوی کا ایک اور دلچسپ لطیفہ

میں احمدی پور میں رہتا تھا اور وہاں کی جماعت میں تبلیغ و تربیت کا سلسلہ جاری تھا۔ سال کے بعد یوم تبلیغ جو آیا تو میں نے جماعت کے دوستوں کے گروپ بنا کر مختلف دیہات میں روانہ کیا اور اس طرح چھ سات دیہات میں تبلیغ کا پروگرام بن گیا۔ مولوی صاحب کا گاؤں ہمارے گاؤں سے قریب ہی تھا۔ اور تین چار گاؤں میں جانے کا راستہ وہاں سے علیحدہ ہوتا تھا۔ پہلا وفد جس نے دوسرے کسی گاؤں جانا تھا۔ مولوی کے گاؤں میں سے جو گزرا تو یہ سوچ کر کہ چلو مولوی صاحب سے گفتگو کرکے آگے چلیں۔ مولوی صاحب کے گھر جا کر دستک دی۔ مولوی صاحب باہر نکلے تو امیر وفد نے کہا کہ آج ہمارا یوم تبلیغ ہے ہم احمدی پور سے آئے ہیں اور آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب یہ سن کر آپے سے باہر ہو گئے اور گالیاں بکنے لگے۔ احمدی دوست بڑے حیران ہوئے اور مولوی صاحب کے گھر سے چلے گئے۔ اتفاق کی بات سمجھئے کہ جب دوسرا وفد وہاں سے گزرا تو اس نے بھی مولوی صاحب کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ مولوی صاحب باہر نکلے اور دیکھا کہ تین آدمی کھڑے ہیں۔ بغیر کچھ پوچھے گالیاں دینے لگے بولے بے ایمانو تم مرزائی ہوگے۔ تم سے پہلے بھی کچھ خبیث آئے تھے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے کافر' مرتد' بے دین۔

یہ وفد بھی گالیاں کھا کر چلتا بنا۔ مولوی صاحب کی شامت سمجھئے یا قدرت کا کرشمہ کہ تیسرا وفد بھی جب یہاں سے گزرا اور اس نے بھی مولوی صاحب کی کنڈی کھٹکھٹائی تو مولوی صاحب اندر سے گالیاں بکتے نکلے۔ او خبیثو' سورؤ' بے ایمانو' تم نے کیا مخول بنا رکھا ہے' یہ وفد بھی حیران ہوگیا کہ یہ کیا بات ہے۔ کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ پہلے دو وفد بھی مولوی صاحب کی زیارت کر گئے۔ یہ بے چارے بھی گالیاں کھا کر چلتے بنے۔

اب میری باری آئی۔ میں ایک دوست کے ساتھ پڑتال کیلئے نکلا کہ آیا وفد ٹھیک جگہ پر جا پہنچے اور کچھ کام ہو رہا ہے کہ نہیں۔ میں بھی مولوی کے دروازے پر جا پہنچا اور دستک دی۔ اب مولوی صاحب

باہر تو نہیں نکلتے۔ مگر اندر ہی اونچی اونچی گالیاں دے رہے ہیں۔ میں بہت حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ کیونکہ میں بھی گزشتہ واقعات سے بے خبر تھا۔ میں نے پھر دستک دی اور زور سے کہا۔ مولوی صاحب میں ماسٹر اسلم ہوں آپ سے ملنے کیلئے آیا ہوں۔ مگر وہ سنتے ہی نہیں۔ گالیاں دیئے جا رہے ہیں او بے ایمانو دفع ہو جاؤ صبح سے تم نے دماغ چاٹ لیا۔ روتے تبلیغ کو۔ جاؤ یہاں سے خبیث کہیں کے۔ مجھے اب کچھ سمجھ میں آیا کہ پہلے بھی دوست ان کے پاس آئے ہیں۔ میں نے پھر زور سے کہا کہ مولوی صاحب باہر تشریف لائیں۔ میں ماسٹر اسلم ہوں۔ اب مولوی صاحب نام سن کر باہر آئے۔ چونکہ خوب گالیاں دے چکے تھے کچھ شرمندہ سے ہو کر بولے یار تم نے کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ چارپائی لے آئے۔ میں بیٹھ گیا۔ اب مولوی صاحب نے سارا حال سنایا کہ صبح سے یہی کام چل رہا ہے۔ ایک گروہ جاتا ہے دوسرا آ جاتا ہے۔ میں نے کہا ان لوگوں کی غلطی تھی۔ آپ ٹھہرے عالم دین وہ نوجوان لڑکے تبلیغ کے جوش میں خواہ مخواہ آپ کے پاس آ گئے۔ بھلا بنجر زمین میں بیج کیا اگے گا۔ مولوی صاحب میرے آخری فقرے پر چونکے اور بولے، دیکھو جی آپ میرے مکان پر آئے ہیں۔ بیٹھیں۔ کھانا پینا ہو تو بتائیں۔ مگر میں کوئی مذہبی بات نہیں کر سکتا میں نے بڑی کوشش کی۔ مگر مولوی صاحب اس طرف نہ آئے۔ آخر میں وہاں سے چل پڑا۔

میں نے یہ سارا واقعہ حضرت صاحب کو قادیان لکھ کر بھیج دیا۔ حضرت صاحب بہت ہنسے اور آپ نے خطبہ جمعہ میں بھی اس لطیفے کا ذکر کر دیا۔ الفضل میں جب خطبہ چھپ کر آیا تو سکول میں اتفاق سے مولوی صاحب نے ہمارے ٹیچر مولوی سعد الدین صاحب سے الفضل لے کر پڑھ لیا اور اگرچہ الفضل میں مولوی صاحب کا نام نہ تھا۔ مگر چور کی داڑھی میں تنکا۔ پڑھ کر بپھر گئے اور مجھے بلایا۔ غضب میں آ کر بولے۔ یہ کیا چھپوایا ہے۔ شرم نہیں آتی تم لوگوں کو۔ میں نے ابھی اخبار نہ پڑھا تھا۔ حیران ہو کر پوچھا مولوی صاحب کیا بات ہے۔ وہ اور بھڑک کے اچھا اب انجان بنتے ہو۔ خود ہی شرارت کی اور اب بھولے بن رہے ہو۔ میں نے اخبار لے کر پڑھا تو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ادھر مولوی صاحب کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ میں نے چپکے سے کھسکنے میں ہی اپنی خیر سمجھی۔

جہلم میں 1932ء نومبر کو اللہ تعالیٰ نے دوسری لڑکی عطا فرمائی جس کا نام بلقیس رکھا گیا۔ اپریل 1933ء کو میں نے اپنا باہمی تبادلہ گوجرانوالہ میں کرا لیا۔

جہلم میں ایک بار میں سخت بیمار پڑ گیا۔ ڈبل نمونیہ ہو گیا اور بچنے کی امید نہ رہی۔ میں اور یونس احمد میرا لڑکا دونوں ہی جہلم میں تھے۔ میری اہلیہ اور دوسرے بچے قادیان میں تھے۔ ان کو تار دے کر بلا لیا گیا۔ میری بیوی سخت گھبرائی اور میں بھی کچھ مایوس سا ہو گیا۔ مگر دعا کرتے رہے کہ ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک شیشے اور بلور کا مکان ہے اس میں ایک شیشے کے تخت پر اللہ تعالیٰ انسان کی صورت میں جلوہ فرما ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ننھے بچے کی طرح ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اچھال رہے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ فرماتے جاتے ہیں۔ اب تم اچھے ہو گئے۔ اب تم اچھے ہو گئے میں نے باری تعالیٰ سے پوچھا یہ کیا جگہ ہے۔ فرمایا۔ یہ جنت ہے اور تمہارے لئے ہے پھر فرمایا سب مومنوں کیلئے ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ آدھی رات کا وقت تھا اور میری بیوی سرہانے بیٹھی تھی۔ میں نے آنکھ کھولی اور مسکرایا۔ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے۔ میں نے اپنا خواب سنایا اور کہا میں اب اچھا ہو گیا۔ خدا کی شان دوسرے دن میں بھلا چنگا تھا۔

گوجرانوالہ میں

گوجرانوالہ پہنچ کر میں نے اپنا تبلیغی مشغلہ ذرا زیادہ کر دیا۔ یہاں کی جماعت اگرچہ تعداد میں کافی تھی مگر پبلک جلسے نہ ہوتے تھے۔ میں نے شروع کر دیئے۔ جماعت نے مجھے سیکرٹری تبلیغ مقرر کر دیا۔ شیخ مشتاق حسین صاحب جو کہ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے والد تھے۔ ان کی شہر میں بڑے موزوں موقع پر شاندار اور عالی شان حویلی تھی۔ اور اس کے آگے بازار کے کنارے کمپاؤنڈ تھا۔ اس میں جماعت نے تبلیغی جلسے کرنے شروع کر دیئے۔

پبلک آتی مگر شرارتیں کرنے کیلئے لوگ شور مچاتے، گالیاں دیتے، پتھر مارتے، سائبان گرا دیتے مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم جلسے کرتے ہی رہتے۔ گوجرانوالہ مخالفت کے لحاظ سے بہت سخت ہے۔ یہاں کے مولوی خاص طور پر ہماری مخالفت میں مشہور ہیں۔ ان دنوں اہل حدیث مولوی اسمٰعیل مخالفت میں پیش پیش تھا۔

میں نے جماعت میں ہفتہ وار اجلاس بھی شروع کئے۔ جماعت کے دوست کافی تعداد میں

آنے لگے۔ جماعت میں سرگرمی پیدا ہوئی۔ مگر جماعت کے بعض ارکان کو کچھ ایسا حسد ہو گیا کہ وہ میرے تبلیغی کام میں روڑے اٹکانے لگے۔ بہت کچھ بدمزگی پیدا ہوگئی۔ جس کی تفصیل لاحاصل ہے۔ اس حاسد گروہ میں ایک سکول ماسٹر قاضی علی محمد بھی تھا جو بعد میں ایک دفعہ شیخ غلام محمد لاہوری مصلح موعود کے ساتھ ہو گیا اور پھر واپس آ گیا' پھر ریٹائر ہو کر سیالکوٹ جا کر بہائی مذہب میں شامل ہو گیا۔ پھر واپس اہل سنت میں آ گیا۔ پھر تبلیغی جماعت میں' غرض اپنی جبلّی عادت کے ماتحت مذہبی رنگ میں ٹھوکریں ہی کھاتا رہا۔

میری طبیعت بدمزہ ہوگئی اور باہمی جھگڑوں کی وجہ سے مَیں نے سیکرٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا۔ آئندہ میں نے عہد کر لیا کہ عہدے کے بغیر تبلیغ کی خدمت کیا کروں گا۔

میں پانچ سال وہاں رہا۔ آخر یہاں سے بھی باہمی تبادلہ کرا کے جالندھر چلا گیا۔ کیونکہ یہ میرے پرانے وطن کھنہ کے قریب تھا۔

گوجرانوالہ سے میرا تبادلہ پہلے فیروز پور ہوا مگر صرف دو چار دن کے بعد انسپکٹر جالندھر ڈویژن نے مجھے جالندھر بھیج دیا وہاں کے ہیڈ ماسٹر نے ایک قابل ایس وی ٹیچر طلب کیا تھا۔

گوجرانوالہ میں میرا لڑکا الیاس احمد پیدا ہوا

میں اس سے قبل چند کتب لکھ چکا تھا۔ مثلاً پنجابی' گیت' میٹھے شبد' کارزار شدھی' نیوگ شاستر وغیرہ۔ یہاں پر میں نے ایک کتاب ''بچوں کی تربیت'' لکھی اور شائع کی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ کتاب سرکاری طور پر لائبریری گورنمنٹ سکولوں' کالجوں' نارمل سکولوں میں منظور ہوگئی اور ایڈوائزری بورڈ آف پنجاب نے بہت اعلیٰ ریمارکس دیئے۔ لکھا کہ:

''یہ کتاب اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو فنِ تربیت پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو مثالوں اور واقعات سے مزین کیا گیا ہے۔ زبان سلیس اور صاف ہے۔ وغیرہ''

اس کتاب پر ملک کے تعلیم یافتہ طبقے مرد اور عورتوں نے اعلیٰ اور قیمتی ریمارکس دیئے۔ ہندو سکھ مسلمان احمدی غیر احمدی سبھی نے اس کتاب کی بے حد تعریف کی۔ یہ اہم اور ضروری کتاب کئی بار شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ آج تک اس کتاب کی مانگ جاری ہے۔ یہ ضخامت میں 250 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ہر ماں باپ کیلئے ضروری ہے۔ اس میں بچوں کی



حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم اپنی تصنیف ''بچوں کی تربیت'' ہاتھ میں لیے ہوئے

تربیت کے نہایت اعلیٰ، دلچسپ، مفید اور آسان طریقے لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ جالندھر میں 'احمدیت کی پہلی کتاب' 'احمدیت کی دوسری کتاب' 'احمدیت کی ننھی کتاب' بھی شائع کی۔

ایک ٹریکٹ ''نیا نظام'' کے نام سے شائع کیا جس میں جنگ جرمن (دوسری جنگِ عظیم) کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں درج تھیں۔ نیز ایک تبلیغی کیلنڈر بھی شائع کیا جو بہت خوبصورت اور رنگین تھا۔ دنیا کا نقشہ اور اس میں ہمارے مشن درج تھے۔

جالندھر میں

اپریل 1938ء میں مَیں جالندھر آ گیا اور میں یہاں بہت خوش تھا کیونکہ یہ میرا اپنا وطن ہی تھا۔ کچھ رشتہ دار قریب ہو گئے اور ملنے جلنے میں آسانی ہو گئی۔ یہاں کوئی بڑی جماعت نہ تھی صرف 6-7 دوست تھے۔ جماعت نے مجھے خطیب مقرر کیا۔ میں نے جالندھر میں بھی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ چند میل کے فاصلے پر جالندھر چھاؤنی تھی۔ یہاں بھی دو تین احباب تھے ماسٹر فقیر محمد صاحب اور عبید اللہ اور بابو فضل دین صاحب اوور سیئر قابل ذکر ہیں۔

میں نے جالندھر میں بذریعہ دعوت طعام تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ کئی بار شہر کے کچھ معززین کو پارٹی کی صورت میں اکٹھے کر کے تقریر کی۔ گو یہاں کسی نے بیعت تو نہ کی لیکن احمدیت کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں ضرور دور ہو گئیں۔ میں نے یہاں کچھ کتب بھی شائع کیں۔ بچوں کی تربیت کا دوسرا ایڈیشن اور کچھ نئی کتب مثلاً احمدیت کی ننھی کتاب' احمدیت کی پہلی کتاب' احمدیت کی دوسری کتاب' نیا نظام' جس میں جنگ جرمن کے حالات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس کے متعلق پیشگوئیاں درج تھیں شائع کیں۔ ایک تبلیغی چارٹ کئی رنگ میں خوبصورت بمع کیلنڈر کے شائع کیا۔ یہ کتب ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ میرا لڑکا یونس احمد اب جوان تھا اور دسویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس نے کتب کی اشاعت میں خوب کام کیا۔

میجک لینٹرن کا اجرا

آپ میری سوانح عمری میں پڑھتے آئے ہیں کہ مجھے شروع ہی سے تبلیغ کا شوق رہا۔ جہاں بھی گیا اپنے اس مقدس فریضے کو جاری رکھا۔ تعطیلات گرما میں ہمیشہ میں تبلیغ کیلئے نکل جاتا۔

1940ء کے سالانہ جلسہ پر میں نے اپنے خداوند خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے کوئی خاص طور پر تبلیغ کرنے کی توفیق دے۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ میں میجک لینٹرن کے ذریعہ تبلیغ کروں۔ مگر میرے پاس روپیہ نہ تھا۔ اس زمانے میں 200 یا 250 روپے میں لینٹرن آتی تھی اور 2 روپے میں ایک سلائیڈ (تصویر) بنتی تھی۔ ایک لیکچر میں کم از کم 50 سلائیڈز کی ضرورت ہوتی ہے اس لحاظ سے مجھے تین چار سو روپیہ درکار تھا۔ مگر میرے پاس تو اس کیلئے ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے میری دعا کو سن لیا۔ اس لئے غیب سے ایسے سامان پیدا کر دیئے۔ جس سے میرا یہ کام آسان ہو گیا۔ میں نے قادیان میں حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ سے عرض کیا کہ میں اس طرح لینٹرن سلائیڈز سے تبلیغ کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔

کمال شفقت اور مہربانی سے حضرت میاں صاحب نے مجھے اس کام میں مفید مشورے دیئے اور دعا کا وعدہ فرمایا اور آخر میں مجھے 10 روپے کا نوٹ دے کر فرمایا۔ یہ میرا حصہ اس کام میں شامل کر لو۔ ہر چند میں نے انکار کیا۔ مگر میاں صاحب نے زبردستی میری جیب میں نوٹ ڈال دیا اور دعا کا وعدہ فرمایا۔ جزاک اللہ واحسن الجزا۔ میں میاں صاحب سے رخصت ہو کر جا رہا تھا کہ میرے ایک شاگرد چوہدری عبدالحمید ابن ڈاکٹر نور بخش صاحب ملے۔ میں نے یونہی سرسری ان سے ذکر کیا کہ میں نے لینٹرن کے ذریعہ تبلیغ کا ارادہ کیا ہے۔ وہ بولے میرے پاس ایک پرانی لینٹرن پڑی ہے۔ میں آپ کو

بہت سستی دے دوں گا۔ صرف 60 روپے میں۔ میری خوشی کو نہ پوچھئے۔ آناً فاناً اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کر دیا کہ میں حیران رہ گیا۔ میں نے وہ لینٹرن فوراً خرید لی اگرچہ وہ بہت معمولی قسم کی تھی۔ مگر میرے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ میں جلسہ کے بعد جالندھر آ گیا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی دوست منشی غلام جیلانی خوش نویس وسلائیڈ میکر کو میری مدد پر کھڑا کر دیا۔ ان سے میں نے اپنے پروگرام کا ذکر کیا۔ منشی صاحب نے کوئی 20 سلائیڈز مجھے مفت بنا دیں۔ جزاک اللہ و احسن الجزا.

کچھ دنوں کے بعد میں اپنے وطن کھنہ شہر میں گیا۔ وہاں ایک احمدی دوست غوث محمد ملے۔ ان سے باتوں باتوں میں تذکرہ ہو گیا تو انہوں نے فوراً 20 روپے مجھے اس کار خیر کیلئے دیئے۔ غرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے جذبہ تبلیغ کی قدر کرتے ہوئے غائبانہ میری مدد کی اور میں نے بسم اللہ کر کے پہلا لیکچر قصبہ شام چراسی کے سالانہ جلسہ پر دیا۔ برادرم شیخ عبدالحکیم صاحب وہاں سیکرٹری تبلیغ تھے جو کہ تبلیغ کا خاص جوش رکھتے تھے۔

مجھ سے پہلے یہ سلائیڈز کے ذریعے لیکچر حضرت مولانا نیرؔ صاحب دیا کرتے تھے جو ہمارے سلسلے کے شیریں بیاں مقرر تھے اور افریقہ کے کامیاب مبلغ جن کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔

میں نے اس کام کو زیادہ منظم طور پر باقاعدگی کے ساتھ جاری رکھا اور آج تک کہ 1963ء جا رہا ہے۔ 300 لیکچر دے چکا ہوں۔ بڑے سے بڑے شہر اور چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں پہنچا اور خدا تعالیٰ نے خاص طور پر ان لیکچروں کو دلچسپ بنایا اور کامیاب فرمایا۔ بعض لیکچروں کا ذکر اپنے اپنے موقع پر کروں گا۔

جالندھر میں ایک عجیب واقعہ

میں جالندھر شہر میں رہتا تھا اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ چھاؤنی میں دو ایک احمدی دوست تھے۔ بابو فضل دین صاحب اوورسیئر کے بیوی بچے اور ان کا نسبتی بھائی عبیداللہ صاحب چھاؤنی میں تھے۔ ان کے مکان پر کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کو عام لوگ جنوں کے قصے کہہ کر سنایا کرتے ہیں۔

عبیداللہ صاحب کا کہنا تھا کہ ہمارے مکان میں رات کے وقت جبکہ ہم کمرے میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں صحن میں کسی کے چلنے پھرنے کی آہٹ محسوس ہوتی ہے اور کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ دیوار گیر پر رکھے ہوئے برتن گر رہے ہیں۔ ہزار کوشش کے باوجود کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر ہم نے وہ مکان بدل لیا اور بازار میں دو بالا خانے لے لئے۔ مگر دوسرے ہی دن یہاں بھی ایسے ہی واقعات ہونے لگے اور آہستہ آہستہ ایک آواز خلا میں پیدا ہونے لگی۔ دکھائی کچھ نہ دیتا۔ لیکن ایک آواز کبھی کمرے میں کبھی صحن میں کبھی دیوار پر سنائی دیتی اور سوال جواب کرتی۔ قصہ تو لمبا ہے مگر مختصر لکھتا ہوں۔ عبیداللہ نے کہا کہ یوں اس آواز سے سوال جواب ہوتے ہیں۔

میں : تم کون ہو۔

آواز : میں جن، جن، جن

میں : تم یہاں کیوں آئے ہو۔

آواز : تمہیں نکالنے کے لئے۔

میں : ہم نہیں نکلیں گے۔

آواز : میں تمہیں تنگ کرتا رہوں گا۔

میں : تم ہمیں کیوں تنگ کرتے ہو۔

آواز : تم نے میری بہن کو مارا تھا۔

میں : مَیں نے تمہاری بہن کو دیکھا بھی نہیں۔

آواز : تم ایک دن کمرے میں لاٹھی گھما گھما کر ہمیں گالیاں دے رہے تھے تو لاٹھی میری بہن کے جا لگی۔

اسی قسم کی گفتگو گھر کے دوسرے ممبروں سے بھی ہوتی رہتی۔ اس جن کا جسے وہ صرف ایک آواز سمجھتے تھے۔ سارے شہر میں شور پڑ گیا اور مجھے بھی معلوم ہو گیا۔ چنانچہ میں صورتحال کو دیکھنے کیلئے چھاؤنی پہنچا۔ عبیداللہ نے مجھے ایک کمرے میں بٹھا دیا اور سارا قصہ سنایا جو بڑا طویل تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جہاں اس وقت وہ آواز آ رہی تھی میں کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ آواز نے مجھے

کہا۔ اسلم صاحب السلام علیکم۔

میں : وعلیکم السلام، تم کون ہو۔

آواز : میں جن، جن، جن

میں : تم یہاں کیوں آئے ہو۔

آواز : میری بہن کو عبیداللہ نے مارا ہے۔

میں : تم چلے جاؤ۔

آواز : نہیں میں نہیں جاؤں گا' یہ قادیان چلے جائیں۔

میں : تم قادیان چلے جاؤ۔

آواز : میں نہیں جا سکتا' میرا دادا نہیں جانے دیتا۔

میں : وہ کیوں نہیں جانے دیتا۔

آواز : وہ غیر احمدی ہے اور میں احمدی ہوں۔

میں : (ہنس کر) ہم لوگ جنوں کو نہیں مانتے۔ اس قسم کی لمبی گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں نے کہا۔ تم یہاں اکیلے ہو یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے۔

آواز : میرا بھائی بھی یہاں ہے۔

میں : وہ کہاں ہے۔

آواز : وہ نیچے کے کمرے میں رہتا ہے۔

میں نیچے عبیداللہ کو لے کر گیا اور دعا شروع کر دی اوپر سے زور زور سے وہی آواز آئی میرا بھائی اب اوپر آ گیا ہے۔ میں نے کافی وقت لگایا اور بہت باتیں کیں۔ مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ آخر میں مَیں دوسرے دن پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔ دوسرے دن میں بمع بیوی بچوں کے گیا۔ اس دن بھی اسی طرح باتیں ہوتی رہیں۔ بعض سوال میں نے آزمائشی رنگ میں کئے مثلاً۔

میں : بتاؤ اس جنگ (جنگِ جرمن) میں کون فتح یاب ہوگا۔

آواز : انگریز۔

حالانکہ اس زمانے میں سارے لوگ یہی کہا کرتے تھے کہ جرمن جیتے گا۔ صرف حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کہہ رہے تھے کہ انگریز کامیاب ہوں گے۔

میں نے پھر کہا۔ اچھا بتاؤ۔ میری قوم کیا ہے۔

آواز : قریشی۔

میں : اور میری بیوی کی۔

آواز : ارائیں۔

حالانکہ کسی کو بھی اس کا علم نہ تھا بہت دیر باتیں کرنے کے بعد میں چلنے لگا۔

آواز : اسلم صاحب آپ نہ جائیں۔ آج یہاں رہیں۔

میں : نہیں مجھے ضروری کام ہے' میں یہاں ٹھہر نہیں سکتا۔

آواز : اچھا بال بچوں کو چھوڑ جاؤ۔

میں : نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔

آواز : اگر تم گئے تو میں تمہارا تانگہ الٹادوں گا۔

میں : اب تو میں ضرور جاؤں گا۔ ہم لوگ صرف خدا تعالیٰ ہی سے ڈرتے ہیں میں دیکھوں گا تم کس طرح تانگہ الٹاتے ہو۔

غرض آواز چیختی چلاتی رہی۔ آج نہ جاؤ' آج نہ جاؤ' میں واپس شہر آ گیا۔ تیسرے دن پھر وہاں پہنچا۔ آواز بدستور جاری تھی۔ میں نے کہا' تم نے تانگہ نہ الٹایا جواب دیا مجھے بچوں پر ترس آ گیا۔

آخر میں نے یہ سب واقعہ مفصل قلمبند کر کے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایداللہ کی خدمت میں قادیان بھیج دیا اور عرض کیا' حضور نے تفسیر کبیر میں 100 صفحے صرف جن کی تشریح میں لکھے ہیں۔ اور آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کہیں کوئی اس قسم کا واقعہ رونما ہو تو مجھے اطلاع دی جائے۔ میں تحقیقات کراؤں گا۔ اب حضور اس واقعہ کی تحقیق کیلئے کسی کو بھیجیں۔ چنانچہ میری چٹھی پہنچنے پر حضور نے مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کو تیار کیا۔

لیکن اسی دوران میں عبیداللہ کی زبانی معلوم ہوا کہ ایک جن نکالنے والا آیا اور وہ اس آواز کو

بوتل میں مقید کر کے لے گیا۔ واللہ اعلم بصواب یہ کہاں تک درست ہے۔ اس قسم کے جنوں کا میں قائل نہیں لیکن اس آواز کا پتہ نہ چل سکا کہ کیا تھی۔

میں جالندھر میں 1938ء سے 1942ء تک رہا۔ محکمہ تعلیم میں ہندوؤں کا زور تھا انسپکٹر سکھ تھا۔ میری تبلیغ کا چرچا تو تھا ہی۔ مل ملا کر ہندو ہیڈ ماسٹر نے مجھے یہاں سے تبدیل کرا کے فاضلکا بھیج دیا۔ مگر میں اپنی تبدیلی کو یہی سمجھا کرتا کہ گورنمنٹ کے خرچ پر مختلف علاقوں میں تبلیغ کر رہا ہوں۔ جہاں چاہیں بھیج دیں۔ میں نے تو تبلیغ ہی کرنی ہے۔

لیکن فاضلکا میں مَیں صرف چند ماہ رہا۔ کیونکہ میری صحت خراب ہوگئی اور چھٹی لے کر قادیان آ گیا۔ جالندھر میں رہتے ہوئے مَیں نے لینٹرن سلائیڈز لیکچر بہت سے مقامات پر دیئے۔ مثلاً لودیانہ' انبالہ' پٹیالہ' سنور' سامانہ' سرہند وغیرہ۔

ایک کامیاب تبلیغی دورہ

یہ 1943ء کا زمانہ تھا۔ میں نے اپنی رخصت سے یوں فائدہ اٹھایا کہ اپنے لڑکے یونس احمد کو ساتھ لے کر حیدر آباد (دکن) تک لینٹرن لیکچر دینے کا پروگرام بنایا اور قادیان سے بسم اللہ کر کے روانہ ہو گیا۔ اس تبلیغی دورے کا ذکر کرنے سے پہلے قادیان میں اپنے لیکچروں کا حال بتانا چاہتا ہوں۔

میرا ایک خواب

مَیں نے خواب دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کرسی میز لگائے بیٹھے ہیں اور میں کھڑا اپنے لینٹرن سلائیڈز کے متعلق آپ سے ذکر کر رہا ہوں اور عرض کر رہا ہوں کہ حضور میں نے تبلیغ کیلئے لینٹرن سلائیڈز کے لیکچروں کا انتظام کیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ یہ لیکچر مفید ثابت ہوں۔ حضور نے مجھے پانچ کا نوٹ دیتے ہوئے فرمایا۔ بہت اچھا ہے۔ میں نوٹ لے کر پھر اپنا بیان شروع کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے مجھے پانچ روپے کا نوٹ دیا اور فرمایا یہ مریم کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ صبح ہی میں حضرت امِ طاہر آپا مریم کی خدمت میں پہنچا۔ آپا مریم بہت ہی شفقت اور محبت سے مجھے

اپنے مکان کی سیڑھیوں کے اوپر کے دروازے پر پردے کے اندر ملیں۔ میں نے اپنا خواب بیان کیا اور عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میں یہ لیکچر حضرت صاحب کی موجودگی میں دوں۔ آپ ایسا انتظام فرمائیں کہ حضرت صاحب میرے لیکچر کو سن سکیں۔

آپا مریم میرا خواب سن کر بہت خوش ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ابھی آئی آپ ذرا ٹھہریں۔ اتفاق سے اس دن حضرت صاحب کی باری ام طاہر آپا مریم کی طرف تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپا صاحبہ واپس تشریف لائیں اور مجھے 5-5 کے تین نوٹ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک نوٹ حضرت صاحب کی طرف سے ایک مریم کی طرف سے جیسا کہ آپ نے خواب میں دیکھا ہے اور ایک نوٹ بطور شکریہ کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ کو میرا نام بتایا۔ یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ میں کسی دن آپ کے لیکچر کا انتظام کر کے اطلاع دوں گی۔

چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد آپا صاحبہ کی طرف سے مجھے اطلاع ملی کہ آج رات کو آپ کا لیکچر میرے مکان کے نیچے کھلے صحن میں ہوگا۔ آپ مغرب کی نماز کے بعد آجائیں۔ یہ لیکچر مستورات میں تھا اور آپا صاحبہ نے ٹکٹ لگا دیا تھا۔ رات کو لیکچر ہوا اور حضرت صاحب کو سامنے کٹہرے میں اوپر بٹھا دیا گیا۔ حضرت صاحب کے کھانسنے کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔ لیکچر کے بعد آپا صاحبہ نے شکریہ ادا کیا اور مبلغ 53 روپے بھی بھجوائے جو ٹکٹوں سے حاصل ہوئے تھے اور اس لیکچر سے متاثر ہو کر قادیان کے ہر محلے میں ایسے لیکچر مستورات میں آپا صاحبہ نے کروائے اللہ تعالیٰ اس نیک اور پارسا اور ہمدرد خاتون کو بہشت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات دیتا چلا جائے۔ (آمین)

اس کے بعد قادیان میں میرے اور بھی بہت سے لیکچر مردوں میں ہوتے رہے۔

میرا تبلیغی دورہ

1943ء میں خاکسار نے قادیان سے یہ دورہ شروع کیا اور اپنے ساتھ اپنے بڑے لڑکے یونس احمد کو ساتھ لیا۔ یہ لیکچر جالندھر، لودھیانہ، انبالہ، سنور، سامانہ، دہلی، حیدرآباد (دکن)، گلبرگہ، یادگیر، بمبئی میں ہوئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب رہے۔

دہلی میں

دہلی میں میرے لیکچر کئی حلقوں میں ہوئے۔ لیکن عربک کالج ہال میں نہایت کامیاب لیکچر ہوا۔ جماعت دہلی نے بڑے بڑے پوسٹروں کے ذریعے شہر میں اعلان کیا کہ بذریعہ لینٹرن سلائیڈز عربک کالج ہال میں جنگ عظیم کے متعلق جماعت احمدیہ کی طرف سے لیکچر ہوگا۔ اس کے بالمقابل غیر احمدی انجمن سیف الاسلام نے بھی ایک اشتہار دیا کہ کوئی مسلمان اس لیکچر میں نہ جائے یہ لوگ کھینچ تان کر مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو موجودہ جنگ جرمن پر چسپاں کرتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی شان دیکھو جب ہال میں خاکسار کا لیکچر شروع ہوا تو اتنی مخلوقات آئی کہ ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی اور اکثر لوگ ہال کے باہر کھڑے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے اطمینان کے ساتھ لیکچر سنا۔ اس لیکچر کا شہر میں خوب چرچا ہوا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا احسان تھا۔

یادگیر میں

یادگیر حیدرآباد دکن کا ضلع ہے اور مشہور بارونق شہر ہے۔ وہاں ہماری بہت بڑی جماعت ہے۔ جماعت کے امیر اس وقت جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل تھے جو بہت مخلص اور سرگرم کارکن ہیں۔ یہاں کی جماعت نے ایک وسیع میدان میں میرے لیکچر کا انتظام کیا اور پنڈال کو خوب آراستہ کیا۔ جھنڈیاں اور دروازے بنائے۔ موسم برسات کا تھا رات کو جب لیکچر شروع ہوا تو کچھ بادل آسمان پر چھا گئے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ دوست گھبرا گئے۔ پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں بھی ہلچل مچ گئی۔ مگر میں نے لیکچر شروع کر کے ترنم سے کچھ اشعار پڑھ کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ بارش نہیں ہوگی لیکچر دیئے چلے جاؤ۔ میں نے پبلک کو بھی یقین دلایا کہ بارش نہیں ہوگی آپ اطمینان سے بیٹھ جائیے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ قادر نے ایسا ہی کیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ لیکچر ہوتا رہا بوندا باندی ختم ہوگئی۔ لوگ تسلی سے لیکچر سنتے رہے اور جب لیکچر ختم ہوا تو بارش شروع ہوگئی اور ایسی زور سے کہ گھر تک پہنچنا دشوار ہوگیا۔ لوگوں پر اس واقعہ کا بھی گہرا اثر ہوا اور جماعت تو خدا تعالیٰ کا یہ کرم دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئی۔

میرا ایک خواب یادگیر میں پورا ہوا

اس تبلیغی سفر سے بہت عرصہ پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں ایک پہاڑی پر چڑھ رہا ہوں۔ چڑھنے کیلئے اس پہاڑی پر سیڑھیاں سی بنی ہوئی ہیں اوپر چڑھ کر میں نے دیکھا کہ یہاں ایک مکان ہے۔ میں نے یہاں کھڑے ہوکر اونچی آواز میں آذان دی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ سارا خواب اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ اس خواب کی تعبیر حضرت صاحب سے معلوم کرنے پر یہ معلوم ہوئی کہ آذان کا دینا تبلیغ کرنا ہوتا ہے۔

چنانچہ یادگیر شہر کے ساتھ ہی ایک پہاڑی ہے۔ امیر جماعت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مجھے کچھ اور دوستوں کے ساتھ اس پہاڑی کی سیر کو لے گئے۔ مجھے اپنا خواب بھولا ہوا تھا۔ مگر اس پہاڑی پر چڑھنے کیلئے پتھر کی سیڑھیاں دیکھ کر یاد آ گیا۔ میں حیران ہوگیا کہ بالکل وہی خواب والا نظارہ سامنے تھا۔ اوپر جا کر اسی طرح ایک مکان نظر پڑا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سجدہ میں گر پڑا اور پھر اٹھ کر اونچی آواز میں آذان دی۔ 11 بجے دن کا وقت تھا بستی کے لوگ اذان کی آواز سن کر حیران ہو گئے اور میرے سب ساتھی بھی کہ یہ اذان کا کون سا وقت ہے۔

میں نے ان دوستوں کو اپنا خواب سنایا جو کہ دونوں طرح سے پورا ہوگیا۔ ظاہر میں بھی پہاڑی پر چڑھنا اور قادیان سے اتنی دور آ کر تبلیغ کرنا بھی۔ **الحمدلله ثم الحمدلله علیٰ ذالک.**

حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب آف سکندرآباد دکن

سیٹھ صاحب موصوف ہماری جماعت میں ایک ولی اللہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ اگرچہ 1915ء کے قریب احمدی ہوئے مگر پیچھے سے آ کر بہت آگے نکل گئے۔ بڑے متقی، پرہیزگار، سخی داتا، تہجد گزار، شب بیدار انسان تھے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں روپے تبلیغ میں خرچ کر ڈالے لاکھوں روپے غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسافروں اور مبلغوں پر صرف کئے۔ ان کی صفات مَیں احاطہ تحریر میں نہیں لا سکتا۔ جماعت کا ایک ایک فرد ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہے۔

میرا یہ تبلیغی سفر سیٹھ صاحب کی ایما پر ہی تھا۔ آپ نے مجھے قادیان میں سالانہ جلسے پر فرمایا کہ

میں نے ایک عیسائی کو میجک لینٹرن سے تصاویر دکھا کر دین مسیحی کی تبلیغ کرتے دیکھا ہے۔ میں نے دعا کی کہ کاش کہ ہماری جماعت کا بھی کوئی مبلغ اس طرح تبلیغ کرے اور جب میں نے سیٹھ صاحب کو بتایا کہ میں نے یہ کام شروع کر دیا ہے تو بے حد خوش ہوئے اور مجھے حیدرآباد آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ جب میں اپنے تبلیغی دورے پر حیدرآباد پہنچا تو آپ نے حیدرآباد، سکندرآباد، گلبرگہ، یادگیر، بمبئی، کلوہ ضلع تھانہ میں میرے لیکچر کروائے۔ اور میری مالی امداد بھی فرمائی اور پھر سالہا سال تک مجھے ماہوار بھی باقاعدگی کے ساتھ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہے اور یہ سلسلہ تقسیم ملک تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر بے شمار رحمتیں کرے اور آپ کو فردوسِ بریں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

بمبئی میں لیکچر

بمبئی جیسے عظیم الشان شہر میں میرے دو لیکچر ہوئے۔ ایک نیمر وڈ ہال میں اور دوسرا کھڑا پارسی ہال میں۔ جماعت بمبئی نے بذریعہ اشتہار اور مقامی اخبارات (اردو، گجراتی، انگریزی) میں لیکچر کے اعلان کئے اور یہ لیکچر بھی کامیاب رہے۔

کلوہ ضلع تھانہ میں

سیٹھ صاحب کے داماد شیر علی صاحب کلوہ میں رہتے تھے اور یہاں صرف یہ ایک ہی احمدی تھے۔ سیٹھ صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ یہاں ایک لیکچر ہو جائے۔ مگر وہاں بہ سبب مخالفت لیکچر دینا بہت مشکل تھا۔ سیٹھ صاحب نے دعا کر کے مجھے وہاں بھیج دیا۔ کلوہ پہنچ کر شیر علی صاحب سے مشورہ کیا۔ وہ کہنے لگے۔ یہاں لیکچر نہیں ہوسکتا۔ میں نے ان سے کہا کہ قصبے کے کچھ سرکردہ لوگوں کو مجھ سے ملوایئے۔ چنانچہ میں چند لوگوں سے ملا۔ ان کے شبہات دور کئے اور جماعت کی تبلیغ کا تذکرہ کر کے اپنے سلائیڈز لیکچروں کی رپورٹ سنائی کہ یہ صرف اسلامی خدمت ہے اور آپ لوگوں کا کام ہم کر رہے ہیں۔ خدا خدا کر کے یہ لوگ رضامند ہو گئے کہ آپ لیکچر دیں لیکن ہمارے زیر انتظام۔ اندھے کو کیا چاہئے دو نین، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ خود انتظام کریں۔ چنانچہ شہر میں منادی کرا دی گئی اور رات کو شیر علی صاحب کے مکان کے

قریب ہی کھلے میدان میں میرا لیکچر ہوا۔ تمام انتظام وہ معزز غیر احمدی ہی کرتے رہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

سیٹھ صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی سکندر آباد سے آئی ہوئی تھیں۔ وہ بہت خوش ہوئیں اور جب سیٹھ صاحب کو رپورٹ پہنچی تو بے حد خوش ہوئے اور پھولے نہ سمائے۔

حیدر آباد (دکن) میں لیکچر

حیدر آباد میں میرے تین لیکچر ہوئے ایک احمدیہ جوبلی ہال میں اور دوسرا نواب اکبر یار جنگ بہادر کے بنگلے پر اور تیسرا مستورات میں نواب آصف الدولہ کے محل میں۔

نواب اکبر یار جنگ بہادر

یہ احمدی بزرگ ریاست حیدر آباد کے ہوم سیکرٹری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ بڑے پارسا اور متقی انسان تھے۔ آپ نے اپنے بنگلے پر میرا لیکچر کروایا اور شہر کے تمام رؤسا اور معززین کو مدعو کیا۔ کھانے کی پرتکلف دعوت بھی دی۔ لیکچر سے تمام حاضرین بے حد محظوظ ہوئے اور نواب صاحب خاص طور پر مسرور ہوئے۔ یکصد روپیہ مجھے عطا کیا اور فرمایا کہ یہ طرزِ تبلیغ بے حد مؤثر اور مفید ہے۔ آپ ہماری ریاست میں مستقل کام کریں۔

مستورات میں لیکچر

سیٹھ صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی سیٹھ صاحب کی طرح دینداری کے نشے میں سرشار تھیں۔ انہوں نے حیدر آباد کی تمام رؤسا کی بیگمات اور تعلیم یافتہ مستورات کو میرے لیکچر کیلئے بلایا۔ یہ لیکچر نواب آصف الدولہ کے عظیم الشان محل میں ہوا اور لیکچر ختم ہونے پر ایک معزز خاتون نے جو کہ کسی انجمن کی صدر تھیں۔ میرا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ:

''ہمیں آج معلوم ہوا ہے کہ احمدیت اسلام ہی کا دوسرا نام ہے ہمارا یہ وقت بہت ہی اچھا گزرا

ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔''

حیدر آباد سے واپسی اور دہلی میں کتب کی اشاعت

مَیں اور میرا لڑکا یونس احمد اس لمبے دورے سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور دہلی میں چند روز قیام کیا۔ یہاں پر چند کتابیں چھپوائیں۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

پیارے خدا کی پیاری باتیں' مقدس کہانیاں' دین ملا' شیطان کانفرنس وغیرہ۔

خداتعالیٰ کے فضل سے میرا یہ تبلیغی دورہ بڑا کامیاب رہا۔ ہزاروں لوگوں کو صداقت کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملی۔ دعائیں کرنے کا موقع ملا۔ سیرو فی الارض کا مزہ بھی چکھا۔

بڑی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس تبلیغی کام میں سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب جیسے مخیّر اور ہمدرد انسان کو میری مدد پر کھڑا کر دیا۔ میں 1944ء میں واپس قادیان پہنچ گیا۔

یونس احمد اسلم

یونس احمد اسلم میرا سب سے بڑا لڑکا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی مجھے بشارت دی تھی۔ سو خداتعالیٰ نے ساری اولاد میں سے اپنے لئے اسے چن لیا۔ خداتعالیٰ نے مجھے فرمایا تھا کہ'

''تم یونس نبی ہو' خداتعالیٰ تمہیں دو بچے دے گا ان کا نام یونس رکھنا'' اس لئے خداتعالیٰ نے اس بچے پر خاص طور پر نظرِ عنایت رکھی اور اسے دیندار بنایا۔ دین کیلئے زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور آج یہ قادیان میں درویشانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی کے حکم کے ماتحت کراچی کی جماعت کی طرف سے سب سے پہلے وفد میں حفاظتِ قادیان کیلئے یونس احمد بھی قادیان جا پہنچا اور وہاں پہنچ کر ہمیشہ کیلئے درِ مہدی پر دھونی رما کر بیٹھ گیا اور اب وہاں تقویٰ اور طہارت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کی بیوی امتہ السلام جو کہ ایک معزز اور آسودہ حال گھرانے کی لڑکی ہے اس کے ساتھ نہایت محبت اور وفاداری سے زندگی بسر کر رہی ہے اگرچہ یونس احمد مالی لحاظ سے تنگدستی سے دن گزار رہا ہے مگر اس کی بیوی کی زبان پر کبھی شکوے کا لفظ تک نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اس لڑکے کو کثیر اولاد عطا فرمائی ہے۔

1929ء میں 6-7 سال کی عمر میں یونس احمد نے میری ایک نظم جلسہ سالانہ میں حضرت صاحب کی موجودگی میں پڑھی تھی اور خدا تعالیٰ نے اس نظم کے مضمون کے مطابق ہی یونس احمد کو زندگی بسر کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔ دونوں میاں بیوی بڑے صابر شاکر عابد اور متقی پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کی اولاد پر اپنی رحمت برساتا رہے۔ (آمین)

میں نے اپنے بچے یونس احمد پر بچپن میں تربیت کیلئے زیادہ سختی کی۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا قلق رہتا ہے۔ گو اس سختی کا نتیجہ اس کیلئے بہت ہی اچھا نکلا اور وہ بڑا دیندار نیک اور خادم دین ہو گیا تاہم میں اپنے خدا تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ میں نے اپنے بیٹے پر ضرورت سے زیادہ سختی کی اسے تو اللہ تعالیٰ نے انعام بخشا کہ قادیان میں درویش بننے کی توفیق فرمائی اور مجھے غالباً یہ سزا مل گئی کہ وہ مجھ سے مستقل طور پر دور ہو گیا۔ کبھی کبھار ملنا ہوتا ہے۔ وہ بھی تھوڑی دیر کیلئے میں اس کی جدائی میں ہمیشہ بے چین رہتا ہوں۔

میری کراچی میں آمد

1945ء میں مَیں اپنے ایک شاگرد مسٹر نذیر احمد آئی سی ایس کو جو کراچی میں راشننگ آفسر تھے۔ ملنے کیلئے یہاں آیا یہ جماعت کے فرد نہیں تھے۔ مگر ان کو احمدی جماعت سے حسن ظنی ضرور تھی اور اکثر احمدی احباب سے واقف تھے۔ میں ایک مہینہ ان کے پاس رہا۔ اس دوران میں کراچی کی جماعت نے مجھے لینٹرن سلائیڈز لیکچروں کیلئے دعوت دی۔ چنانچہ میں نے قادیان میں یونس احمد کو لکھا کہ وہ لینٹرن وغیرہ لے کر فوراً آ جائے۔ اس کے آ جانے پر میرے تین لیکچر تھیوسافیکل ہال کراچی میں ہوئے۔ جن میں کثرت سے لوگ آتے رہے۔ مسٹر نذیر صاحب بھی میرے ساتھ ہی اپنے بنگلے سے لیکچر سننے آتے رہے۔ اس زمانے میں جماعت کراچی صرف 50-60 افراد پر مشتمل تھی۔ ان لیکچروں کا پبلک پر اور جماعت پر بہت اچھا اثر رہا۔ تبلیغ کرنے کیلئے مجھے شہر کراچی بہت پسند آیا چنانچہ میں نے واپس قادیان پہنچ کر کراچی میں مستقل طور پر رہنے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانے میں کراچی کی آبادی صرف ساڑھے تین لاکھ کے قریب تھی۔

میں نے یونس احمد کو پہلے کچھ روپیہ دے کر بھیجا کہ وہ کوئی کام کراچی میں شروع کر دے۔ اس

کے ایک سال کے بعد میں بمع بال بچوں کے کراچی پہنچ گیا۔ ان دنوں ملک میں لکڑی اور کپڑے اور بعض دیگر اشیاء پر حکومت کا کنٹرول تھا اور یہ سب کچھ مسٹر نذیر احمد کے زیر انتظام تھا۔ چنانچہ مسٹر نذیر احمد صاحب نے مجھے لکڑی اور کپڑے کے ڈپو دے دیئے تھے۔ مسٹر نذیر احمد میری بڑی عزت کرتے تھے اور میں نے ان کو کسی قدر تبلیغ بھی کی۔ میری دعا سے وہ کوشش کر کے کمشنر بحالیات صوبہ سندھ ہو گئے۔ ون یونٹ ہو جانے پر وہ حیدرآباد (سندھ) کے کمشنر بن گئے اور ملٹری حکومت میں خدا تعالیٰ نے پہلے سے زیادہ ان کو ترقی دی۔ آج کل وہ ڈیفنس سیکرٹری کے اہم عہدے پر فائز ہیں۔ یہ صاحب پاکستان کے ایک نہایت دیانتدار، محنتی اور انصاف پسند افسر ہیں اور پبلک میں ہر دلعزیز بھی ہیں۔

کراچی میں ہم لوگ 3-4 سال رہے اس عرصہ میں خدا کے فضل سے مجھے تبلیغ کے اچھے مواقع ملے۔ ایک مرتبہ خالقدینا ہال میں گورونانک کے جنم دن پر سکھوں کے جلسہ میں میرا لیکچر ہوا جس کا عنوان تھا "گورونانک کا پیغام" یہ لیکچر اتنا مقبول ہوا کہ سکھوں نے کئی گردواروں میں میرے لیکچر کروائے ان ایام میں مَیں نے علاقہ سندھ میں میجک لینٹرن کے لیکچروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حیدرآباد، میرپور، ڈگری، کنری، محمود آباد، ناصر آباد، محمد آباد، گوٹھ عبداللہ وغیرہ۔

1947ء کا خونی انقلاب

اس انقلاب سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے کہ کس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ اس کی تفصیل نہایت دکھ دہ ہے اور یہاں اس کی ضرورت بھی نہیں۔ صرف اس قدر بتانا ہے کہ 1947ء میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے پاکستان کا ملک عطا فرمایا۔ ہزاروں مسلمان مرد عورتیں بچے ہندوستان میں مارے گئے۔ لاکھوں اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان چلے آئے یا ان کو زبردستی وہاں سے نکال دیا گیا۔ میں نے یہ خوفناک نظارے نہیں دیکھے لیکن اخباروں میں پڑھ پڑھ کر خون کے آنسو روتا رہا۔

میرا ایک خواب

اللہ تعالیٰ نہایت محبوب ہستی ہے۔ میری آہ و زاری اور مسلمانوں کے قتل و غارت کے حالات سن

کررنج والم کو دیکھ کر میرے مولا نے مجھے ایک پرلطف خواب دکھا کر تسلی فرمائی۔

میں نے دیکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا سمجھ کر عرض کر رہا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ مجھے کچھ دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں بہت کچھ دیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا اللہ تعالیٰ اور بھی دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک چینی کی پیالی دی۔ میں نے پیالی پکڑ کر دیکھا تو اس میں گھی اور کھانڈ ملا ہوا پڑا ہے۔ میں نے مزے لے لے کر اسے کھانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے اس کا معاوضہ ہے جو تم مسلمانوں کے قتل و غارت سن سن کر رویا دھویا کرتے تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ بس گھی کھانڈ کھاتے کھاتے ہی آنکھ کھل گئی۔

قادیان کی حالت

بوقت انقلاب جو قادیان کے حالات تھے اور جیسے جیسے وہ بدلتے رہے۔ احباب ان سے بخوبی واقف ہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی ہدایت کے مطابق حفاظت مرکز کیلئے جو وفد قادیان جانے لگے۔ ان میں سب سے پہلا وفد کراچی کی جماعت کا تھا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا لڑکا یونس احمد اسلم اس میں شامل تھا۔ اگرچہ پہلے تین تین ماہ کیلئے احمدی دوست اپنا نام قادیان جانے کیلئے دیتے تھے اور اس طرح دوست آتے جاتے رہتے تھے۔ مگر یونس احمد نے قادیان پہنچ کر مستقل طور پر قادیان رہنے کیلئے اپنا نام دے دیا اور زندگی وقف کر دی اس زمانے میں قادیان کے درویش بہت سخت مشکلات میں تھے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر دن رات بسر کر رہے تھے۔ چاروں طرف مصائب کے پہاڑ تھے جو احمدی دوست اس زمانے میں وہاں رہے ان کی یہ بہت بڑی قربانی رہتی دنیا تک مشہور رہے گی۔ انتہائی تنگدسی کی حالت تھی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے بے شمار انعامات سے نوازے گا۔

میرا کراچی سے پنجاب چلے آنا

کراچی سے یونس احمد قادیان جا چکا تھا اور کاروبار سب اسی کے سر پر تھا۔ چھوٹے لڑکے ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس لئے ہمارا کام خراب ہونے لگا۔ ہم نے لکڑی اور کپڑے کا کام چھوڑ کر ایک

چھوٹا سا ہوٹل کر لیا تھا اور اسے یونس احمد ہی چلا رہا تھا مگر قادیان چلے جانے کے بعد ہوٹل فیل ہو گیا اور آہستہ آہستہ مجھ پر قرضہ چڑھنے لگا۔ جوں توں کر کے ایک سال تو گزارا۔ آخر کب تک۔ مجبوراً میں اپنے اہل و عیال کو لے کر پنجاب چلا آیا۔ گوجرہ ضلع لائل پور کے قریب تین میل پر ایک گاؤں جلیانوالہ چک نمبر ج۔ب 367 میں میرے نسبتی برادر عبدالقادر، عبدالرشید وغیرہ رہتے تھے۔ وہیں میں بھی آ گیا۔

کراچی سے آتے وقت مجھ پر تجارتی کاروبار فیل ہو جانے کے سبب قریباً تین ہزار روپے کا قرض تھا الحمد للہ کہ وہ آہستہ آہستہ ادا ہو گیا۔

جلیانوالہ میں سکونت

1948ء میں ہم جلیانوالہ میں آ گئے۔ مگر یہاں ذریعہ معاش کچھ نہ تھا تھوڑا سا روپیہ پاس تھا۔ جس سے ایک چھوٹی سی دکان گاؤں میں کھول لی۔ مگر وہ چل نہ سکی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور 1949ء میں مجھے گوجرہ ایم۔بی ہائی سکول میں جگہ مل گئی۔

لیکن میں یہ سروس صرف دو سال ہی کر سکا۔ کیونکہ عمر 55 سال کی ہو چکی تھی۔ اس لئے 1951ء میں ریٹائر ہو گیا۔ میں لکھ چکا ہوں کہ گورنمنٹ سروس میں نے 20 سال کی۔ رخصت لے کر 1945ء میں خرابی صحت کی وجہ سے کراچی چلا گیا تھا۔ میں نے 1946ء میں استعفیٰ دے دیا۔ لیکن پنشن نہ ملی۔ کیونکہ پنشن کیلئے 25 سال پورے کرنے ضروری تھے اور میری سروس 20 سال کی ہوئی تھی۔ ریٹائر ہو کر میں بیکار ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا دوسرا لڑکا داؤد احمد کراچی میں ملازم ہو گیا اور پھر 1953ء میں تیسرا لڑکا الیاس احمد بھی ملازم ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے فکر معاش سے بے فکر کر دیا۔ میں نے جلیانوالہ میں اپنا مکان بنا لیا اور اب اسی میں رہتا ہوں۔

میرا تبلیغی شغل

اب میں نے بے فکر ہو کر تبلیغ شروع کر دی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اب تک بے شمار تقریریں۔ اسلام کی صداقت، اسلام کی برتری اور محبوب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بلند شان کے متعلق کر چکا

ہوں۔ خداتعالیٰ کے فضل سے میں نے پاکستان کی شمالی سرحد، ترخم اور لنڈی کوتل سے لے کر کراچی تک تقریریں کی ہیں ملک کے بڑے بڑے شہروں اور دیہاتوں میں پہنچا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام پہنچایا ہے۔ اب میں نے پھر رسول پاک ﷺ کی شان میں 100 لیکچر دینے کا عہد کیا ہوا ہے۔ اور بذریعہ لینٹرن 300 سے زائد لیکچر دے چکا ہوں۔ پاکستان کے شمالی شہروں مثلاً پشاور، مردان، رسالپور، نوشہرہ، کیمبل پور، راولپنڈی، جہلم وغیرہ میں تقریریں کی ہیں اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ نہ مجھے کچھ علم ہے، نہ دانشوری کا دعویٰ ہے۔

بھولے ہوئے واقعات

بعض واقعات کو میں ان کی اصل جگہ پر لکھنا بھول گیا ہوں۔ وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں:

12 ہزار فٹ کی بلندی پر

ایک دفعہ صدر انجمن احمدیہ کے شعبہ تبلیغ کی طرف سے مجھے کشمیر میں سلائیڈز لیکچروں کی غرض سے بھیجا گیا۔ چنانچہ رشی نگر اور ناسنور میں میرے لیکچر ہوئے۔ پھر یہاں سے مجھے خواجہ عبدالرحیم ڈار کشمیر کے ایک بلند مقام کنگ وٹن لے گئے۔ پھر اس سے بھی اوپر 12 ہزار فٹ کی بلندی پر چلے گئے۔ اگرچہ گرمیوں کا موسم تھا۔ مگر یہاں کافی ٹھنڈک تھی۔ گوجر لوگ اس موسم میں اپنے مویشی لے کر یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک شادی کی تقریب تھی۔ خواجہ عبدالرحیم ڈار کے یہ لوگ دوست تھے۔ خواجہ صاحب تبلیغ کرنے کی غرض سے اس شادی میں مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میرے ساتھ مرزا عبداللطیف صاحب اور مہاشہ محمد عمر صاحب بھی تھے۔ اس طرح خداتعالیٰ نے مجھے 12 ہزار فٹ کی بلندی پر تقریر کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ چنانچہ رات کو سلائیڈز کے ذریعے لیکچر دیا۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے اور خواجہ صاحب خاص طور پر الحمدللہ علیٰ ذالک۔ ناسنور سے یہ مقام بہت فاصلے پر اور بہت بلندی پر تھا۔ ہم صبح 8 بجے چل کر رات کو 8 بجے وہاں پہنچے۔ پہاڑوں کا پیچیدہ راستہ، گھنے جنگل، خطرناک چڑھائی، بصد مشکل ہم لوگ منزل مقصود پر پہنچے۔

وسطِ ہند کی ایک ریاست میں

جب میں گوجرانوالہ میں تھا تو ایک خاص سکیم کے ماتحت مجھے سادھو بن کر ریاست چرخاری وسط ہند میں جانا پڑا۔ میں نے سکول سے تین ماہ کی رخصت لی اور اہل و اعیال کو قادیان چھوڑا اور خدا کا نام لے کر اس مہم پر روانہ ہو گیا لودھیانہ پہنچ کر میں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا اور سادھو بن کر روانہ ہو پڑا۔ دوسرے دن رات کو 11 بجے مہوبہ اسٹیشن پر اترا اور اسی وقت بس پر بیٹھ کر جو چرخاری کیلئے تیار تھی رات کو قریباً 2 بجے چرخاری پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ریاست ہے یہاں کا ہندو راجہ نوجوان تھا۔ انگریزی حکومت کچھ اس سے ناراض تھی۔ ایک مسلمان صاحبزادہ محمد حسین جالندھر کے رہنے والے اس راجہ کے وزیر اعلیٰ تھے۔

میں نے رات ایک دکان کے تھڑے پر دو کمبلوں میں گزاری اور صبح اٹھ کر اپنا ٹھکانہ ایک جھونپڑی میں بنا لیا جو کہ ایک غریب محلہ میں ایک غریب آدمی کی تھی۔ سادھو سمجھ کر وہاں کے لوگ میری عزت کرتے تھے۔

تین چار دن کے بعد میں وزیر صاحب کی کوٹھی کی طرف جا نکلا۔ وہاں سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی بیٹھے تھے۔ میں بلا جھجک سیدھا اس کمرے میں چلا گیا اور نہایت بے تکلفی سے کرسی پر جا بیٹھا۔ وزیر صاحب اور ہیڈ ماسٹر صاحب میری اس بے تکلفی پر بڑے حیران ہوئے جو گفتگو وہاں ہوئی مندرجہ ذیل ہے:

وزیر : آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور یہاں کیا کام ہے۔

میں : فقیر آدمی ہوں۔ جہاں من کی موج آتی ہے۔ چلا جاتا ہوں۔ کوئی منزل مقصود نہیں۔ نہ کوئی غرض کہیں لے جاتی ہے۔ نہ کسی خاص مقصد کیلئے کوئی سفر ہوتا ہے۔

وزیر : آپ تو پہنچے ہوئے لوگ ہیں۔ کوئی کرامات بھی آپ کے پاس ہے۔

میں: سب سے بڑی کرامات دعا ہے۔ جب انسان اپنے مولائے حقیقی سے اپنی حاجت کیلئے دعا مانگتا ہے تو وہ سن کر اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔

وزیر : کیا آپ بھی دعا کیا کرتے ہیں اور پھر وہ قبول ہو جاتی ہے۔

میں : ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ خواب کے ذریعہ دعا کے نتائج سے آگاہ کر دیتا ہے اور بعض ہونے والے حالات کا قبل از وقت علم دے دیتا ہے۔

وزیر : کیا یہاں آ کر بھی آپ کو کچھ معلوم ہوا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

میں : اور تو کچھ نہیں جانتا۔ خدا تعالیٰ نے اتنا بتلایا ہے کہ ریاست سے گورنمنٹ ناراض ہے۔

یہ سن کر وزیر صاحب اور ہیڈ ماسٹر صاحب حیرت میں پڑ گئے اور خاموش ہو کر سوچنے لگے۔ بات یہ تھی کہ مجھے تو حقیقت میں علم نہ تھا کہ واقعی گورنمنٹ ناراض ہے۔ لیکن چونکہ سچ مچ گورنمنٹ ناراض تھی اور چند روز قبل انگریز ریذیڈنٹ یہاں سے ہو کر گیا تھا اور ناراضگی کا اظہار بھی کر گیا تھا۔

وزیر صاحب نے میرے خواب کو بناوٹ سمجھا اور خیال کیا کہ یہ شخص (یعنی میں) جاسوس ہے اور گورنمنٹ نے ریاست کے مزید حالات معلوم کرنے کیلئے مقرر کیا ہے۔ اس لئے وہ لوگ بالکل خاموش ہو گئے اور میں چلا آیا۔ لیکن وزیر صاحب نے ریاست کی سی آئی ڈی کو میرے پیچھے لگا دیا۔ ہر وقت خفیہ پولیس کا ایک آدمی کسی نہ کسی شکل میں میرے ارد گرد رہتا مگر مجھے اس کا کچھ علم نہ ہو سکا۔

میں بستی کے باہر جاتا اور خدا تعالیٰ کے حضور جھک جاتا۔ دعائیں کرتا اور خدائے بزرگ و برتر کی زمین کی سیر کرتا ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک سپاہی سادہ کپڑوں میں میرے پاس آیا اور کہنے لگا آپ کو کوتوال صاحب یاد فرماتے ہیں۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ ریاست کی حیثیت کے مطابق کوتوال صاحب ایک چھوٹے سے دفتر میں تشریف فرما تھے۔ میں جاتے ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ وہاں جو گفتگو ہوئی حسبِ ذیل ہے:

کوتوال : تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو۔

میں : میں کیا بتاؤں کہاں سے آ رہا ہوں اور کہاں رہتا ہوں۔ فقیر آدمی ہوں۔ جہاں من کی موج آتی ہے۔ چلا جاتا ہوں۔ کوئی ٹھکانہ نہیں۔

کوتوال : دیکھو ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ ورنہ ہم تمہیں اندر کر دیں گے (یعنی جیل خانہ میں)۔

میں : آپ کی مہربانی ہے۔ میں باہر رہ کر کیا کروں گا اندر کر دیں اور پھر میرا کام بھی تو اندر ہی ہے۔

میرے اس جواب پر اسے پورا یقین ہو گیا کہ یہ ضرور جاسوس ہے جو ہمارے جیل خانے کے

حالات معلوم کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ اور اس کا اندر یعنی جیل میں کیا کام ہے۔ اس لئے وہ ذرا احتیاط سے گفتگو کرنے لگا۔

اس نے ایک بہت موٹی سی کتاب اٹھائی جس میں مفروروں اور بدمعاشوں کے فوٹو تھے۔ وہ انہیں دیکھتا رہا کہ شاید میرا فوٹو بھی ان میں کہیں مل جائے۔ جب وہ دیکھ چکا۔ میں نے کہا میرا فوٹو یہاں نہیں ملے گا۔ کیونکہ میں ان میں سے نہیں۔

کوتوال : تو تم نے پہلے سے کیوں نہ بتایا۔ میں خواہ مخواہ سر کھپاتا رہا۔

میں : حضور آپ مجھے بھی تو خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔ پھر میں آپ کو کچھ نہ کچھ حیران کیوں نہ کروں۔

کوتوال : سنا ہے آپ کو خواب بہت آتے ہیں۔

میں : خواب تو آپ کو بھی ضرور آتے ہوں گے۔

اس جواب پر وہ ہنس پڑا۔ کہنے لگا۔ ہاں خواب تو ہر ایک انسان کو آتے ہیں۔ مگر تمہیں کچھ سچے خواب آتے ہیں۔ کہئے آج کوئی ایسا خواب دیکھا ہے۔

میں : ہاں دیکھا ہے۔ وہ یہ کہ آپ مجھے پریشان تو کر سکتے ہیں۔ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

میں نے تو سچ مچ ایک خواب ایسا دیکھا تھا مگر وہ اسے جاسوسوں کی چالاکی ہی سمجھا۔ کہنے لگا' دیکھئے ٹھیک ٹھیک بتلا دیجئے۔ خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کیجئے۔

اب میں نے سوچا کہ قادیان سے اتنی دور آ چکا ہوں گول مول باتوں سے کیا فائدہ۔ کھل کر تبلیغ کرلوں۔ یہ لوگ مجھے اب یہاں رہنے نہیں دیں گے۔ ریاست سے باہر ضرور نکال دیں گے۔ پھر میں پیغام حق کیوں نہ پہنچا دوں۔ چنانچہ میں نے کہا' جناب بات دراصل یہ ہے کہ کرشن اوتار آ چکا ہے۔ اور میں اس کا ایک ادنیٰ داس (غلام) ہوں۔

کوتوال : کرشن اوتار۔ وہ کہاں آ گیا۔ تمہارا نام کیا ہے۔

مَیں : مجھے اسلم کہتے ہیں۔ کرشن اوتار قادیان (پنجاب) میں آیا ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے اور اسے پرماتما نے کہا ہے:۔

ے ہے کرشن رودو گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی

کوتوال : عجیب باتیں کرتے ہو۔ تمہارا نام بھی مسلمانی ہے اور غلام احمد بھی مسلمانی نام ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کرشن اوتار مسلمان ہو۔

میں : خدا کی طرف سے آنے والے اوتار' رشی منی' پیغمبر' رسول سب ایک ہی مذہب کے ہوتے ہیں۔ وہ ایک خدا کا پرچار کرنے کیلئے اور دنیا کو راہ ہدایت دکھانے کیلئے آیا کرتے ہیں۔ ہندو' مسلمان کا سوال ہی نہیں۔

کوتوال : کرشن جی تو رودو گوپال تھے۔ یعنی گئو رکھشا کرنے والے' مگر مسلمان گئو ہتیا کرتے ہیں۔

میں : جناب عالی رودو کے معنی لفظی تو یہ ہیں کہ لوگوں کو رلانے والا تو کیا کرشن جی لوگوں کو مار مار کر رلایا کرتے تھے۔

کوتوال : یہ تو لفظی معنی ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے ظالموں کو سزا دینے والے۔ کرشن جی نے ظالموں کا ناش کیا۔ انہیں سزائیں دیں اس لئے رودو کہلائے۔

میں : بس اسی طرح گوپال کے اگرچہ لفظی معنی یہ ہیں کہ گائیں پالنے والا لیکن مطلب یہ ہے شریف یعنی گائے صفت لوگوں کی مدد کرنے والا ہم عام طور پر بھلے مانس شریف آدمی کو گئو بھی کہہ دیتے ہیں۔

کوتوال : اچھا آپ وزیر صاحب کے پاس چلیں۔ شاید وہ آپ کو سمجھ سکیں۔ کیونکہ وہ جالندھر (پنجاب) کے رہنے والے ہیں۔

چنانچہ وہ مجھے وزیر صاحب صاحبزادہ محمد حسین کی کچہری میں لے گیا اور ان کو میری باتیں بتائیں۔ وہ ہنس پڑے کہنے لگے۔ اچھا حضرت آپ قادیانی ہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں جناب میں تو سرہندی ہوں۔ اس نے کہا۔ آپ کے دام میں یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ آپ تشریف لے جائیں میں نے کہا اگر آپ کو یقین ہے کہ میری باتوں کا کچھ بھی اثر یہاں کے لوگوں پر نہ ہوگا تو آپ اپنے زیر انتظام ایک تقریر کروا دیں۔ ہنس کر بولے' معاف کریں۔ یہاں تقریر نہیں ہو سکتی اور کوتوال کو مخاطب کر کے کہا۔ ان کو ریاست سے باہر نکال دیں اور کچھ نہ کہیں۔

چنانچہ مجھے پولیس کی حراست میں مہوبہ کے اسٹیشن پر لا کر گاڑی میں سوار کرا دیا۔

جلیانوالہ میں

اب میں جلیانوالہ کے حالات پھر شروع کرتا ہوں۔ یہاں آ کر میں نے 1949ء میں اپنی لڑکی کلثوم کی شادی کی اور 10 رجنوری 1953ء میں دوسری لڑکی بلقیس کی شادی کی اور 1960ء فروری میں اپنے لڑکے داؤد احمد کی شادی کی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان پر احسان ہے کہ اس نے اولاد دی اور فرمانبردار دی اور ذریعہ معاش سے بے فکر کر دیا۔ میں اپنا تبلیغی شغل یہاں بھی جاری رکھتا ہوں۔

مولا کریم کے احسانات میں سے کچھ

شکر خدائے را کہ تواند شمار کرد
باکیست آنکہ شکر یکے از ہزار کرد

1- خدا تعالیٰ نے مجھے یتیمی کا درجہ عطا فرمایا۔

2- خدا تعالیٰ نے میری پرورش ناسازگار حالات میں فرمائی اور اپنی رحمت سے نوازا۔

3- خدا تعالیٰ نے مجھے احمدیت کا انعام بخشا اور سولہ سال کی عمر میں بخشا۔

4- خدا تعالیٰ نے مجھے خوش گلو بنایا اور خوش الحانی سے نظمیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

5- خدا تعالیٰ نے نظموں کے ذریعہ میری شہرت پھیلائی اور ان سے خدمت دین کا کام لیا۔

6- خدا تعالیٰ نے مجھ میں تبلیغ کا شوق پیدا فرمایا اور خوب تبلیغ کا موقعہ عطا فرمایا۔

7- خدا تعالیٰ نے بے شمار لیکچر دینے کی توفیق عطا فرمائی۔

8- خدا تعالیٰ نے مؤثر پیرائے میں تقریر کرنے کی صلاحیت بخشی۔

9- خدا تعالیٰ نے تحریک شدھی میں تین سال سادھو بن کر شاندار کام کرنے کی ہمت دی اور بہت کامیابی عطا فرمائی اور احمدی دنیا میں میرا نام روشن کر دیا۔

10- خدا تعالیٰ نے 300 سے زائد لیکچر میجک لینٹرن کے ذریعہ دینے کی توفیق عطا فرمائی۔

11- خدا تعالیٰ نے ایک نیک اور پارسا بیوی عطا فرمائی۔ جس کا نام زینب حضرت مسیح موعودؑ نے رکھا اور جس کے والد صحابی اور دادا بھی صحابی تھے۔

12- خدا تعالیٰ نے اس بیوی سے کثیر اولاد بخشی۔

13- خدا تعالیٰ نے میری اولاد کو میرا فرمانبردار، مطیع اور خدمت گزار بنایا۔

14- خدا تعالیٰ نے مجھے میرے تمام اعضاء صحیح سلامت دیئے اور ایک لمبی عمر عطا فرمائی اور ایک لمبی مدت تک میری سریلی آواز اور دیگر قویٰ کو قائم رکھا۔

15- خدا تعالیٰ نے مجھ سے گناہ پر گناہ دیکھے اور احسان پر احسان کئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

16- خدا تعالیٰ نے 1913ء میں احمدی بنایا اور 1919ء میں قادیان میں ہجرت کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور 1921ء میں قادیان کے اندر اپنا مکان بنانے کی ہمت بخشی۔

17- 1919ء سے لے کر قریباً 30 برس سالانہ جلسے میں سٹیج پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا کلام آپ کی موجودگی میں پڑھنے کی سعادت بخشی۔ نیز اپنا کلام بھی خوش الحانی سے سنانے کی عزت بخشی۔

18- خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے پاکستان کی آخری سرحد، ترخم اور لنڈی کوتل سے لے کر پشاور، مردان، نوشہرہ، کیمبل پور، راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، لاہور، منٹگمری (ساہیوال) خانیوال، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خاں، جھنگ، لائل پور (فیصل آباد)، سرگودھا، میانوالی، حیدرآباد سندھ، میرپور، نواب شاہ، کراچی، احمدیہ اسٹیٹس میں جانے کا موقعہ ملا۔ نیز ہندوستان میں امرتسر، جالندھر، لودھیانہ، ہوشیارپور، فیروزپور، پٹیالہ، انبالہ، سہارنپور، دہلی، کانپور، لکھنؤ، حیدرآباد دکن، بمبئی، گلبرگہ، یادگیر تک پہنچنے کا موقعہ عطا فرمایا۔

19- خدا تعالیٰ کے فضل سے کئی ایک کتب تصنیف کیں جن کی فہرست حسبِ ذیل ہے:

1- نیکی بدی	2- پنجابی گیت	3- مٹھے شبد
4- کارزار شدھی	5- نیوگ شاستر	6- مسیح کی واپسی
7- شیطان کانفرنس	8- احمدیت کی ننھی کتاب	9- احمدیت کی پہلی کتاب
10- احمدیت کی دوسری کتاب	11- بچوں کی تربیت	12- مقدس کہانیاں

13- پیارے خدا کی پیاری باتیں 14- دین ملا 15- نیا نظام

16- تبلیغی چارٹ 17- نماز باتصویر 18- ترانہ اسلم

19- نغمہ اسلم 20- سرور عالم 21- ملکانہ من لگن بھجن

22 فروری 1964ء کو میرے لڑکے الیاس احمد کی شادی سیالکوٹ میں ہوئی خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تقریب پورے اسلامی طریق پر سرانجام پائی۔ قریباً تین ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ الیاس احمد کے خسر ڈاکٹر کیپٹن سراج الدین احمد صاحب ہیں۔ انہوں نے اپنی لڑکی طاہرہ سلطانہ کے جہیز میں بہت کچھ دیا۔

جلیانوالہ کے اردگرد 10-12 میل میں کافی احمدیہ جماعتیں ہیں۔ قصبہ گوجرہ تو ڈھائی تین میل پر واقع ہے اور اس کے ادھر ادھر قادر آباد۔ چک 97 جفاپور' چک 301' کتھووالی' دھیرو کے 75 چک' گوکھووال' سیتلا' چک 96 اور چک 94 وغیرہ۔

میں ان سب جماعتوں میں وقتاً فوقتاً جاتا رہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے خدمت دین کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ ہمارے چک جلیانوالہ میں 7-8 گھر احمدی احباب کے ہیں مگر یہ لوگ کاشتکار ہیں۔ اس لئے دینداری کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ ایک خام سی مسجد بنا تو لی ہے مگر اس کی حیثیت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ مسجد کی حالت بری ہے۔ میں یہاں اکثر خطبہ جمعہ دیا کرتا ہوں۔ بہت ہی کوشش کی اور کرتا رہتا ہوں کہ یہ احمدی دوست کچھ سدھر جائیں۔ مگر وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔

میری عمر اس وقت جبکہ میں اپنی یہ سرگزشت لکھ رہا ہوں۔ ایک سال کم 70 برس کی ہے۔ بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مگر دل جوان ہے۔ اگرچہ کئی ایک بیماریوں میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ نظر بے حد کمزور ہو چکی ہے۔ قوائی مضمحل ہو رہے ہیں۔ ہرنیا کی مرض بھی ہے۔ پیشاب کی بیماری بھی ہے۔ اور رات کو خصوصاً کئی بار پیشاب کیلئے اٹھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ جوڑوں میں درد رہتا ہے۔ نیز ہاتھوں پر کسی قدر پھلبہری بھی نمایاں ہے معمولی حرکت پر سانس پھول جاتا ہے۔ غرض ظاہر میں جسم کا ڈھانچہ تو اچھا نظر آتا ہے مگر اندر کچھ بھی نہیں۔

پھر اس زمانے میں کچھ پریشانیاں بھی دل کو بے چین رکھتی ہیں۔ بعض ایسی پرائیویٹ پریشانیاں ہیں جن کا علاج اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ ان کا ذکر یہاں بے فائدہ ہے۔

الحمد للہ کہ ان حالات میں بھی خدمت دین کا جذبہ بیدار ہے اور جب کوئی ایسا موقعہ ملتا ہے۔ مسرت سے دل بھرپور ہو جاتا ہے۔ اب بھی پرشوکت اور سریلی آواز سے سامعین کو مسحور کر لیتا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل نہیں تو اور کیا ہے۔

مارچ 1963ء میں راولپنڈی کی وسیع جماعت کے مختلف حلقوں میں 10 لینٹرن لیکچر دیئے۔ جناب چوہدری احمد جان صاحب بمعہ جماعت راولپنڈی نے خاص طور پر دلچسپی لے کر میری ان لیکچروں کے سلسلے میں مدد فرمائی۔ نیز چوہدری صاحب نے ربوہ آ کر مولانا شمس صاحب ناظر اصلاح وارشاد کو توجہ دلائی کہ اس تبلیغی کام میں خاکسار کی مدد کریں چنانچہ مولانا نے 100 سے زائد سلائیڈز بنوا کر مجھے دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

میں اگرچہ خوش الحانی سے نظمیں پڑھتا ہوں۔ مگر مجھے گانے بجانے اور گانا بجانا سننے سے سخت نفرت ہے۔ میں ریڈیو کے گانوں کو بھی بہت ہی ناپسند کرتا ہوں اور اسے شیطانی کام سمجھتا ہوں۔ ایسے ہی سینما سے بھی نفرت ہے۔ یہ چیزیں انسان کو خدا تعالیٰ سے دور کر دیتی ہیں۔ مذہب سے بیگانہ بنا دیتی ہیں اور دنیاوی دھندوں میں بھی سست غافل اور بیکار کر دیتی ہیں۔ میری اولاد کو چاہیئے کہ ان مشاغل سے بکلی اجتناب کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر رحم کرے اور اپنی رضامندی کی راہوں پر چلائے۔ (آمین)

اپنی اولاد کے لئے چند نصائح

وہ گھڑی آ رہی ہے جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا اس لئے مندرجہ ذیل نصیحتوں پر ضرور عمل کرنا چاہئے:

1- میری اولاد کو چاہئے کہ وہ ہر کام میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھیں۔ دنیاوی اسباب سے کام تو لیں۔ مگر اپنی امید اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھیں اور نمازوں میں اور ہر وقت دعائیں کرتے رہیں۔

2- احمدیت کے رنگ میں رنگین رہیں۔ باقاعدگی سے نمازیں پڑھیں۔ قرآن پاک کی تلاوت روزانہ ضرور کرتے رہیں اور جماعت احمدیہ سے تعلق قائم رکھیں۔ جس شہر میں بھی ہوں جماعت کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہیں۔ بہرالحال دینداری کی روح کو زندہ رکھیں۔

3- میرے بچے اور ان کی اولاد بھی۔ ریڈیو کے گانوں، سینما شو سگریٹ اور دیگر بدعادات سے ہمیشہ نفرت کرتے رہیں یہ سب کچھ انسان کیلئے بے حد نقصان دہ ہیں۔

4- آپس میں سب محبت سے رہیں۔ چھوٹے بڑوں کی تعظیم کریں اور بڑے چھوٹوں سے محبت رکھیں۔ بھائی اپنی بہنوں کو عمر بھر بہت ہی محبت کی نظر سے دیکھتے رہیں اور خاص موقعوں پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔ عیدین پر ان کو ضرور کچھ نہ کچھ روپے اور تحفے تحائف بھیجتے رہیں۔ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ماں باپ کے بعد بہنوں کی نظریں بھائیوں کی طرف اٹھتی ہیں۔ اس لئے بھائیوں کو چاہئے کہ بہنوں سے بے انتہا اچھا سلوک رکھیں اور ایک منٹ کیلئے بھی اپنی

بیویوں کی باتوں میں آ کر اپنی بہنوں کو نظر انداز نہ کریں۔ میرا سب سے چھوٹا لڑکا خلیل احمد اسلم اور سب سے چھوٹی لڑکی ثریا ہے۔ ان کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

5- اگر میں پہلے وفات پا گیا تو اپنی والدہ کی خدمت فرمانبرداری اور دلداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا اسے کوئی تکلیف نہ دینا۔ اپنی بیویوں کے کہنے میں آ کر اس کے دل کو کبھی نہ توڑنا۔ یاد رکھو ماں کے قدموں میں جنت ہے نہ کہ بیوی کے قدموں میں۔

تمہاری ماں بہت نیک سیرت اور سیدھی سادھی عورت ہے۔ اس کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ اس کی دعائیں لینا۔

میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے جو کچھ انعامات دیکھتا ہوں یہ سب میری ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہیں۔

رویائے صادقہ

مَیں نے 16 سال کی عمر میں جبکہ میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل کے عہد (1913) میں بیعت کی اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ ناچیز اور حقیر بندے پر ایسی کرم فرمائی کی کہ سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سارے خوابوں کو تو میں محفوظ نہیں کر سکا۔ بھول جاتے رہے جو یاد رہے مندرجہ ذیل ہیں۔ ان کو اس لئے قلمبند کیا گیا ہے تا کہ خاکسار کے ایمان میں زیادتی ہو اور میری اولاد در اولاد کیلئے بھی مشعلِ راہ ہو اللہ تعالیٰ کرے ایسا ہی ہو۔

اسلم

1913ء

ایک دفعہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک تخت پر بیٹھا ہوں اور میرا دربار لگا ہوا ہے۔ مگر میرے دربار میں بہت سے شیر ہیں جو میرے اردگرد بیٹھے ہیں اور مجھے ان سے ذرا بھی ڈر نہیں لگتا۔

1916ء

خواب میں دیکھا کہ ایک بے پہیہ گاڑی پر سوار ہوں جو زمین سے دو تین فٹ اونچی خود بخود چل رہی ہے اسی گاڑی پر سوار ایک پہاڑی پر چڑھ رہا ہوں۔ چوٹی کے قریب پہنچ کر گاڑی سے اترا اور آگے دشوار گزار راستہ پیدل چلنے لگا۔ راستے میں دو آدمیوں مہر محمد اور محمد علی کو دیکھا کہ میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ چوٹی پر پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مکان ہے اس میں ایک بزرگ نماز پڑھ رہے ہیں جن کے سر پر ململ کی ٹوپی ہے۔ چوٹی پر برف ہی برف ہے۔ میں نے چوٹی پر کھڑے ہو کر اذان دی اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

اس کی تعبیر یہ سمجھائی گئی کہ خدا تعالیٰ مجھ سے تبلیغ کا خوب کام لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میری ساری عمر تبلیغ میں گزری اور نمایاں طور پر تبلیغ کا کام کیا۔ 1923ء سے 1927ء تک 4 سال شدھی کے سلسلہ میں سادھو بن کر تبلیغ کی۔ اس کے بعد لینٹرن سلائیڈز سے لیکچر دیئے جو ساری عمر تا زندگی جاری رہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک.

1933ء

ایک دفعہ جہلم میں دردِ پسلی سے میں سخت بیمار ہو گیا۔ زندگی کی امید نہ رہی۔ ڈبل نمونیہ بھی ہو گیا ایک رات ذرا کچھ غنودگی سی ہو گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بلور کا مکان ہے۔ شیشے کی دیواریں، شیشے کی چھت، شیشے کا فرش، شیشے کے جھاڑ فانوس ہیں او بلور کے پنگھوڑے بھی لٹک رہے ہیں۔ میں اس مکان میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی آواز آئی۔

"یہ مکان تمہارے لئے ہے'یہ جنت ہے۔"

اس کے معاً بعد پھر آواز آئی۔

"یہ سب مومنوں کے لئے ہے۔"

پھر آنکھ کھل گئی۔

پچھلا خواب دیکھنے کے بعد پھر آنکھ لگ گئی۔ دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ایک بہت بڑے قد کے آدمی کی شکل میں تخت پر بیٹھے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں میں چھوٹے سے بچے کی صورت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں سے مجھے اچھالنا شروع کیا اور فرمایا:

"اب تم تندرست ہوگئے'اب تم تندرست ہوگئے۔"

اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ دوسرے ہی دن میں تندرست ہوگیا۔ میری بیوی میرے سرہانے چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں یہ خواب دیکھ کر آنکھ کھلی تو ہنس پڑا۔ وہ بہت حیران ہوئی کہ اتنی بیماری میں ہنسنا کیسا' میں نے اپنا خواب سنایا اور بڑے وثوق سے کہا کہ اب میں تندرست ہوگیا ہوں۔

گوجرانوالہ 1935ء

خواب میں دیکھا کہ میرے نام ایک حکم نامہ آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ تمہاری تبدیلی جالندھر میں عمرالدین عمر کی جگہ ہوگئی ہے۔ 14 ماہِ رمضان کو چارج لے لو۔ میں ایک دوست قاضی علی محمد کو اپنا حکم نامہ خواب ہی میں سناتا ہوں اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: میں گوجرانوالہ سے اپنی تبدیلی کی بڑی کوشش کرتا تھا۔ مگر کوئی صورت نہیں بنتی تھی۔ چنانچہ اس خواب کے بعد میری تبدیلی پہلے فیروزپور اور صرف دو تین دن کے بعد جالندھر ہوگئی۔ سبحان اللہ۔

گوجرانوالہ 29رجنوری 1936ء

دن کے وقت میں حضرت اقدس کے الہامات کا مجموعہ "تذکرہ" پڑھ رہا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ کیا

دیکھتا ہوں کہ میں گوجرانوالہ سے چند میل کے فاصلہ پر موضع راہوالی کے قریب کھانڈ کے کارخانے کے پاس سڑک پر کھڑا ہوں۔ چند لوگ مجھ سے ذرا فاصلے پر کھڑے جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے۔۔۔ رفیق معلوم ہوتے ہیں باتیں کررہے ہیں' اور کہتے ہیں۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر تیل کی مالش کیا کرتے تھے۔ میں یہ سن کر بہت غمگین ہورہا ہوں کہ کاش کہ میں بھی حضور کے وقت میں ہوتا تو سر پر تیل ملتا۔ میں اس نعمت سے محروم رہا۔ یہاں تک کہ میں رونے لگ گیا۔ دل میں یہی کہتا جاتا تھا کہ میں اس سعادت سے کیوں محروم رہا۔

جب میں بے حد بے چین ہوا تو دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھوڑے پر سوار آسمان سے اترے ہیں اور میرے قریب آکر گھوڑا روک لیا۔ حضور کا سر ننگا ہے اور بال سیدھے ہیں جو کہ شانوں پر گرتے ہیں۔ اچانک غیب سے ایک تیل کی شیشی میرے ہاتھ میں آگئی۔ میں اب خوشی کے آنسوؤں میں حضور کے سر پر تیل ملتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا گھوڑا بہت نیچا ہوگیا اور میرے ہاتھ حضور کے سر تک آسانی سے پہنچ گئے۔ میں نے اپنے ایک ہاتھ پر تیل انڈیل لیا اور پھر حضور کے بالوں پر لگانے لگا۔ تیل لگاتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ مگر یہ رونا خوشی کی انتہا کا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

14رفروری 1936ء

خواب میں دیکھا کہ کسی گاؤں میں احمدیہ جلسہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تشریف لائے ہیں۔ ایک بڑے کمرے میں 60-70 احمدی بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت صاحب بھی کرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔ سامنے میز پر گراموفون رکھا ہوا ہے اور اس میں سے گانے کے طور پر۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

کی صدا نکل رہی ہے' پھر آنکھ کھل گئی۔ غالباً خدا تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ شیطان سے بچتے رہنا چاہئے۔

23 رفروری 1936ء گوجرانوالہ

میں خواب میں بہت ہی بے چین ہوکر رو رہا ہوں اور دعا کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی محبت مجھے مل جائے اور خدا مجھے مل جائے۔ زار زار رو رہا ہوں۔

جولائی 1936ء گوجرانوالہ

دن کے وقت ذرا آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب دیال گڑھی مجھے کہتے ہیں۔ تم سارے ضلع میں کس طرح تبلیغ کر لیتے ہو۔ میں نے کہا ابھی بتاتا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص نے آواز دی جو کہ عبداللہ کشمیری گوجرانوالہ کا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھال ہے۔ جس میں سنگترے اور کشمیری ناشپاتی وغیرہ ہیں۔ دیکھنے میں بہت خوبصورت خوش رنگ اور شفاف نظر آتے ہیں۔ ایک ناشپاتی میں نے اٹھا کر کھائی۔ اس میں بیج نہیں تھے اور بے حد لذیذ تھی۔ میرا لڑکا یونس احمد پاس کھڑا ہے۔ کہتا ہے' ابا جی یہ تو بابو عبدالرحیم کیلئے ہے۔ آپ کیوں کھاتے ہیں' میں نے اسے کہا۔ کوئی بات نہیں اور آنکھ کھل گئی۔ اس خواب میں تبلیغ کے میٹھے پھل ملنے کا اشارہ ہے۔

1937ء

خواب میں نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر تقریر کر رہا ہوں۔ جو بے حد مؤثر ثابت ہو رہی ہے۔ میں خود بھی بڑا لطف لے رہا ہوں۔ سننے والوں میں ہندو بھی ہیں۔

چنانچہ میں نے جب بھی کبھی رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر تقریر کی ہے لوگوں میں بے حد مقبول ہوئی اور آج تک یہی حالت ہے۔ الحمدللہ۔

1937ء

خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک اسٹیشن پر ریل گاڑی میں اپنے لڑکے یونس احمد کو بٹھانے آیا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص شیر محمد بھی ہے۔ میں یونس احمد کو گاڑی میں بٹھا کر شیر محمد کو کہتا ہوں کہ تم

دونوں حج کو جا رہے ہو۔ یونس احمد کا خیال رکھنا۔ مکہ میں حج کے وقت بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔

اس کے چند دن بعد پھر خواب میں دیکھا کہ یونس احمد ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑا ہے۔ وہاں سے گھر آیا ہے' اس کے کپڑے حج کے وقت کے کپڑوں جیسے ہیں۔ وہ اپنی والدہ کو کہتا ہے کہ جلدی کرو' میں حج کو جا رہا ہوں۔

1937ء

خواب میں دیکھا کہ میں پتنگ چڑھا رہا ہوں اور میرا پتنگ بہت بلندی پر جا چڑھا ہے۔ جب ذرا میں ڈور کو جھٹکا دیتا ہوں پتنگ اور اوپر کو چڑھ جاتا ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ تفہیم یہ ہوئی کہ خدا تعالیٰ کا نام میرے ذریعہ بہت بلند ہوگا۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔

1937ء

خواب میں دیکھا کہ میں اپنے وطن کھنہ ضلع لدھیانہ میں ہوں بازار میں پھر رہا ہوں کہ مجھے میرا ایک پرانا دوست اور ہم جماعت آتما رام مل گیا جو مجھے بہت محبت سے بغل گیر ہو کر ملا۔ پھر ہم دونوں ہی بغل گیری کی حالت میں ہی پیارے لال آنند کی دکان پر آ گئے۔ وہاں سب لوگوں نے میری بڑی عزت کی۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

اس کی تعبیر یہ سمجھ میں آئی کہ آتما روح کو کہتے ہیں اور رام خدا کا نام ہے۔ یعنی خدا کی روح مجھے محبت کر رہی ہے اور پیارے لال آنند کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی محبت کا نتیجہ آنند یعنی سرور ہوتا ہے۔ الحمدللہ۔

1937ء

خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے۔ سب لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں میری کتاب ''بچوں کی تربیت'' ہے۔ مولوی عبدالوہاب ابن حضرت خلیفۃ المسیح اول کہہ رہے ہیں کہ

جس کو یہ کتاب نہیں ملی۔ وہ مانگ لے' پھر یہ نظارہ بدل گیا۔ اب لوگ بازار میں پھر رہے ہیں اور یہاں بھی کئی لوگوں کے ہاتھ میں یہی کتاب دیکھ رہا ہوں اور میں دل میں کہتا ہوں کہ پانچ سو اور ایک سو کتاب فروخت ہو چکی ہے۔ اس مجمع میں ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں' آپ کو کتب کی قیمت ساری کی ساری عبدالحی صاحب اوکاڑہ سے بھیجیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عبدالحی منصوری والے مراد ہیں۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ (اس کے بعد یہ کتاب کئی بار چھپی)

1937ء

دوپہر کے وقت خواب دیکھا کہ میں ایک مجمع میں تقریر کر رہا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں آپ کو ایک انگوٹھی دکھاتا ہوں جو کسی کے پاس نہیں اور دل میں الیس اللہ بکاف عبدہ والی انگوٹھی کا خیال ہے۔ مگر جب میں نے اپنا ہاتھ دیکھا تو میری انگوٹھی پر کچھ انگریزی الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن میرے ایک دوست ڈاکٹر عبدالحکیم نے جو میرے پاس کھڑے ہیں۔ اپنی انگوٹھی چپکے سے مجھے دے دی۔ جس پر الیس اللہ بکاف عبدہ لکھا ہوا تھا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

27رجون بروز پیر 1938ء

خواب میں رات کو دیکھا (آخر حصہ شب نماز فجر سے ذرا پہلے) ایک تبلیغی سالانہ جلسہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی صدر ہیں اور میری تقریر ہے۔ میں نے تقریر سے پہلے کسی سے پوچھا۔ میری تقریر کا مضمون کیا ہے۔ جواب دیا' شدھی پر آپ نے بولنا ہے اور حضرت صاحب نے فرمایا۔ تلاوت لمبی نہ کرنا۔ تمہاری تقریر 45 منٹ کیلئے ہے۔ میں نے تقریر شروع کی۔ پہلے شدھی کی تعریف کی۔ اور کہا کہ شدھی دراصل مذہب کی تبدیلی کا نام نہیں۔ بلکہ شدھی کے معنی روح کو عبادت کے ذریعے پاک کرنا ہے۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔

9اور 10 جنوری کی درمیانی شب 1939ء

دیکھا کہ میں کتاب ''بچوں کی تربیت'' کے متعلق پیر اکبر علی صاحب ایم ایل اے ڈسٹرکٹ فیروز پور کو ایک خط لکھ کر سو گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ میں پیر صاحب کے پاس فیروز پور میں گیا ہوں وہ اپنے دفتر میں ہیں۔ ایک دو آدمی بھی ان کے پاس بیٹھے ہیں۔ میں ان کے سامنے میز کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ان کی میز پر چند کتب ''بچوں کی تربیت'' پڑی ہیں۔ پیر صاحب نے کہا' کہ میں ان کی قیمت آپ کو دے دوں۔ میں نے کہا' یہ تو صرف نمونے کی کاپیاں ہیں۔ انہوں نے ہنس کر فرمایا کہ کیا تم مجھے زیادہ دینا چاہتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر انہوں نے ذرا سوچ کر کہا' اچھا پیر تک انتظار کرو۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ نماز کا وقت تھا اٹھ کر نماز پڑھی۔

نوٹ: اس کے بعد پیر صاحب نے 100 کتب مجھ سے منگوائیں اور خواب پورا ہو گیا۔ الحمد للہ۔

دسمبر 1942ء

خواب میں دیکھا کہ میاں منصور احمد صاحب ابن میاں شریف احمد صاحب بہت ہی خوبصورت شکل میں میرے پاس کھڑے ہیں۔ میں انہی چومتا ہوں اور کہتا ہوں۔ میاں آپ میری تبدیلی جالندھر سے کسی اور جگہ کرا دیں اور آنکھ کھل گئی۔

چنانچہ چند ماہ کے بعد میری تبدیلی فاضلکا ہو گئی۔ منصور کے نام سے مراد کامیابی' نصرت کے ہیں۔

1942ء

خواب میں دیکھا کہ میں ایک گاؤں میں تبلیغ کیلئے گیا ہوں۔ مسجد میں وضو کر رہا ہوں کہ نماز پڑھ لوں کہ ایک دو غیر از جماعت لوگ مناظرے کیلئے آ گئے۔ میں ان سے مناظرے کیلئے تیار ہو گیا ہوں۔ ایک احمدی دوست نے کہا۔ آپ فلاں دن آئیں اور جمعہ اور نکاح پڑھائیں۔ میں نے کہا میں نکاح کی فیس لوں گا۔ اس نے کہا وہ دے دیگا۔ شاہ ہے۔

مارچ 1942ء

خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں قادیان گیا ہوں اور میجک لینٹرن سے لیکچر دینا چاہتا ہوں۔ کچھ لوگ روک پیدا کر رہے ہیں۔ اتنے میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے چودھری فتح محمد سیال سے کہا اسلم صاحب کو اپنے ساتھ لے چلو۔ پھر چوہدری صاحب حضرت صاحب اور میں اکٹھے اور چلے گئے۔

1943ء

خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ساتھ مل کر چائے پی رہا ہوں۔ میاں صاحب خود چائے بنا کر مجھے دے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب پیاز میں لیموں نچوڑ کر میری پیالی میں ڈالتے جاتے ہیں۔ میں دل میں کہتا ہوں۔ اس سے سالن اچھا ہو جاتا ہے۔ میاں صاحب مجھ سے تبلیغ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ایک وفد گیا ہوا ہے۔ پھر فرمایا۔ یہ علاقہ بھی ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کیا آپ نے فرمایا ہے۔ ملکانہ جیسا۔ پھر میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ گو ہم کمرے میں ہیں۔ مگر سامنے وہ علاقہ۔ میدان، جنگل اور گاؤں نظر آنے لگے۔ میں کہتا ہوں ٹھیک ہے یہ واقعی ملکانہ جیسا علاقہ ہے۔ پھر میں نے کہا' کہ خدا کسی کو توفیق دے گا کہ یہاں تبلیغ کرے۔ مگر دل میں یہ خیال ہے کہ میں خود یہ کام کروں گا۔ میاں صاحب کہتے ہیں۔ میری دعا تو یہی ہے کہ خدا آپ کو ہی توفیق دے۔ میں نے کہا' ہاں میں نے ملازمت سے لمبی رخصت لی ہے۔ منظور ہو جائے تو کام شروع کروں گا۔ اور دل میں کہتا ہوں۔ گو قادیان والے مبلغ بھی کام کرتے ہیں۔ مگر میں ایسا کام کروں گا کہ ان سے بڑھ جاؤں گا۔

نوٹ: اس خواب سے بھی تبلیغ کرنے کی بہت زیادہ توفیق ملنے کی بشارت ہے۔ کیونکہ میاں بشیر احمد صاحب کی نام کی مناسبت یہی ہے۔ چنانچہ میں نے لینٹرن سلائیڈز کے ذریعہ اب تک 300 لیکچر دیئے ہیں۔

1943ء

خواب میں دیکھا کہ میں تبلیغ کیلئے کسی شہر میں ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے لوگ ہیں۔ اسی بھیڑ میں مجھے ایک خط ملا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ فلاں آدمی جو غیر احمدی ہے اور اس جلسے میں آیا ہوا ہے اس کو تبلیغ کرو۔ میں نے اسے مجمع میں سے بلایا اور دیکھا تا کہ اسے تبلیغ کروں۔ اسے میں کہتا ہوں کہ تم مجھے کھنہ میں قاضی سعد اللہ کے مکان پر ملو۔ قاضی سعد اللہ صاحب کا مکان سب جانتے ہیں۔

اس کے بعد دیکھا کہ ایک مکان میں ہم بیٹھے ہیں جو بہت عالیشان ہے۔ اس مکان کے ایک کمرے میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بیٹھے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب کمرے سے باہر آئے۔ اس مکان کی کرسی بہت اونچی ہے۔ بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر مکان میں جانا پڑتا ہے۔ حضرت صاحب مکان سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ مجھے دیکھ کر حضرت صاحب نے کہا۔ میرے ساتھ کون جانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا' میں چلتا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا' اچھا چلو۔ میں اپنی اچکن پہننے کیلئے دوڑا دوڑا پھر سیڑھیوں پر چڑھنے لگا اور اپنی سیاہ اچکن پہن کر واپس لوٹا اور حضرت صاحب کے ساتھ ہولیا۔ پھر اس کے بعد نقشہ بدل جاتا ہے۔ میں ایک جگہ لیکچر کیلئے مدعو کیا گیا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنا لیکچر شروع کر دیا۔ مگر یہ مکان ایک بڑے ہال کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اس ہال کے اندر گیلری کی شکل کا ایک بالا خانہ ہے۔ اس گیلری میں کھڑا ہو کر میں لیکچر دے رہا ہوں۔ عام لوگ تو نیچے ہال میں بیٹھے ہیں۔ مگر کچھ لوگ گیلری میں بیٹھے ہیں۔ غالباً یہ منتظمین ہیں۔ میں اونچی آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ جب ایاک نعبد پر آیا ہوں تو ولی اللہ شاہ صاحب نے جو کہ ہال میں موجود ہیں کہا' سب لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اس پر سب لوگ کھڑے ہو گئے اور سینے پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور میں نے ایاک نعبد سے آگے پوری سورۃ اونچی آواز سے پڑھنی شروع کی۔ آخر میں مَیں نے زور سے آمین کہا۔ اور باقی سب نے بھی میرے ساتھ آمین کہی۔ اس کے بعد میں نے اپنا لیکچر یوں شروع کیا۔

''صاحبان یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں اتنی دور سے پیغام صداقت آپ کو سنانے آیا ہوں۔ پیشتر اس کے کہ یہ پیغام سناؤں۔ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری بیماری بہت دور تک پھیل گئی ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے جراثیم پہنچ گئے ہیں۔''

یہاں پر پہنچ کر میری آنکھ کھل گئی تو صبح کی نماز کا وقت تھا۔ طبیعت اس خواب سے بہت مسرور تھی۔ اٹھ کر نماز پڑھی اور دعا کی۔ الحمدللہ۔

نوٹ: خدا تعالیٰ نے اس خواب کے بعد توفیق دی کہ حیدر آباد دکن گلبرگہ' یادگیر' بمبئی اور دور دراز شہروں میں تبلیغ کی اور لیکچر دیئے۔

1944ء قادیان

خواب میں دیکھا کہ ایک گاؤں میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا لیکچر ہے۔ کثرت سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ اس جلسہ کا انتظام میرے سپرد ہے۔ میں نے دریاں' سائبان' کرسیاں وغیرہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دیا ہے۔ حضرت صاحب لیکچر کیلئے کھڑے ہو گئے ہیں اور میں ادھر ادھر پھر رہا ہوں۔ پولیس بھی آئی ہوئی ہے ایک پولیس آفیسر نے کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہا کہ اسے گرفتار کر لو۔ چنانچہ میں نے اور ایک اور شخص نے اسے پکڑ لیا۔ دیکھا کہ اس کے پیٹھ پیچھے بندوق لٹک رہی ہے اور میں دل میں کہتا ہوں کہ یہ حضرت صاحب پر پستول کا وار کرنا چاہتا تھا۔ جب اسے پکڑ لیا تو پولیس آفیسر نے کہا' اسے غیر مسلح کر دو۔ میں نے اس سے بندوق چھین لی۔

قادیان 1944ء

خواب میں دیکھا کہ میرے گلے میں چاندی کا بہت خوبصورت باریک لڑیوں کا ہار ہے اور میں کسی کو دکھا رہا ہوں اور خوش ہو کر کہتا ہوں۔ کتنا اچھا ہار ہے ایک اور شخص بھی ہار پہنے ہوئے ہے۔ مگر وہ دیہاتی قسم کا ہے۔ چوڑے چوڑے تعویذوں کا بنا ہوا۔ جسے دیہاتی چوکیاں کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ یہ تو صرف چاندی ہے۔ ہار تو میرا ہے۔

قادیان مئی 1944ء

خواب میں دیکھا۔ کہ قادیان کے دفتر بہت بڑے بڑے دفتر بن گئے۔ جیسے گورنمنٹ کے دفتر

ہوتے ہیں۔ میں ان میں پھر رہا ہوں ایک بڑے کمرے میں جہاں کاغذوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں اور کلرک بیٹھے کام کر رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بھی تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں بہت سے فائل ہیں۔ جو آپ کسی ناظر کو ایک ایک کر کے پکڑا رہے ہیں۔ ایک فائل پکڑا کر فرماتے ہیں:

''یہ اسلم صاحب کا ہے۔''

میں نے سنا تو سمجھا کہ ایک سال کے بعد منظوری ہوئی ہے۔ خواب میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا کوئی کام تھا۔ جس کے متعلق اب منظوری ہوئی ہے۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: چنانچہ قادیان کے دفتر ربوہ میں آ کر بہت بڑے بڑے دفتر بن گئے۔ جیسے کہ گورنمنٹ کے ہوتے ہیں۔ میری فائل سے مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کیا مطلب ہے۔

2/جون 1944ء نابھہ

رات کو خواب میں دیکھا کہ میر محمد اسحاق صاحب مرحوم ایک بہت بڑے شاندار قلعے سے باہر نکل رہے ہیں۔ اس کا دروازہ بہت بڑا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ قلعے میں فیصلے کرنے پر مامور ہیں۔ قلعے کے دروازے پر لوگ صف باندھے کھڑے ہیں اور باادب سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ میں کھڑا دیکھ رہا ہوں جب آپ نکلے تو آپ کے آگے پیچھے پہرے کے سپاہی ہیں۔ میر صاحب اپنے روزمرہ کے لباس میں ہیں۔ جیسا کہ آپ اکثر پہنا کرتے تھے میں انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ یہاں تو میں ان سے بات نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اپنی کوٹھی پر جا رہے ہیں۔ وہاں ان سے ملوں گا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

میرے خیال میں یہ خواب میر صاحب کی بعد الموت کی زندگی کی حالت کو بتا رہا ہے۔ آپ گویا بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔

1944ء

78 جنوبی چک ضلع سرگودھا میں تبلیغ کیلئے گیا ہوا تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ مَیں قادیان میں ہوں اور عید کا دن ہے مجھے سب احمدی دوست کہتے ہیں کہ تم عید کی نماز پڑھاؤ۔ میں حیران ہو کر پوچھتا ہوں یہاں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں۔ مجھے کیوں نماز کیلئے کہتے ہو۔ ایک دوست کہتے ہیں۔ حضرت صاحب اور دیگر سب بڑے بڑے لوگ قادیان سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب ان کے بعد آپ کا حق ہے۔ چنانچہ میں نے نماز پڑھائی اور اونچی آواز میں تکبیریں کہیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

جولائی 1945ء

خواب میں دیکھا کہ میں نے لینٹرن سلائیڈز کا لیکچر دیا ہے۔ خاتمے پر ایک فقیر جس کے ہاتھ میں لمبا سا چمٹا ہے کھڑا ہے۔ میں دل میں سوچ رہا ہوں کہ یہ فقیر کچھ نہ بولے تو اچھا ہے مگر وہ بول ہی پڑا اور کہنے لگا۔

''لیکچر تمہارا بہت اچھا۔ جو مانگو گے تمہیں ملے گا۔''

وہ چمٹے کو اوپر نیچے کرتا جاتا ہے اور یہی اوپر والا فقرہ دہراتا جاتا ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

1945ء شاہجہان پور

خواب میں دیکھا کہ میں کسی شہر کے بازار میں جا رہا ہوں۔ بڑا لمبا بازار ہے اور پہاڑی بازار کی طرح نیچا ہوتا جاتا ہے۔ میرے آگے آگے چھتری تانے ایک اور شخص جا رہا ہے۔ بازار کے ختم ہونے پر سمندر آ گیا ہے اور وہ چھتری والا شخص سمندر میں گھس گیا ہے۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا ہوں مگر سامنے ایک جزیرہ نظر پڑا جہاں وہ چھتری والا شخص جا پہنچا ہے۔ میں نے دوبارہ پھر کوشش کی کہ اس جزیرہ میں پہنچ جاؤں اور مجھے خشکی کا ایک راستہ مل گیا اور میں اس راستے سے اس جزیرے پر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک سادھو سمادھ لگائے بیٹھا (یعنی عبادت کرنے کیلئے) میں نے اسے آزمائش کیلئے کہا کہ خدا کے ملنے کا

راستہ کون سا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ جواب نہ دے سکے گا اور شرمندہ ہو گا۔ مگر اس نے جواب دیا۔

''تہذد پڑھنے سے خدا ملتا ہے۔''

تہذد یعنی تہجد۔ اس ہندو سادھو نے اپنی زبان میں یہ لفظ کہے۔ اس کے بعد اس نے کچھ اور بھی کہا۔ مگر مجھے یاد نہ رہا۔ پھر اس نے کہا۔ دیکھو یہ محمود نامہ بھی ہے۔ پھر ایک کاپی میرے سامنے آئی جس پر محمود لکھا ہوا تھا اور پھر آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: میں اس سے یہ سمجھا کہ تہجد پڑھنے سے مقامِ محمود ملتا ہے اور پھر خدا مل جاتا ہے۔

نومبر 1944ء قادیان

خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک چوبارے میں ہیں۔ دو ایک اور آدمی بھی بیٹھے ہیں۔ حضور کا جسم کچھ بھاری ہے۔ مَیں حضور کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ میں تو کہا کرتا تھا کہ میں حضرت صاحب کے زمانے میں نہ ہوا۔ کاش کہ میں آپ کے زمانے میں ہوتا۔ مگر میں تو حضور کے زمانے میں ہی ہوں۔ اتنے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے لینٹرن لیکچر کا انتظام کرنے کو کچھ لوگوں سے کہہ رہے ہیں۔ میں بہت خوش ہوں۔ کچھ لوگ میرے لیکچر کا انتظام کرنے چوبارے سے نیچے اترے ہیں۔ مَیں بھی ان کے ساتھ اترا ہوں کہ انتظام میں حصہ لوں۔ نیچے بازار میں آ کر دل میں کہتا ہوں کہ میں حضور سے کہوں گا کہ آپ میری ایک آرزو پوری کر دیں وہ یہ کہ آپ میرے ساتھ تصویر کھنچوائیں۔ دونوں پاس پاس بیٹھے ہوں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

فروری 1950ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ ایک کئی منزلہ مکان ہے۔ جیسا کہ کراچی میں ہوتے ہیں۔ مَیں اوپر کی منزل میں ہوں جو بہت بڑے ہال کی شکل میں ہے۔ میں اس میں کرسی میز لگائے بیٹھا ہوں اور کھڑکی کے قریب ہوں۔ میرے نزدیک دو آدمی بھی کھڑے ہیں۔ اتنے میں زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا۔ میں کہتا

ہوں۔ ٹھہرو دیکھو یہ زلزلہ تھا۔ اتنے میں ایک اور شدید زلزلے کا جھٹکا آیا اور پھر زمین، مکان زور زور سے ہلنے لگے۔ ہم سب لوگ بہت خائف ہو گئے۔ مکان کشتی کی مانند جھول رہا تھا۔ جھولنے کی حرکت دائیں سے بائیں کو تھی۔ زمین کے اندر سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں آنے لگیں اور مکان چلنے لگا اور زمین بھی چلنے لگی میں نے کہا۔ اب ہم ختم ہو جائیں گے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد زلزلہ ختم ہو گیا اور بالکل سکون ہو گیا اور کچھ بھی نقصان اس زلزلے سے نہ ہوا۔ نہ مکانوں کو، نہ زمین کو، نہ کسی انسان کو، میں نے کسی سے کہا۔ ذرا کھڑکی سے باہر سر کر کے دیکھو۔ مکان اسی جگہ پر ہے یا کسی اور جگہ۔ دیکھنے پر معلوم ہوا مکان اسی جگہ پر ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: تفہیم یہ ہوئی کہ زندگی میں مشکلات تو آئیں گی۔ مگر نقصان کچھ نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ بچاتا رہے گا۔

فروری 1950ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ میں ایک میدان میں جا رہا ہوں اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ ہم سب ایک مکان کی طرف جا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجلس مشاورت ہے اور ہم سب لوگ نمائندے ہیں۔ جب ہم لوگ اس مکان کے قریب پہنچے اور ہال میں جانے لگے تو دو تین رضا کار جو دروازے پر کھڑے ہیں۔ مجھے کہتے ہیں۔ آپ اندر چلے جائیں۔ آپ کیلئے پاس کی ضرورت نہیں۔ اندر ہی پاس مل جائے گا۔ میں اپنی جماعت کے امیر کی تلاش میں تھا کہ ان کے ذریعہ اندر جانے کا پاس حاصل کروں میں دل میں کہتا ہوں کہ مجھے بلا پاس اندر جانے کیلئے اس لئے کہا جا رہا ہے کہ میرا لڑکا یونس احمد اندر ہے۔ یہ لوگ میرا لحاظ کرتے ہیں۔ چنانچہ جب میں ہال کے اندر گیا تو دیکھا کہ بہت بڑا وسیع ہال ہے اور اس میں نہایت خوبصورت قالین بچھے ہوئے ہیں اور قالین پر قسم قسم کے صوفے فیشن دار رکھے ہوئے ہیں۔ جن پر نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں یہاں بھی اپنے امیر کی تلاش میں ہوں تا کہ ان سے پاس لے لوں۔ مگر وہ ملے نہیں۔ پھر میں ایک صوفے پر ایک دوست محمد طفیل کے پاس بیٹھ گیا ہوں۔ سامنے سٹیج پر ایک بلند قامت بزرگ لمبا چوغہ پہنے تقریر کر رہے ہیں۔ ان کی آواز بہت باریک ہے مگر جب وہ سامنے دیوار سے ٹکرا کر

واپس آتی ہے تو بہت بلند ہو جاتی ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اٹھ کر جو دیکھا تو یونس احمد ایک دیوار سے لگا کھڑا رو رہا ہے میں نے قریب جا کر اسے السلام علیکم کہا اور رونے کا سبب پوچھا۔ مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔

خواب کا دوسرا حصہ

تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھ لگ گئی تو وہی ہال اور وہی نقشہ پھر سامنے ہے میں نے دیکھا کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب بغل میں بڑے بڑے رجسٹر دبائے چلے آ رہے ہیں اور یونس احمد کو سینے سے لگا کر تسلی دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں۔ جاؤ باہر سے کام جلدی کر کے واپس آؤ۔ چنانچہ یونس احمد باہر چلا گیا ہے۔ میں دل میں کہتا ہوں کہ یونس احمد میاں صاحب کا خاص آدمی ہے۔ اس لئے اس کے ذمہ خاص پرائیویٹ کام لگایا گیا ہے۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا ہوں۔ میاں صاحب تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی ایک بند لفافہ لایا ہے اور پوچھتا ہے۔ یونس احمد کہاں ہے۔ یہ لفافہ میاں صاحب نے دیا ہے جو یونس احمد کے نام ہے۔ میں نے کہا، مجھے دے دو۔ جب وہ آئے گا اسے دے دوں گا۔ لفافہ لے کر میں دیکھتا ہوں کہ اس کے اوپر بھی بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ صرف اتنا فقرہ یاد رہا جو میاں صاحب نے یونس احمد کو لکھا ہے۔

"1939ء سے 1984ء تک کے لاز (قوانین) مکمل کر کے بھیج دو۔"

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: یہ خواب میں نے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو لکھ کر تعبیر پوچھی جواب آیا کہ خواب بہت مبارک ہے۔ اس میں جماعت کی ترقی کی طرف اشارہ ہے۔

1956ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھتا ہوں کہ ربوہ کی جامع مسجد میں بہت سے لوگ ہیں۔ کچھ کھڑے ہیں، کچھ بیٹھے ہیں۔ محراب میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایک چوکی پر کھڑے ہیں اور اس وقت بالکل جوان نظر آتے

ہیں۔یعنی صرف 30-35 سال کے۔آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس کا سائز براہین احمدیہ حصہ چہار کے برابر ہے۔سبز رنگ کی خوبصورت جلد ہے اور سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔

''حمامة البشرا''

آپ اس کتاب کو اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔اس کتاب کو کون لینا چاہتا ہے۔میں آپ کے قریب کھڑا ہوں۔سب لوگ باتوں میں مشغول ہیں۔اس لئے میں آہستہ آہستہ حضرت صاحب سے کہہ رہا ہوں۔میں لینا چاہتا ہوں۔میں دل میں سوچتا ہوں کہ دوسرے لوگ نہ سن پائیں۔ایسا نہ ہو۔وہ بھی مطالبہ کرنے لگیں مگر حضرت صاحب کے کئی بار پوچھنے پر بھی کوئی شخص نہ بولا۔ آخر حضرت صاحب نے وہ کتاب مجھے دے دی اور فرمایا۔شرط یہ ہے کہ اس کتاب کو تم ہر وقت اپنے پاس رکھو اور کسی کو نہ دو۔یہ کتاب پریذیڈنٹ محلّہ عبدالرحمٰن کی طرف سے ہے۔مَیں نے خواب میں وعدہ کیا کہ میں اپنے پاس رکھوں گا اور کسی کو نہ دوں گا۔آپ نے فرمایا۔لکھ دو۔چنانچہ میں لکھنے لگا۔تو فرمایا۔پرسوں لکھ کر دے دینا۔پھر آنکھ کھل گئی۔

1960ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ ایک ہال میں میری تقریر ہے۔لوگ جوق در جوق آرہے ہیں۔مَیں نے تقریر شروع کی اور یوں کہنے لگا:

''صاحبان جب خدا کے نبی آتے ہیں تو فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور جیسے جیسے نبی کا مقام بلند ہوتا ہے۔اسی نسبت سے زیادہ فرشتے اترتے ہیں۔چنانچہ ہمارے نبی کریم ﷺ چونکہ تمام نبیوں سے بڑے ہیں اس لئے آپ کے زمانہ میں زیادہ فرشتے اترے۔یہ کہہ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھرآ گئی۔پھر خداتعالیٰ نے میرے دماغ میں فرشتوں کے نزول کی کیفیت بتائی کہ فرشتوں کا نزول کس طرح ہوا کرتا ہے اور ایک وسیع مضمون میرے دماغ میں پیدا ہوا اور طبیعت انا انزلنه فی لیلة القدر ۔۔۔کی سورۃ کی طرف متوجہ ہوئی۔مگر افسوس کہ ایک شخص کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔

مگر الحمدللہ کہ مضمون دماغ میں اب تک قائم ہے۔

1961ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ میری بیٹی بلقیس کے لڑکا پیدا ہوا ہے میں اسے ہاتھوں پر اچھال رہا ہوں اور بہت خوش ہوں پھر آنکھ کھل گئی۔

یہ بہت بابرکت خواب ہے۔اللہ تعالیٰ میری اس لڑکی پر بہت برکتیں نازل کرے گا۔

نوٹ: اس خواب کے ڈیڑھ سال کے بعد بلقیس کے لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام 'بشارت احمد' رکھا۔

جلیانوالہ

ایک دفعہ میری عینک گم ہوگئی۔دو دن تلاش کرتا رہا مگر ملی نہیں۔تیسرے دن رات کو خواب میں دیکھا کہ عینک میرے تکئے کے نیچے پڑی ہوئی ہے۔صبح اٹھ کر مَیں نے تکیہ اٹھا کر جو دیکھا تو سچ مچ عینک وہاں پڑی مل گئی۔معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تلاش کر کے وہاں رکھ دی ہوگی۔مگر اللہ تعالیٰ نے کتنی جلدی خواب پورا کیا۔الحمدلله علیٰ ذالک.

جلیانوالہ

ایک بار خواب میں رسول کریم ﷺ کی سیرت پر لیکچر دے رہا ہوں اور لوگ بہت تعریفیں کر رہے ہیں۔مجھے خود بہت لطف آرہا ہے۔پھر آنکھ کھل گئی۔الحمدللہ۔

اگست 1961ء کراچی

خواب میں دیکھا کہ میں لاہور میں محمود احمد راجپوت سائیکل ورکس نیلا گنبد کے مکان میں ہوں اور ایک شادی ہے۔ان کے والد مرحوم تندرست ایک کمرے میں پلنگ پر بیٹھے ہیں اور کچھ انتظامات کے متعلق ہدایات دے رہے ہیں اور محمود احمد صاحب صحن میں میرے پاس کھڑے ہیں۔پھر آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: اس خواب سے ایک دن پہلے میرے لڑکے الیاس احمد کے بی۔اے کا

نتیجہ نہ آنے کی وجہ سے تشویش تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ کسی کو لاہور لکھیں کہ وہ یونیورسٹی سے معلوم کر کے لکھے کہ نتیجہ نہ آنے کی کیا وجہ ہے۔ مَیں نے اپنے خیال میں ایک دو آدمیوں کو چنا۔ مگر رات کو یہ خواب دیکھا تو توجہ پیدا ہوگئی کہ محمود احمد صاحب راجپوت سائیکل ورکس کو لکھوں۔ اور خواب کی بنا پر یہ بھی یقین ہو گیا کہ الیاس پاس ہوگا۔ کیونکہ شادی مسرت دکھائی گئی ہے۔ چنانچہ ان کو لاہور خط لکھا گیا اور خواب بھی جواب میں انہوں نے الیاس کا رزلٹ بھی معلوم کر کے لکھ دیا جو کہ سیکنڈ ڈویژن میں پاس تھا۔ اس طرح یہ خواب پورا ہوا۔ ابھی اس خواب کے ساتھ اور بھی مبشرات وابستہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔ الحمدللہ۔

اگست 1961ء کراچی

خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ الیاس احمد سارجنٹ بن گیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ مجھے تو ابھی تک معلوم نہیں۔ پاس ہی کسی نے کہا اب تو سرکاری اعلان بھی ہو گیا کہ الیاس احمد سارجنٹ بن گیا۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

نوٹ: چنانچہ اس خواب کے بعد جلد ہی میرے بیٹے الیاس احمد کو جو اس وقت پاکستان ایئر فورس میں تھا سارجنٹ کے عہدے پر غیر متوقع طور پر ترقی مل گئی۔ الحمدللہ۔

اگست 1961ء کراچی

خواب میں دیکھا کہ مَیں ہندوؤں اور سکھوں کی کتب کھولے بیٹھا ہوں۔ ارد گرد اور بھی لوگ بیٹھے ہیں۔

عجیب بات یہ دیکھی کہ ان کتب کے ایک ایک ورق کے کسی لفظ پر روپے رکھے ہوئے ہیں' کسی پر ایک کسی پر دو' کسی پر تین میں ان کو اکٹھے کرتا جاتا ہوں اور جیب میں ڈالتا جاتا ہوں اور بہت خوش ہوں۔

جیسے کوئی غیب سے خزانہ مل جاتا ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

اگست 1961ء کراچی

خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوٹو ہے اور دوسرے ہاتھ میں حضرت اقدس کی دستی تصویر' وہ مجھے کہتا ہے کہ دیکھو تو دونوں میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ مَیں نے کہا نہیں ایک ہی طرح ہیں کوئی فرق نہیں۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

اگست 1961ء کراچی

اسی رات خواب میں دیکھا کہ ایک دوست نے مجھے گلاس بھرا دودھ کا دیا مَیں نے پیٹ بھر کے پیا۔ اس میں خوب بالائی تھی جو پینے کے بعد بھی گلاس میں لگی رہی اور اسے چاٹتا ہوں۔

6/ستمبر 1961ء کراچی

خواب میں دیکھا کہ سالانہ جلسہ ہے اور اس میں میرے ذمہ دونوں وقت کے کھانا پکانے اور تقسیم کرنے کا انتظام سپرد کیا گیا ہے اور اس انتظام میں مصروف ہوں۔

ستمبر 1961ء

خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ ایک مکان کے دروازے پر ہے اور دروازہ بند کرنا چاہتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں'

"در بند نہ کر' در بند نہ کر' اے میرے مولا تیرا بندہ ایک اور بھی ہے۔"

یعنی اے خدائے تعالیٰ مَیں بھی ایک تیرا بندہ اس دروازے سے اندر جانا چاہتا ہوں۔ در بند نہ کر۔

22/اکتوبر 1961ء ٹوبہ ٹیک سنگھ

سید محسن شاہ صاحب نے دعا کیلئے کہا' ان کو کچھ مشکلات تھیں۔ دعا کی گئی۔ خواب میں اللہ تعالیٰ نے بتایا۔ ''31 مئی تک' پھر یہ مصرعہ زبان پر جاری ہوا''

''رزقِ حلال مجھ کو تو اے ذوالجلال دے۔''

پھر آنکھ کھل گئی۔ غالباً 31/مئی تک مشکلات دور ہونے کا اشارہ ہے۔

23/نومبر 1961ء ٹوبہ ٹیک سنگھ

سید محمد اشرف شاہ صاحب کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوئی۔ دو چار دن کے بعد میں وہاں پہنچا۔ اشرف صاحب نے کہا دعا کریں۔ میری بیوی کو بخار ہو جاتا ہے۔

زچہ کا بخار عام طور پر خطرناک ہوتا ہے۔ دعا کی گئی خواب میں دیکھا کہ ان کی بیوی سخت بیمار ہے۔ میں اس کی چارپائی کے پاس کھڑا ہوں۔ وہ اس قدر تکلیف میں ہے کہ پردے کا بھی خیال نہیں۔ میں کہتا ہوں امتہ القیوم کیا حال ہے۔ کہتی ہے بہت تکلیف میں ہوں۔ میں گھبرا کر ایک بوری بچھا کر نفل پڑھ کر دعا کرنے لگ گیا ہوں اور نفل پڑھنے کے بعد آنکھ کھل گئی۔

چنانچہ رات اسے تکلیف رہی۔ صبح میں ان کے مکان پر گیا اور اس کی چارپائی کے قریب دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی۔

نصرت آباد اسٹیٹ سندھ

ایک دفعہ میں نصرت آباد سندھ میں تبلیغی دورے پر گیا۔ یہ اسٹیٹ نواب عبداللہ خاں صاحب کی ہے۔ ایک رات میں تہجد کیلئے جو اٹھا اور ذرا اونچی آوازیں رونے کی نکلیں تو نواب صاحب نے کہ جن کا کمرہ ساتھ ہی تھا سن لیا۔ وہ بھی تہجد کیلئے اٹھے ہوئے تھے۔

صبح کی نماز باجماعت ہوئی۔ فارغ ہو کر مجھے ایک طرف لے گئے اور فرمایا اسلم صاحب دعا کرو۔ میرا ایک کام ہے۔ وہ میرے لئے مفید رہے گا یا نہیں۔ کام مَیں نہیں بتاؤں گا اور پھر فرمایا۔ خدا تعالیٰ

جو کچھ آپ کو بتلائے مجھے اس سے اطلاع دیں۔ مَیں نے عرض کیا۔ آپ کا مقام بلند ہے۔ مَیں تو گنہگار سا آدمی ہوں۔ فرمایا۔ نہیں نہیں ضرور کرو۔

چنانچہ رات کو دعا کی۔ خواب میں دیکھا کہ وسیع سبزہ زار ہموار میدان ہے۔ ایک طرف سیدھی اور لمبی نہر جاری ہے۔ مَیں اور نواب صاحب اور چوہدری اکرم صاحب ان کے منیجر اور حصہ دار کھڑے ہیں۔ نواب صاحب مجھے پوچھتے ہیں۔ اسلم صاحب یہ زمین مَیں خریدنا چاہتا ہوں۔ کیسی رہے گی۔ مَیں نے کہا۔ یہ مفید زمین ہے لے لیں اور بشرطیکہ آپ کا منیجر دیانتدار رہا تو فائدہ رہے گا۔ اس پر آنکھ کھل گئی۔

صبح ہی نماز کے بعد نواب صاحب مجھے پھر ایک طرف لے گئے۔ فرمایا دعا کی تھی۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ پھر خدا تعالیٰ نے کیا بتایا۔ مَیں نے اپنا خواب سنایا تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا۔ بس بس ٹھیک ہے۔ مَیں زمین ہی خریدنا چاہتا ہوں جو نہری ہے۔ جزاک اللہ اس کے بعد نواب صاحب کو کچھ ایسی عقیدت اس خاکسار گنہگار سے ہوگئی کہ جب ملتے کچھ روپے۔ میری جیب میں ڈال دیتے۔

نواب عبداللہ خاں صاحب ایک بہت لمبی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور آخر اسی طویل بیماری میں وفات پائی۔

ایک دفعہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نواب صاحب کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دیتا ہے اور نواب صاحب کا نام لے لے کر آوازیں دے رہا ہے۔ کوئی آواز اندر سے نہیں آتی۔ وہ شخص مجھے کہتا ہے۔ اندر سے کوئی بولتا نہیں۔

مَیں نے کہا نواب صاحب کا نام اب یحییٰ ہے۔ اس نام سے بلاؤ۔ چنانچہ اب اس نے یحییٰ کہہ کر پکارنا شروع کیا اور میری آنکھ کھل گئی۔

مَیں نے یہ خواب نواب صاحب کو لکھ کر بھیجا تو نواب صاحب نے خوشنودگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے اور ان کی بیگم صاحبہ نے از راہ نوازش کچھ روپے خاکسار کو بھیجے۔ جزاک اللہ۔

اس خواب کے بعد نواب صاحب قریباً آٹھ سال زندہ رہے۔ حالانکہ خواب دیکھنے کے ایّام میں بیماری زیادہ زور پر تھی۔ الحمدللہ۔

آخر موت سب کے لئے ہے اور ضرور ہے۔

14رد سمبر 1961ء جلیانوالہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب

خواب میں دیکھا کہ میں گوجرہ سے مہدی آباد کی سڑک پر سائیکل پر جارہا ہوں۔ پیچھے ایک سائیکل سوار آرہا ہے۔ جس نے قریب آکر اپنے اگلے پہیئے کو میرے پچھلے پہیئے سے ٹکرایا۔ مَیں ایک طرف ہونا چاہتا ہوں تا وہ آگے نکل جائے۔ مگر وہ ساتھ ہی ساتھ رہا۔ مَیں نے مڑ کر دیکھا تو مولوی فضل الرحمٰن قمر سامانوی تھے۔ مَیں سائیکل سے اتر پڑا اور ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اور ان سے کہا کہ خدا کی قسم مَیں نے آج ہی آپ کو یاد کیا تھا۔ بہت اچھا ہوا آپ مل گئے۔ اب آپ واپسی پر جلیانوالہ چلیں۔

چنانچہ وہ وعدہ کر کے آگے چلے گئے۔ مَیں نے دیکھا کہ مہدی آباد کی سڑک ختم ہونے پر وہاں ایک میلہ لگا ہوا ہے۔ میرے ساتھ ایک اور دوست بھی ہیں وہ ایک دکان پر تبلیغی ٹریکٹ تقسیم کرنے لگ گئے۔ کسی شخص نے برا بھی منایا۔ مگر یہ تقسیم کرتے رہے۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

خواب مبشر ہے۔ فضل الرحمٰن قمر کے نام کی نسبت سے خدا تعالیٰ رحمٰن ہونے کے سبب بِن مانگے کوئی فضل کرے گا۔ قمر یعنی پھر کامیابی کا چاند نکل آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کرے ایسا ہی ہو۔

29رجنوری 1962ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ مجھے ماسٹر عطا حسین شاہ صاحب اپنے مکان کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سیالکوٹ کا شہر معلوم ہوتا ہے۔ ماسٹر صاحب اپنے گھر پہنچ کر مجھے باہر کھڑا کر کے اندر میری اطلاع کرنے گئے ہیں۔ گھر میں جا کر کہہ رہے ہیں کہ وہ دوست اسلم صاحب بہت ہی اعلیٰ تقریریں کرتے ہیں اور بہت اعلیٰ نظمیں پڑھتے ہیں۔ گھر کے لوگ بچے اور عورتیں بہت توجہ سے سنتے ہیں۔ پھر ماسٹر صاحب ان کو کہتے ہیں کہ اسلم صاحب کو مَیں ساتھ لایا ہوں۔ باہر کھڑے ہیں اور آج رات کو یہاں رہیں گے۔ یہ سن کر سب بچے بہت ہی خوش ہوئے اور تالیاں بجانے لگے اور کہنے لگے کہ آہاہا آج رات تو خوب اچھی گزرے گی۔ مَیں باہر کھڑا یہ سب کچھ سن رہا ہوں۔

اتنے میں پاس والے مکان سے ماسٹر کرم شاہ صاحب نکلے ہیں اور مجھے کہتے ہیں۔ اسلم صاحب آجاؤ آپ کے ٹھہرنے کا انتظام اس طرف ہے۔ مَیں ان کی طرف چلا جاتا ہوں۔ ایک لڑکے سے

پوچھتا ہوں کہ یہاں کتنے مکان احمدیوں کے ہیں۔ اس نے کہا' اس مکان سے لے کر سینکڑوں مکان احمدیوں کے دور تک چلے گئے ہیں۔

اس کے بعد نقشہ بدل جاتا ہے۔ مَیں ایک مسجد میں ہوں جو قادیان کی مسجد نور سے ملتی جلتی ہے۔ اس کا صحن تو بالکل ویسا ہی ہے۔ یہاں دو ایک چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں اور چند لوگ بیٹھے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بھی مصلے پر بیٹھے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ میں ایک خطبہ نکاح پڑھنا چاہتا ہوں۔ حضرت صاحب مصلے سے اٹھ کر چٹائی پر آبیٹھے اور مجھے فرمایا۔ خطبہ پڑھو۔ میں مصلے پر جا کھڑا ہوا اور یوں کہنے لگا (حضرت صاحب سے مخاطب ہو کر) ''آپ نے آج سے 34 سال پہلے مجھے یہی خطبہ پڑھنے کو فرمایا تھا۔ آج پھر میں پہلی بار وہی خطبہ پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد خطبہ پڑھ کر جب ہم سب لوگ مسجد سے باہر نکلے ہیں تو مَیں نے دیکھا ہزاروں لوگ جلوس کی شکل میں خطبہ سننے کے بعد واپس جا رہے ہیں۔ مَیں حیران ہو کہ یہ اتنے لوگ کہاں بیٹھے تھے۔ لوگ میرے خطبہ کی بہت تعریف کرتے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

بہت مبارک اور خوش کن خواب معلوم ہوتا ہے۔

فروری 1962ء ٹوبہ ٹیک سنگھ

اپنے ایک دوست سید محمد اشرف شاہ صاحب کے مکان میں ہوں۔ میرے ساتھ والی چارپائی پر سید محسن شاہ لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں دوست مجھے دعا کیلئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالی فراخی عطا فرمائے۔

رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک سڑک پر ایک نہایت حسین عورت نہایت اعلیٰ لباس میں ملبوس کھڑی ہے اور منہ سے دوپٹہ ہٹا کر میری طرف دیکھ رہی ہے۔ چند منٹ کے بعد یہ نظارہ ختم ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔

تعبیر نامہ میں خوبصورت عورت کا نظر آنا دولت کا ملنا ہوتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی دولت کی لچھمی دیوی خوبصورت عورت کی شکل میں دکھائی گئی ہے۔

3/مارچ 1962ء جلیانوالہ

گوجرہ کی جماعت نے مجھے اپنے ہاں تقریر کرنے کی دعوت دی میں نے منظور کر لی۔ گھر آ کر دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میری تقریر کو میرے لئے اور جماعت کیلئے مفید اور بابرکت کرے۔

رات کو خواب میں دیکھا کہ میں ایک مکان میں اپنا بندھا ہوا بستر کھول رہا ہوں۔ اس میں سے کچھ کتابیں بھی نکلتی ہیں۔ ایک رجسٹر کے سائز کی کتاب جونہی میں نے کھولی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی پوری تصویر اس میں دکھائی دی۔ میں نے دیکھ کر کتاب کو الگ رکھ دیا کہ سب کتابیں سنبھال کر تسلی سے پھر اس کو دیکھوں گا۔

اب اور دو کتب بڑے سائز کی۔ احیا العلوم حصہ اوّل اور احیا العلوم حصہ دوم نظر پڑیں۔ یہ کتاب حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

حضرت صاحب کا نام چونکہ بشیر الدین محمود ہے۔ اس لئے تعبیر یہ معلوم ہوئی کہ میری تقریر بابرکت اور محمود ہوگی اور احیا العلوم کتاب کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے علم عطا فرمائے گا۔ چنانچہ تقریر واقعی ایسی ہی ہوئی۔

ایک نقشہ خواب میں دیکھا جس میں ملک عرب کا نقشہ درمیان میں ہے اور اس کے اردگرد دوسرے ممالک ہیں۔ مشرق میں جاپان تک ملک دکھائے گئے ہیں۔ میری زبان پر مندرجہ ذیل شعر جاری ہوگیا۔

''میرے مولا میرے پیارے اے میرے پروردگار میں سمجھتا ہوں یقیناً مجھ سے تجھ کو ہے پیار''

شعر پڑھتے پڑھتے آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلنے پر بھی یہی شعر زبان پر جاری تھا۔

25/نومبر 1962ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی لذیذ پھل میرے ہاتھ میں ہے۔ وہ بڑے انار کے سائز کا ہے۔ میں نے اسے ایک طرف سے دانتوں سے کاٹ کر کھایا تو بہت ہی میٹھا اور لذیذ ہے۔ میں بہت ہی خوش ہوتا ہوں۔ کٹا ہوا پھل پھر ثابت ہوگیا۔

میں خواب میں ہی جلیانوالہ کے ایک دوکاندار صوفی غلام محمد کو کہہ رہا ہوں کہ یہ خواب میرے

بھائی کے متعلق ہے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ اگر یہ پھل خدا کیلئے دے دو تو اس کے عوض پانچ چھ پھل خدا تعالیٰ دے گا اور جب میں گھر آ کر اس پھل کو ایک گھڑے میں ڈالتا ہوں تو اس کے اندر پہلے سے 7-8 پھل اس قسم کے پڑے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ دیکھو یہ خدا کی شان ہے کہ اس نے ایک پھل کے بدلے میں اتنے پھل دے دیئے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

12/فروری 1963ء سیالکوٹ

خواب میں دیکھا کہ میں رسولِ پاک ﷺ کی شان میں لیکچر دے رہا ہوں اور ان الفاظ سے شروع کرتا ہوں۔ ''عزیز بچو اور معزز بھائیو میں آپ کو ایک ایسا میٹھا مضمون سنانے لگا ہوں کہ جس سے آپ کے ایمان تازہ ہوں گے۔ آپ کو نیکیوں کی توفیق ملے گی۔''

14/فروری 1963ء سیالکوٹ

خواب میں دیکھا کہ میں ایک بہت بڑے ہال میں رسول اکرم ﷺ کی شان میں لیکچر دے رہا ہوں اور بہت ہی زیادہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس ہال کے اردگرد گیلریوں پر بیٹھے ہیں۔

20/فروری 1963ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ میں تقریر کیلئے کہیں گیا ہوں۔ منشی عبدالعزیز صاحب پریذیڈنٹ جماعت گوجرہ مجھے تقریر کے بعد رخصت کرتے وقت ایک بڑا لفافہ دے رہے ہیں۔ لفافے سے انہوں نے 10 روپے کے نوٹ نکالے۔ منشی صاحب نے وہ لفافہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ نعتیں اور نظمیں یہاں آ کر پڑھتے رہتے ہیں اس لئے یہ لفافہ جس میں کپڑا بھی ہے۔ آپ کو دیتا ہوں۔

اس کے بعد واقعی گوجرہ میں تقریر کے بعد منشی عبدالعزیز صاحب نے 10 روپے کا نوٹ مجھے دیا۔

اس کے بعد اسی رات دوسرا خواب دیکھا کہ میں کہیں کسی کام پر مامور ہوں۔ مجھے افسرانِ بالا نے کچھ سامان بھیجا ہے اور ایک موٹر میرے لئے خاص طور پر بھیجی ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ ہمارے گھر

کی بھی موثر ہو گئی۔اب اس پر بچے سیر کیا کریں گے۔

2/اپریل 1963ء جلیانوالہ

دن میں سو گیا۔خواب میں دیکھا کہ ایک کمرے میں مَیں چند ایک آدمیوں کے ساتھ ہوں۔ان میں ایک شخص شیعہ خیالات کا ہے۔وہ حضرت علیؓ کی تعریف کر رہا ہے اور وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت علیؓ نے بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالا۔میں بھی بولنے لگا اور کہا کہ رسول کریم کی وفات کے بعد حالات سخت خراب ہو گئے۔مسیلمہ کذاب 50لاکھ کا لشکر لئے کھڑا تھا۔زکوۃ کے منکر الگ تھے۔ہزاروں مسلمان مرتد ہو گئے۔حضرت عمرؓ نے کہا بھی کہ ان لوگوں سے ذرا نرمی کرو۔مگر حضرت ابوبکرؓ نے پرواہ نہ کی اور سب کے ساتھ جنگ کی اور اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا نہ کرتا تو حالات قابو میں نہ آتے۔اس وقت حضرت علیؓ نے بالکل نہ کہا کہ میرا حق ہے خلافت کا۔اور وہ خاموش رہے۔غرض میں حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت کی اہمیت کو پرزور الفاظ میں ظاہر کر رہا ہوں اور یہاں تک کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ساتھ ساتھ دل میں دعا بھی کر رہا ہوں کہ اس شیعہ کے دل پر اثر ہو۔چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ شیعہ اور باقی لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

14/اپریل 1963ء جلیانوالہ

رات کو عشاء کی نماز کے بعد سینے میں درد شروع ہو گیا ادھر ادھر کروٹیں لیتا رہا کہ شاید اسی طرح آرام آجائے۔

پھر دعائیں شروع کیں اور ساتھ ساتھ تیل کی مالش کرائی۔غنودگی سی طاری ہو گئی اور زبان پر یہ مصرع۔

''سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا۔''

جاری ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی۔یہی مصرع بار بار زبان پر آتا رہا۔دن میں یہی مصرع دماغ میں چکر لگاتا رہا۔

تفہیم یہ ہوئی کہ جس طرح عقیق کٹ کٹا کر اور چھل چھلا کر انگوٹھی میں نگینہ بننے کے قابل ہوتا ہے۔اسی طرح انسان مصائب اور تکالیف برداشت کر کے ہی انسانیت کا نگینہ بن سکتا ہے۔

8/نومبر 1963ء جلیانوالہ

خواب میں دیکھا کہ سڑک پر ایک بس کھڑی ہے ادھر ادھر سے لوگ آ رہے ہیں۔ایک طرف چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کھڑے ہیں۔میں ان کو ملنے کیلئے آگے بڑھا۔چوہدری صاحب نے آگے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہنے لگے آپ ہمارے اباجی کے زمانے کے ہیں۔مَیں نے کہا اس کے علاوہ میں ان کے ماتحت رہا ہوں۔وہ ناظر اعلیٰ تھے اور میں قادیان کے سکول میں پڑھایا کرتا تھا۔

پھر نظارہ بدل گیا اور ایک بالا خانے پر صحن میں چوہدری صاحب ایک چارپائی پر بیٹھے ہیں۔وہ کسی کے انتظار میں ہیں۔مَیں نے کہا۔وہ تو ابھی تک نہیں آئے۔میں آپ کو ایک نظم سناتا ہوں۔فرمایا سناؤ۔چنانچہ میں نے اپنی ایک نظم سنائی جس کے پہلے تین شعر سنا چکا تو ملتان کے ڈاکٹر عبدالکریم چوہدری صاحب کے ساتھ آکر بیٹھ گئے۔

نظم کا پہلا شعر ہے۔

مجھ کو اپنے رنگ میں اے میرے مولا رنگ دے
جو کبھی پھیکا نہ پڑ جائے تو ایسا رنگ دے

اس کے بعد محفل برخاست ہوئی اور نظم سننے کے وقت جو سینکڑوں آدمی موجود تھے۔سب چلے گئے۔چوہدری صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا۔کیا انقلاب ملک پر بھی کچھ لکھا ہے۔میں نے کہا ہاں کچھ کچھ لکھتا رہتا ہوں۔پھر آنکھ کھل گئی۔

4/مئی 1964ء جلیانوالہ

رات کے آخری حصہ میں جبکہ صبح بالکل قریب تھی۔خواب میں میری زبان پر یہ مصرع فارسی کا جاری ہوا۔

''رحم کن بر ماغریباں رحم کن''

اس کے بعد آنکھ کھل گئی تو اذان ہو رہی تھی۔مگر زبان پر یہی مصرع جاری تھا۔سبحان اللہ وبحمدہ۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

میں نہ تو اپنے اندر کوئی علمی قابلیت پاتا ہوں اور نہ مجھے شاعری کا دعویٰ ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر کے ماتحت لکھا ہے تبلیغ کا جوش میرے دل و دماغ میں قدرت نے محض اپنے فضل سے رکھدیا ہے اسی مقدس جذبہ کے زیر اثر یہ نظمیں لکھی گئی ہیں اور میرا تجربہ ہے کہ یہ حقیقی جذبات سے پُر اشعار سامعین پر اپنا اثر کرتے رہے ہیں اور خصوصاً نوجوانوں میں تبلیغی جوش کو ابھارتے رہے ہیں ان میں سے اکثر نظمیں قادیان کے سالانہ جلسوں میں پڑھی جا چکی ہیں جن سے احباب خاص طور پر محظوظ ہوتے رہے ہیں اور بعض نظمیں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایداللہ تعالیٰ کی خدمت بابرکت میں مسجد مبارک میں پڑھنے کا فخر حاصل ہوا ہے اور ان میں سے کئی ایک کو حضور نے بہت پسند فرمایا ہے۔ خصوصاً ''جوگی کی صدا''

میرا یقین ہے کہ یہ نظمیں چونکہ محض عقیدت کے رنگ میں لکھی گئی ہیں اور ان میں کوئی تصنع یا شاعرانہ مبالغہ اور رنگ آمیزی نہیں۔ اس لئے پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں پر اپنا اثر ضرور کریں گی۔

آخر میں دوستوں سے التماس ہے کہ وہ خاکسار کیلئے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کے بہترین موقع عطا فرماتا رہے۔

ایم۔ ایس۔ اسلم

توحید کے نغمے

یہ جلوۂ شمس و قمر
یہ جانفزا نورِ سحر
یہ کہکشاں تاروں کا گھر
تو سب میں آتا ہے نظر

حمد باری تعالیٰ

اے خالقِ ارض و سما　　اے مالکِ ہر دوسرا
اے رازقِ شاہ و گدا　　اے خلق کے حاجت روا
اے زینتِ کون و مکاں
اے رونقِ بزمِ جہاں
اے قادرِ مطلق خدا

یہ کوہ و دشت و بحر و بر　　یہ سبزہ اور گلہائے تر
آبِ رواں بادِ سحر　　یہ رنگ و بو برگ و ثمر
یہ دل ربا سرو چمن
یہ طائرانِ نغمہ زن
اک اک میں ہے تیری ادا

یہ جلوۂ شمس و قمر　　یہ جانفزا نورِ سحر
یہ کہکشاں تاروں کا گھر　　تو سب میں آتا ہے نظر
تاروں کے جھرمٹ میں تو ہی
نوروں کے گھونگھٹ میں تو ہی
ذروں میں ہے تیری ضیا

یہ روئے زیبائے حسیں　　نقش و نگار مہ جبیں
یہ کاکل مشک عنبریں　　یہ چشمِ مستِ نازنیں
یہ جلوۂ حسنِ بتاں
ہیں تیری صنعت کے نشاں
تو بادشاہ ہے حسن کا

بندوں پہ رحمت ہے تری　　رحمت میں کثرت ہے تری
کثرت میں وحدت ہے تری　　وحدت میں عظمت ہے تری
غفار اور ستار تو
ہے سب کا حامی کار تو
ہر ناتواں کا آسرا

جلوہ نما ہو کے نہاں　　موجود ہو کے بے نشاں
ہر جائی ہے اور لامکاں　　پھر تجھ کو ڈھونڈیں ہم کہاں
نزدیک بھی ہے دور بھی
واصل بھی ہے مہجور بھی
بے مثل ہے تو اے خدا

شامل ہے ہر محفل میں تو　　موجود ہر محمل میں تو
آباد ہے ہر دل میں تو　　ناقص میں تو کامل میں تو
بستا ہے بوئے گل میں تو
اور نغمۂ بلبل میں تو
ہر رنگ میں جلوہ نما

ہے رات اور تاریکیاں　　ابرِ سیاہ اور آندھیاں
اور کوندتی ہیں بجلیاں　　ایسا بھیانک ہے سماں
اک راہ گم کردہ وہاں
وہ دل شکستہ نیم جاں
لرزاں و ترساں جارہا

وہ راہ سے ہے بے خبر　طاری ہے جسم و جاں پہ ڈر
منزل کٹھن اور دور گھر　پر وہ ادھر اور نہ ادھر
ایسی مصیبت میں وہاں
اس کا رفیق و مہربان
کوئی نہیں تیرے سوا

پانی کی سینہ زوریاں　سرکش ہوا کی شوخیاں
بیڑا پھنسا ہے درمیاں　ٹوٹے ہیں اس کے بادباں
اب آسرا کوئی نہیں
اور ڈوبنے کا ہے یقین
اس وقت تو ہے ناخدا

جب تن خلیل اللہ کا　آہ نظر آتش کردیا
اس وقت تو نے اے خدا　دی نارکونی کی صدا
تو آگ ابراہیم کی!
گلزار فوراً بن گئی!
نمرود کچھ نہ کر سکا!

فرعون نے کی خودسری　جب خودسری حد سے بڑھی
موسیٰ پہ کی لشکر کشی　اس وقت مشکل پڑ گئی
دشمن کی فوجیں اک طرف
قلزم کی موجیں اک طرف
موسیٰ کھڑا ہے سوچتا

لیکن تو اترا ناگہاں　اپنا دکھایا اک نشاں
موسیٰ کو دی تو نے اماں　فرعون کو پکڑا وہاں
اور غرق دریا کر دیا
ظالم کو دی تو نے سزا
موسیٰ کا چھٹکارا ہوا

جب گھر رسول پاکؐ کا　نرغے میں اک دن لے لیا
اور جب ارادہ قتل کا　بالکل مکمل ہو گیا
جھٹ تیری نصرت آگئی
اک معجزہ دکھلا گئی
منہ کفر کا کالا ہوا

ہاں اے مرے پیارے خدا　اسلم بھی ہے بندا تیرا
رکھتا ہے تجھ پر آسرا　ہے جس کا اتنا مدعا
تیری محبت میں جئے
تیری محبت میں مرے
پیارے خدا پیارے خدا

اللہ ھو

ہے صداقت کی تجھ کو اگر جستجو
جو تو چاہے کہ عقبےٰ میں ہو سرخرو
تو بھٹکتا نہ پھر کو بہ کو سو بہ سو
ہو جا مہدی کے دامن سے وابستہ تو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

اپنے من سے خودی کو جدا کر کے آ
نفسِ امارہ کو تو وہیں دھر کے آ
الغرض آنا ہے تو یہاں مر کے آ
زندگی پھر ہمیشہ کی پائے گا تو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

جب تلک احمدیت میں شامل نہ ہو
کس طرح پائے توحید کے راز کو
اپنی عمرِ رواں کو تو یونہی نہ کھو
تاقیامت میں تیری رہے آبرو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

اس نے ہم کو دکھایا ہے زندہ خدا
جس کا چہرہ ہے پیارا وہ ہے دلربا
وہ ہمیں چاہتا ہے ہم اس پہ فدا
اس کے گن گاتے پھرتے ہیں ہم کو بکو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

ہے چمن احمدیت کا جو کھل رہا
یہ اسی کا ہے پیارو لگایا ہوا
پتے پتے سے ظاہر ہے شانِ خدا
بس رہی ہے اسی کی یہاں رنگ و بو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

وہ جو روشن ہوا تھا کبھی طور پر
جس نے گلزار کر دی تھی نارِ سقر
وہ جو فاراں کی چوٹی پہ تھا جلوہ گر
ہے وہی قادیاں میں چل آ دیکھ تو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

یہ تو مانا زمانہ ہے سارا دگر
فکر ہم کو مٹانے کی ہے گھر بہ گھر
ہم کو جینے کی خواہش نہ مرنے کا ڈر
ہے فقط ہم کو تبلیغ کی آرزو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

مل رہی ہیں تجھے احمدیؑ گالیاں
بن گئی تیز خنجر عدو کی زباں
ہو رہا ہے تیرے صبر کا امتحاں
تو رضائے الٰہی کی کر جستجو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

جس نے یونسؑ کو مچھلی میں زندہ رکھا
جس نے موسیٰؑ کو دریا سے باہر کیا
جو محمدؐ کو ہر دم بچاتا رہا
آج رکھے گا تیری وہی آبرو!
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

وہ ہمیں دیکھ کر دکھ میں کہتا ہے یوں
ہے تمہیں خوف کیا میں تو نزدیک ہوں
میری رحمت سے ہوتے ہو مایوس کیوں
رکھو پیش نظر اپنے لاتقنطوا
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

میرے پیارے خدا اپنا جلوہ دکھا
میری آنکھوں میں آ، میرے دل میں سما
جو ہو تیری رضا وہ ہو میری رضا
ہے یہی ایک اسلم کی بس آرزو
اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو

عشقِ الٰہی

تجھے بھی خبر ہے کہ کیا چاہتا ہوں
ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

ترے عشق نے مجھ کو زندہ کیا ہے
ترے عشق میں ہی مرا چاہتا ہوں

ہے تو بھی ترا حسن بھی غیر فانی
ترے ساتھ مل کر بقا چاہتا ہوں

غرض حور و جنت سے مجھ کو نہیں ہے!
فقط ایک تیری رضا چاہتا ہوں

ذرا روئے زیبا سے پردہ ہٹا لے
کہ جی بھر کے مَیں دیکھنا چاہتا ہوں

لٹا کر میں سرمایہ سب عمر بھر کا
ترا پیار اے دلربا چاہتا ہوں

گناہوں کے ڈر سے لرزتا ہوں پیارے
مَیں رحمت میں تیری چھپا چاہتا ہوں

گنہگار اسلم بھی بندہ مرا ہے
ترے منہ سے اتنا سنا چاہتا ہوں

اسلم اپنے خدا کے حضور

اے میرے دلبر مرے دلدار میرے خوبرو
مجھ کو بتلا دے کہ راضی کس طرح ہوتا ہے تو
اپنی رحمت پہ نظر رکھ میری بدیوں کو نہ دیکھ
میں ترا کمزور بندہ مالک و مختار تو
میرا جینا میرا مرنا میری راتیں میرے دن
ہوں فقط تیرے لئے بس یہ ہے میری آرزو
عشق میں تیرے ہمیشہ میں تڑپتا ہی رہوں
میری رگ رگ سے نمایاں ہو ترا ہی رنگ و بو
ہوں مری ساری نمازیں معرفت کی منزلیں
آبِ رحمت سے سدا کرتا رہوں اپنا وضو
بارِ عصیاں سے الٰہی جھک گئی میری کمر
خشک ہے انجام بد کے خوف سے میرا لہو
جو تری نصرت نہ آئے گی تو مَیں مٹ جاؤں گا
ہاتھ میں تیرے ہے پیارے اب تو میری آبرو
جو تری مرضی یہی ہے میں بھٹکتا ہی رہوں
مَیں بھی راضی ہوں مگر کہہ دے تو ہو کے روبرو
توہی کہہ دے آج اسلم کا سہارا کون ہے
کون ہے جو دوجہاں میں اس کو کردے سرخرو

خداوند کے حضور

الٰہی آج دنیا میں اکیلا بے وسیلہ ہوں
تو میری کامیابی کے ذریعے آپ پیدا کر

میری ناقص دعا کو کیا ترے در تک رسائی ہو
تو اس میں کچھ قبولیت کے جذبے آپ پیدا کر

بہت تنگ آگیا ہوں نفس امارہ کے ہاتھوں سے
تو اس موذی سے بچ جانے کے رستے آپ پیدا کر

تری چوکھٹ پہ رونا اور چلّانا تو آتا ہے
ہلا دیں عرش کو تیرے وہ نالے آپ پیدا کر

میں جتنی کوششیں کرتا ہوں سب بیکار جاتی ہیں
تو اپنی مہربانی سے نتیجے آپ پیدا کر

تری حمد و ثنا کے میں ہمیشہ گیت گاتا ہوں
ہو جن سے بیخودی پیدا وہ نغمے آپ پیدا کر

کہیں شرِ عدو اسلم کو کچھ نقصاں نہ پہنچا دے
جو دشمن کو بھسم کر دیں وہ شعلے آپ پیدا کر

درگاہِ خداوندی میں التجا

خداوندا مرے سر پہ یہ اتنا بار کیوں ہے
یہ تیرا بندہ ہو کے بھی بہ حالِ زار کیوں ہے

مجھے معلوم ہے بھرپور ہیں تیرے خزانے
تو مدت سے یہ عاجز مفلس و نادار کیوں ہے

دہائی دے رہا ہوں دیر سے تیری دہائی
کہ یہ ابلیس مجھ سے برسرِ پیکار کیوں ہے

تری الفت میں جینا اورمرنا چاہتا ہوں
تو پھر مجھ سے یہ بے مہری مری سرکار کیوں ہے

ہزاروں رحمتیں اسلم پر جب ہوتی رہیں لیکن
میں حیران ہوں کہ اتنی دیر اب کی بار کیوں ہے

مناجات، طالب علموں کی زبان سے

یا اللہ العالمین تیری بڑی سرکار ہے
ہر بڑے دربار سے تیرا بڑا دربار ہے

تیری قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں چار سو
پر سمجھنا تیرے بھیدوں کا بہت دشوار ہے

گو زباں تعریف تیری رات دن کرتی رہے
پھر بھی تیری حمد کی تکمیل سے لاچار ہے

بادشاہ ہوں یا گداگر سب ترے محتاج ہیں
سب کا مالک سب کا داتا سب کا پالنہار ہے

آ کھڑے ہیں ہاتھ باندھے تیرے دروازے پہ ہم
ہو اگر تیرا کرم تو سب کا بیڑا پار ہے

اے خدا کمزور ہیں نادار ہیں لاچار ہیں
ہم غریبوں کو سدا تیری مدد درکار ہے

ہم برے ہیں یا بھلے ہیں تیرے بندے ہیں مگر
تجھ پہ رکھتے ہیں بھروسہ تو ہی حامی کار ہے

تو عطا کرمہربانی سے ہمیں علم و ہنر
یہ نہ ہو تو آدمی مخلوق پر اک بار ہے

شوق سے خدمت کریں ماں باپ کی استاد کی
سارے بیوپاروں سے اچھا ایک یہ بیوپار ہے

جب تلک زندہ رہیں اسلم محبت سے رہیں
لوگ کہتے ہیں محبت اک گلِ بے خار ہے

ہمارا خدا، بچوں کی زبان سے

تو مہرباں ہمارا　　رحمت ہے آشکارا
تیرا ہمیں سہارا　　تجھ بن نہیں گزارا
اے مالکِ یگانہ
اے خالقِ زمانہ

ہاں غمگسار تو ہے　　مشکل میں یار تو ہے
پروردگار تو ہے　　ہاں شہریار ہے تو
جود و کرم بڑھانا
جود و کرم بڑھانا

تو ہے خدائے رحماں　　ان گنت تیرے احساں
بخشے ہیں ایسے ساماں　　رہتے ہیں جن سے شاداں
ہردم خوشی دکھانا
ہردم خوشی دکھانا

تو سب کو پالتا ہے　　سب کو سنبھالتا ہے
غم سے نکالتا ہے　　خوشیوں میں ڈالتا ہے
آفات سے بچانا
آفات سے بچانا

تو ذاتِ جاودانی　　مخلوق ساری فانی
نہ کوئی تیرا ثانی　　جھوٹی ہے سب کہانی
جھوٹا ہے سب فسانا
جھوٹا ہے سب فسانا

گو ہے زباں شکستہ　　حالت ہماری خستہ
ہے عرض دست بستہ　　سیدھا بتا دے رستہ
ورنہ نہیں ٹھکانہ
ورنہ نہیں ٹھکانہ

بدیوں سے دور رکھنا　　رکھنا ضرور رکھنا
اپنے حضور رکھنا　　دل پُر سرور رکھنا
مہر و وفا سکھانا
مہر و وفا سکھانا

جو تیرے در پر آئے　　خالی نہ کوئی جائے
انعام تجھ سے پائے　　اور بامراد آئے
افلاس سے چھڑانا
افلاس سے چھڑانا

جو کچھ ہمیں ملا ہے　　یہ سب تری عطا ہے
دل تجھ کو دے دیا ہے　　اسلم کی اب دعا ہے
راہِ ھدیٰ دکھانا
راہِ ھدیٰ دکھانا

جلوۂ محبوب حقیقی

مل گئیں دونوں جہاں کی نعمتیں سب مل گئیں
گرتے پڑتے ہم جو پہنچے آپ کے دربار میں

کون دے سکتا ہے قیمت آپ کے اس حسن کی
وہ تو یوسف ہی تھا جو کہ بک گیا بازار میں

آپ نے زندہ کیا، پھر مر گئے ہم آپ پر
ہم نے یہ تاثیر دیکھی آپ کے ہی پیار میں

اس قدر وارفتگی ہے اب جنون عشق میں
خواب میں بھی محو رہتا ہوں خیال یار میں

قتل کرتی جارہی ہے، اور نظر آتی نہیں
ایسا جوہر ہے مرے محبوب کی تلوار میں

ایک پل میں دل کی سب تاریکیاں جاتی رہیں
وہ تجلی ہم نے دیکھی آپ کے دیدار میں

شاہ خوباں اس طرف بھی اک محبت کی نظر
دیکھ اسلم مبتلا ہے ہجر کے آزار میں

تو من کے پٹ کھول بابا

تو من کے پٹ کھول بابا، تو من کے پٹ کھول

دنیا تو ہے دکھوں کی جا   ان دکھوں کو کچھ تو بتلا
کیوں لیتا ہے مول بابا، کیوں لیتا ہے مول

لے کے تو ایماں کا ترازو   باٹ اس میں نیکی کے دھرتو
سچ کا سوا تول بابا، سچ کا سودا تول

من کا سارا زور لگا کر   جا کے صدا دے اس کے در پر
بھر اپنا کچکول بابا، بھر اپنا کچکول

مرنے سے پہلے ہی مر جا   نام زمانے میں کچھ کر جا
بات یہ ہے انمول بابا، بات یہ ہے انمول

پریم کا بن جا تو متوالا   پریم سے پی جا پریم پیالہ
پریم کی مصری گھول بابا، پریم کی مصری گھول

کیوں کرتا ہے میری میری   اسلم نہ میری نہ تیری
نام خدا کا بول بابا، نام خدا کا بول

محبوب حقیقی سے ملنے کی تڑپ

اے میرے پیارے میری بگڑی بنا دے آجا
اجڑی ہوئی یہ میری دنیا بسا دے آجا

میں تیرا ہو رہا ہوں تو مجھ میں جلوہ گر ہو
دوئی کا درمیاں سے پردہ اٹھا دے آجا

ہاں تجھ کو تیرے حسن یکتا ہی کی قسم ہے
جلوہ دکھا کے مجھ کو بے خود بنا دے آجا

کوچے میں تیرے مرنا' یہ میری زندگی ہے
لے شوق سے گلے پر خنجر چلا دے آجا

بے ہوش ہو کے ہرگز میں ہوش میں نہ آؤں
ایسی شراب کا اک ساغر پلا دے آجا

فرقت میں تیری اب تو برباد ہو گیا ہوں
اک بار نحن اقرب مجھ کو سنا دے آجا

دل تجھ کو دے چکا ہوں جاں تجھ کو دے چکا ہوں
اب تو بھی اپنا روئے زیبا دکھا دے آجا

تیری لگن میں ہر دم بے چین ہی رہوں میں
اک آگ میرے دل میں ایسی لگا دے آجا

اسلم غریب تو ہے بے دام بندہ تیرا
اس کے دلِ حزیں کو شاداں بنا دے آجا

فریاد دربارِ خداوندی میں

یاالٰہی مشکلوں میں گھر گئے ہیں آج کل
تیرے بن ان مشکلوں کو کون کر سکتا ہے حل

وہ تباہی آگئی جس کی نہیں ملتی نظیر
اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفت ہے اٹل

جب مصیبت سے نکلنے کی ذرا تدبیر کی
تو مصیبت آگئی اک اور پہلے سے ڈبل

راستہ تاریک ہے اور منزلِ مقصود دور
پاؤں میں چلنے کی طاقت بھی نہیں اے عزّ وجل

وہ پریشانی ہے جس سے اڑ گئی تسکینِ قلب
چین پڑتی ہی نہیں ہے رات دن میں ایک پل

کامیابی کس طرح ہو تیری نصرت کے بغیر
راستہ روکے کھڑے ہیں یہ ہمارے بدعمل

عرض کرتے ہیں تری رحمت کا دامن تھام کے
یاالٰہی گردشِ ایّام کا اب رخ بدل

خوار ہیں بدکار ہیں اچھے برے جو کچھ بھی ہیں
ہم ترے محبوب کی امت میں ہیں اے عزّ وجل

داستاں یہ سن کے اسلم غیب سے آئی ندا
تو اماں چاہے اگر اس یار کی راہوں پر چل

محبت کے نغمے

سرورِ کائنات ﷺ فخر موجودات، رونقِ بزمِ جہاں۔ زینت کون ومکاں، تاجِ مرسلیں، خاتم النبیّن، شافعِ محشر، ساقیٔ کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان مقدس میں محبت کے نغمے یعنی حضور پرنور ﷺ کے حقیقی عشق اور پرکیف جذبات میں کہی ہوئی نظموں کا مجموعہ۔ جسے پڑھ کر اور سن کر ربابِ عشق کے تار ہلنے لگے ہیں روح وجد میں آجاتی ہے۔ ایمان تازہ ہوتا ہے اور فرشتے بھی درود پڑھنے لگتے ہیں۔

اللھم صلی علی محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلّم انک حمید مجید

حضور کا ادنیٰ ترین غلام خاکسار۔

محمد شفیع اسلم

رحمۃ اللعالمین
کی محبت کے گیت

وہ جس کے عشق میں مرنے سے میں نے زندگی پائی
جمال و حسن میں جس کا نہیں دیکھا کوئی ثانی
برا ہوں یا بھلا ہوں میں ترا ہوں تجھ پہ مرتا ہوں
چھڑک اپنی محبت کا تو میری روح پر پانی

وہ جس کی دھوم تھی مدت سے محبوب خدا کا آپہنچا

وہ نبی جو رب موسیٰؑ نے تورات میں لکھا آپہنچا
وہ جس کی راہ تکتے تھے سب وہ مثلِ موسیٰ آپہنچا
وہ لے کر ہزاروں قدوسی اللہ کا پیارا آپہنچا
فاران پہ جلوہ گر ہو کر وہ نور سراپا آپہنچا
وہ داہنے ہاتھ میں لے کے شریعت سرورعالم آپہنچا
وہ جس کی دھوم تھی مدت سے محبوب خدا کا آپہنچا
لو حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ کی دعا منظور ہوئی
وہ اسمٰعیلؑ گھرانے کی آنکھوں کا تارا آپہنچا
داوٗدؑ سلیمانؑ دونوں نے جو فرمایا تھا سچ نکلا
وہ حسنِ مجسم آپہنچا وہ عشق سراپا آپہنچا
وہ جس کی شان میں گیت زبور کے مل کر گائے جاتے تھے
داوٗدؑ کے تخت کا وارث وہ روحانی شہنشاہ آپہنچا
وہ جس کی حضرت عیسیٰؑ نے انجیل میں دی تھی خوشخبری
وہ جس کا نام تھا روحِ حق وہ احمدؐ پیارا آپہنچا
فرمایا مجھ سے زورآور سردار جہاں کا آتا ہے
وہ حضرت یحییٰؑ کا مژدہ نبیوں کا دولہا آپہنچا
کل قوموں کا موعود نبیؐ کل نبیوں کا مقصود نبی
آخر میں جس نے آنا تھا وہ آنے والا آپہنچا
وہ جس کے عشق میں گیت ہمیشہ اسلم گاتا رہتا ہے
وہ میرے من کا پیارا میرا راج دلارا آپہنچا

سلام

نبی جی تم پر میرا سلام
نبی جی تم پر میرا سلام

تم پر میرا سلام

نبی جی تم پر میرا سلام
نبی جی تم پر میرا سلام

میٹھے میٹھے نام تمہارے
روح پرور پیغام تمہارے

پیارے پیارے کام تمہارے
دیں من کو آرام
نبی جی دیں من کو آرام
نبی جی تم پر میرا سلام

تم پر میرا سلام

نبی جی تم پر میرا سلام
نبی جی تم پر میرا سلام

سب سے نرالی شان محمدؐ
نوروں کا منبع جان محمدؐ

سب سے انوکھی آن محمدؐ
فیضِ محمدؐ عام
نبی جی فیض محمدؐ عام

تم پر میرا سلام

نبی جی تم پر میرا سلام

میٹھی میٹھی یاد تمہاری
رہتی ہے ہر وقت خماری

مَن میں رکھتی ہے بیداری
پی کر پیت کے جام
نبی جی پی کر پیت کے جام
نبی جی تم پر میرا سلام

تم پر میرا سلام

پیار ہمارا اور تمہارا
من کے اندر پریم کی دھارا

تم پر میرا سلام

باطل کی ہستی کو مٹا کر
پھر اک دنیا نئی بسا کر

تم پر میرا سلام

آدمیت کو زندہ کر کے
کر کے درجے اونچے بشر کے

تم پر میرا سلام

للہ اک دن خواب میں آؤ
اپنے حسن کی شان دکھاؤ

تم پر میرا سلام

بخشش کا ہے ایک سہارا
بہتی رہے صبح و شام
نبی جی بہتی رہے صبح و شام

نبی جی تم پر میرا سلام
کفر کی بستی کو الٹا کر
پھیلایا اسلام
نبی جی پھیلایا اسلام
نبی جی تم پر میرا سلام

نبی جی تم پرمیرا سلام
اس میں تقویٰ کا رنگ بھر کے
کیا جہاں میں نام
نبی جی کیا جہاں میں نام

نبی جی تم میرا سلام
آ کر میرے روگ مٹاؤ
مَیں چاکر بے دام
نبی جی مَیں چاکر بے دام
نبی جی مَیں چاکر بے دام

آپ نے کیں ایسی تدبیریں
ٹوٹی باطل کی زنجیریں

تم پر میرا سلام

آپ آئے اک عالم جاگا
ان الباطل کان ذھوقاً

تم پر میرا سلام

اسلم کبھے مدینے آؤں
تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں

تم پر میرا سلام

بن گئی قوموں کی تقدیریں
دور ہوئے اوہام!
نبی جی دور ہوئے اوہام

نبی جی تم پر میرا سلام
حق آیا اور باطل بھاگا!
کفر ہوا بدنام
نبی جی کفر ہوا بدنام
نبی جی تم پر میرا سلام

نبی جی تم پر میرا سلام
آپ کے دامن میں چھپ جاؤں
ایسا ہو انجام!
نبی جی ایسا ہوا انجام
نبی جی تم پر میرا سلام

نبی جی تم پر میرا سلام
نبی جی تم پر میرا سلام

اگر محبوب خدا مجھے مل جائیں

ایک دن کا ذکر ہے کہ مَیں سفر میں سوچتا ہوا جا رہا تھا۔ کاش محبوب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ خیر الوریٰ۔ سرور کائنات فخر موجودات مجھے راہ چلتے مل جائیں اور میں آپ کے قدموں میں گر جاؤں۔ حضور ﷺ پوچھیں تو کون ہے؟ میں ادب سے عرض کروں حضور کا نام لیوا۔ پھر جب کچھ اور دریافت فرمائیں میں پھر عرض کروں۔ انہی تصورات میں گم ہوگیا۔ ذیل کی نعت میری محبت میری عقیدت اور میرے جذبات کی آئینہ دار ہے۔

نعتِ پیمبر ﷺ

مجھ سے محبوبِ خدا پوچھیں بتا تو کون ہے
میں ادب سے یہ کہوں کہ نام لیوا آپ کا

وہ یہ فرمائیں یہاں پر کس طرح آنا ہوا
میں کہوں کہ عشق مجھ کو کھینچ لایا آپ کا

وہ کہیں سچ سچ بتا یہ عشق کب سے ہو گیا
میں کہوں دیکھا ہے میں نے جب سے جلوہ آپ کا

وہ کہیں کہ کیوں ہمارے عشق میں ہے مبتلا
میں کہوں اک میں تو کیا عالم ہے شیدا آپ کا

وہ یہ فرمائیں کہ تیرے عشق کا مقصد ہے کیا
میں کہوں مر جاؤں پڑھتے پڑھتے کلمہ آپ کا

وہ کہیں ہر وقت ہی کیوں عشق میں بے چین ہے
میں کہوں میں کیا کروں ہے سر میں سودا آپ کا

میں کہوں اے شاہِ خوباں اب الٹ دیجئے نقاب
دیکھ لوں جی بھر کے میں پرنور چہرہ آپ کا

وہ کہیں لایا ہے کیا تحفہ ہمارے واسطے
میں کہوں جو کچھ ہے میرا وہ ہے سارا آپ کا

وہ محبت سے یہ فرمائیں تجھے کیا چاہئے
میں کہوں مل جائے محشر میں سہارا آپ کا

پھر یہ پوچھیں سرورِ عالم بتا کیا نام ہے
میں کہوں اسلم ہوں میں پڑھتا ہوں کلمہ آپ کا

پھر وہ شفقت سے یہ فرمائیں کہ اسلم کون سا
میں کہوں اسلم وہی خادم پرانا آپ کا

میری جان تجھ پہ فدا کملی والے

مری جان تجھ پہ فدا کملی والے ذرا اپنا چہرہ دکھا کملی والے
تڑپتا ہوں میں تیری فرقت میں پیارے مجھے جامِ الفت پلا کملی والے
گناہوں کے دریا میں مَیں بہ چلا ہوں میں ڈوبا میں ڈوبا بچا کملی والے
نشہ جو محبت کا تیری چڑھا ہے رہوں مست اس میں سدا کملی والے
قیامت میں میری خبر لینے والا نہیں کوئی تیرے سوا کملی والے
یہ معلوم ہے تو حبیب خدا ہے مجھے بھی ذرا بخشوا کملی والے

برا یا بھلا جو ہے تیرا ہے اسلم
ترا ہے ترا ہے ترا کملی والے

رحمتہ اللعالمین

طیب و امین ہے تاجِ مرسلین ہے
آج شاہ دین ہے رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
آج شاہِ دین ہے رحمتہ اللعالمین

رحم اس کا کام ہے فیض اس کا عام ہے
کیا ہی پیارا نام ہے رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
کیا ہی پیارا نام ہے رحمتہ اللعالمین

دلبرِ یگانہ ہے حسن کا خزانہ ہے
یوسفِ زمانہ ہے رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
یوسفِ زمانہ ہے رحمتہ اللعالمین

فخرِ آسماں ہے تو رونقِ جہاں ہے تو
جانِ قدسیاں ہے تو رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
جانِ قدسیاں ہے تو رحمتہ اللعالمین

اونچا اونچا آسماں تیرے گھر کی آستاں
اللہ اللہ تیری شاں رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
اللہ اللہ تیری شان رحمتہ اللعالمین

سب کا غمگسار ہے سب کا حامی کار ہے
بے کسوں کا یار ہے رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
بے کسوں کا یار ہے رحمتہ اللعالمین

تیرا ایک جانثار اسلم گنہگار
رحم کا امیدوار رحمتہ اللعالمین
رحمتہ اللعالمین، رحمتہ اللعالمین
رحم کا امیدوار رحمتہ اللعالمین

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

چشمۂ رحمت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
اعلیٰ و ارفع افضل و اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم
سب سے نرالی شان محمدؐ سب سے انوکھی آن محمدؐ
آپؐ کی عظمت سب پہ مسلّم صلی اللہ علیہ وسلّم
محبوبِ یزداں فخرِ رسولاں حور و ملائک جن پہ ہیں نازاں
سب سے بلند اور سب سے مکرم صلی اللہ علیہ وسلّم
آدمؑ، نوحؑ، داؤدؑ اور موسیٰؑ حضرت یوسفؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ
آپ کا رتبہ سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلّم
آپ کے جلوے عرش بریں پر آپ کے چرچے فرش زمیں پر
آپ کے گائیں گیت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
آپ جو آئے لے کے شریعت ہے درحقیقت بارانِ رحمت
سیراب جس سے گلشنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
آپؐ نے علم کے دریا بہائے عرفاں کے موتی خوب لٹائے
علم لدنی کے آپ معلّم صلی اللہ علیہ وسلّم
ساقیٔ کوثر شافعٔ محشر امید لے کر آپ کے در پر
آیا کھڑا ہے آپ کا اسلم صلی اللہ علیہ وسلّم

نعت پیمبر ﷺ

کہیں نعتِ پیمبر ہم کہ بیڑا پار ہو جائے
گنہگاروں پہ راضی وہ بڑی سرکار ہو جائے

شراب معرفت میں وہ سدا مخمور رہتے ہیں
جناب مصطفیٰؐ کا بس جنہیں دیدار ہو جائے

نظر آجائے پھر سب کو وہ کوہِ طور کا جلوہ
ذرا پردے سے باہر جو مری سرکار ہو جائے

رسول اللہؐ کی برکت سے جہان کفر کی آتش
ہمارے پاؤں سے چھو کر گل و گلزار ہو جائے

بڑی تاثیر ہے عشقِ محمدؐ میں مرے پیارے
کہ دیوانہ بھی ایسے عشق میں ہشیار ہو جائے

خدا کے حسن کا حسنِ محمدؐ عکس ہے یارو
نبیؐ کو پیار کرنے سے خدا کا یار ہو جائے

خداوندا یہ تجھ سے ایک چھوٹی سی گزارش ہے
کہ اسلم کی رسائی بھی سرِدربار ہو جائے

نور محمدی ﷺ

نور محمدی نے آکے دنیا کو جگمگا دیا
قدرت نے اپنے حسن کے جلوے کو یوں دکھا دیا

گلشنِ دہر کے مکین مستی میں جھومنے لگے
جامِ شراب معرفت گویا کسی نے پلا دیا

وجد میں آگئے سبھی دیکھ کے حسنِ مصطفیٰؐ
گویا ربابِ عشق کا تار کسی نے ہلا دیا

سرورِ کائنات نے تختۂ کائنات پر
روح حیات پھونک دی رنگ نیا بڑھا دیا

وحشی سے انساں بن گئے انساں سے وہ خدا پرست
کعبے میں آکے آپؐ نے کیا جانے کیا سنا دیا

دنیا کی ساری دولتیں، دنیا کی ساری عظمتیں
قدموں میں آ کے گر گئیں ان کو وہ مرتبہ دیا

اسلم خستہ حال پر اپنے کرم کی رکھ نظر
جس نے سرِنیاز کو در پہ ترے جھکا دیا

سلام بر محمد ﷺ

سلام اس پر جو آیا مظہر نورِ خدا ہو کر
سلام اس پر جو آیا مشعلِ راہِ ہدیٰ ہو کر

وہ جس نے آدمیت کی بنا ڈالی سلام اس پر
وہ جس سے آدمی نے معرفت پا لی سلام اس پر

سلام اس پر کہ جس نے توڑ دیں باطل کی زنجیریں
سلام اس پر کہ قوموں کی بدل دیں جس نے تقدیریں

اڑا دی کفر کی کالی گھٹا جس نے سلام اس پر
چلا دی دینِ وحدت کی ہوا جس نے سلام اس پر

سلام اس پر کہ پتھر کھا کے جس نے پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے یہ بلند اخلاق دکھلائے

جو آیا زینتِ کون و مکاں ہو کر سلام اس پر
جو آیا رونقِ بزم جہاں ہو کر سلام اس پر

سلام اس پر جو اپنے ساتھ رحمت کی گھٹا لایا
سلام اس پر خدا نے خود جسے لولاک فرمایا

غلاموں کو بٹھایا تخت پر جس نے سلام اس پر
غریبوں کو دلایا مال و زر جس نے سلام اس پر

سلام اس پر کہ جس کے حسن پر اسلم بھی مرتا ہے
سلام اس پر کہ جس کے عشق میں مرنا بھی جینا ہے

کوئی نور نورِ نبیؐ سا نہیں ہے

کوئی نور نورِ نبیؐ سا نہیں ہے — یہ وہ چاند ہے جس میں دھبہ نہیں ہے
ہوئے انبیاء ایک سے ایک بڑھ کر — مگر کوئی بھی مصطفیٰؐ سا نہیں ہے

کہا پیار سے حق نے معراج میں یوں — تو محبوب ہے تجھ سے پردہ نہیں ہے
قیامت میں حضرت کا دامن پکڑنا — کہ اس دن کوئی اور اپنا نہیں ہے

خدا کو بھلا کس طرح مل سکے وہ — جو دربارِ احمدؐ میں پہنچا نہیں ہے
نجات اس کو ہرگز نہیں مل سکے گی — محمدؐ کا جو نام لیوا نہیں ہے

غلامی میں آجائیں سب اہل دنیا — اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے
وہ ناکام دنیا سے لوٹے گا اسلم
کہ جس پر محمدؐ کا سایہ نہیں ہے

کریں ذکرِ محمدؐ ہم کہ محفل شاد ہو جائے

کریں ذکرِ محمدؐ ہم کہ محفل شاد ہو جائے
کہیں عرشِ معلیٰ پر ہماری یاد ہو جائے

یہ وہ ذکرِ مقدس ہے کہ جس کے فیض سے پیارو
اگر ہو خانہ ویراں تو وہ آباد ہو جائے

کرے دن رات جو دل سے وظیفہ نام احمدؐ کا.
مصیبت سے بلا سے غم سے وہ آزاد ہو جائے

ابھی دھل جائیں گے سارے گنہ رحمت کے پانی سے
محمدؐ نام لے کر ذرا فریاد ہو جائے

غرض نعتِ پیمبر جو کہے پھولے پھلے ہر دم
جو دشمن ہو رسولؐ پاک کا برباد ہو جائے

سدا عشقِ محمدؐ میں بسر ہو زندگی اپنی
خداوندا تیری جانب سے گر امداد ہو جائے

تری سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی اے اسلم
زبانِ پاک سے حضرت کا گر ارشاد ہو جائے

بیاد رذیل عشاق رسول اللہ بیا غافل

مکمل جس کے دم سے ہو گئی تہذیبِ انسانی
وہ جس کی قوتِ قدسی پہ نازاں ہے مسلمانی

چلی بادِ بہاری گلشنِ توحید میں جس سے
کھلے خوش رنگ و خوشبودار پھر گلہائے رحمانی

شہنشاہ سر جھکا دیتے ہیں جس کے نام نامی پر
سمجھتے ہیں وہ شاہی سے بھی بڑھ کر جس کی دربانی

بشر کو خاک ذلت سے اٹھایا الغرض جس نے
غلامانِ دہر کو جس نے بخشی ہے جہانبانی

وہ جس نے نسلِ انسانی کو گرویدہ کیا آخر
دکھا کر علم و حکمت اور آئینِ مسلمانی

وَ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر اس نے
سنا کر یہ کہا عربی ہو ہندی ہو کہ ایرانی

گزشتہ سب رسولوں اور اوتاروں کی عزت کو
رکھو قائم جہاں میں، کہ یہی ہے شانِ ایمانی

بتا دوں کون ہے آخر کہ دم بھرتا ہوں میں جس کا
جو کرتا ہے مرے تن پر مری روح پر حکمرانی

وہ جس کے عشق میں مرنے سے میں نے زندگی پائی
جمال و حسن میں جس کا نہیں دیکھا کوئی ثانی

بیا در ذیلِ عشاق محمدؐ تو بیا غافل
کہ لطفِ بزم مستانِ رسول اللہ نمے دانی

مدینے کی مقدس سرزمیں میں لیٹنے والے
ترا اسلم تڑپتا ہے خبر لے اس کی اے جانی

برا ہوں یا بھلا ہوں میں ترا ہوں تجھ پہ مرتا ہوں
چھڑک اپنی محبت کا تو میری روح پر پانی

محمدؐ شہِ انبیاء بن کے آیا

کہوں کیا رسول خدا بن کے آیا — عجب نور رب العلیٰ بن کے آیا
جہالت کی تھی رات عالم پہ چھائی — چڑھا دن جو شمس الضحیٰ بن کے آیا
ہوا چاند کا بھی جگر ٹکڑے ٹکڑے — جو دنیا میں بدرالدجے بن کے آیا
ابھی تک تو گلشن میں غنچے تھے سارے — کھلے گل جو یہ مصطفیٰ بن کے آیا
جو رستے سے بھٹکے ہوئے پھر رہے تھے — یہ ان کیلئے رہنما بن کے آیا
یتیموں کا والی غریبوں کا آقا — تھکے ماندوں کا آسرا بن کے آیا
پھنسی جبکہ بحر ضلالت میں کشتی — تو پیارا نبی ناخدا بن کے آیا
مسلماں کریں فخر جتنا بجا ہے — محمد شہ انبیاء بن کے آیا

کہاں تک بتائے گا ناچیز اسلم
نہ جانے حقیقت میں کیا بن کے آیا

خورشید تاباں

دنیا میں آئے ہیں جتنے پیمبر — اپنے محمدؐ ہیں سب میں نمایاں
سارے جہاں کے ہادی ہیں حضرت — ہم جان و دل سے ان پر ہیں قرباں
چھائی ہوئی تھی دنیا میں ظلمت — چمکا عرب میں خورشید تاباں
حضرت کی امت اعلیٰ و افضل — سب امتوں سے اے اہلِ عرفاں

اسلم ہے خادم حضرت کا ادنیٰ
راضی ہو اس پر قدوس و رحماں

شوقِ دیدار نے دیوانہ بنا رکھا ہے

شوق دیدار نے دیوانہ بنا رکھا ہے
پھر بتا کملی میں کیوں چہرہ چھپا رکھا ہے
اے میرے پیارے ترے حسن کا چرچا سن کر
دل نے سینے میں عجب شور مچا رکھا ہے
عشق میں تیرے مرا حال برا ہے پیارے
تیری فرقت نے مصیبت میں پھنسا رکھا ہے
پھر مجھے آج اسی مے سے پلا دے ساقی
جس میں کچھ آپ بقا تو نے ملا رکھا ہے
حق تو یہ ہے کہ تجھے حق نے رسالت بخشی
سکہ عالم پہ صداقت کا بٹھا رکھا ہے
واہ کیا بات ہے اے ساقی بزمِ عرفاں
تو نے ہر شخص کو سرشار بنا رکھا ہے
دولتِ عرفان کی کیا کہتے ہو مجھ سے پوچھو
میرے آقا نے اسے مفت لٹا رکھا ہے
وہ بھلا دنیا میں کیا خاک بڑھے گا جس نے
دین احمد کی صداقت کو چھپا رکھا ہے
اپنے اعمال سے تو ڈوب ہی جاتے اسلم
بحرِ عصیاں میں مگر تو نے بچا رکھا ہے

پنجابی نعت

فراق

مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
رَر کر کے اڈیکاں تھکیاں، میرے سوہنے محمدؐ
تڑپ تڑپ دن رَین گزاراں، آجاویں تاں جندڑی واراں
میں تے لائیاں پریتاں پکیاں میرے سوہنے محمدؐ
مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
تیرے جیہا مینوں ہور نہ کوئی، کملی والیا کملی ہوئی
مینوں طعنے دیون سکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
کیوں نہ من میرے وچ آویں، من میرا تو کیوں ترساویں
کی ترے من وسیاں میرے سوہنے محمدؐ
مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
نظریں آکے لکدا کیوں ایں، ظاہر ہو کے چھپ دا کیوں ایں
لا لا کے پریتاں بچیاں میرے سوہنے محمدؐ
مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
اوجھڑ پیاں نوں راہ پاویں، چکڑ بھریاں نوں گل لاویں
اک میں وی نصیباں دھکیاں میرے سوہنے محمدؐ
مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
اسلم نوں اک جام پلا دے، اس نوں مست الست بنا دے
تیرے اتے امیداں رکھیاں میرے سوہنے محمدؐ
مینوں سَون نہ دیندیاں اکھیاں میرے سوہنے محمدؐ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی

محبت کے ترانے

مسیح وقت بھی ہے مہدیٔ موعود بھی ہے وہ
کہ جس کے ساتھ ہم نے دیکھی ہے تائید ربانی
خدا کے بعد وہ عشق محمدؐ میں تڑپتا ہے
اگر یہ کفر ہے یارو تو کیا ہے پھر مسلمانی

حضرت مسیح موعودؑ کی شان

آپ آئے رحمتِ باری کے دروازے کھلے
خالق و مخلوق کے ملنے کا ساماں کر دیا

اللہ اللہ آپ کی کیا قوتِ اعجاز ہے
ایک ذرّے کو لیا لعلِ بدخشاں کر دیا

کفر کی بنیاد تک آکر ہلا دی آپ نے
دشمنِ اسلام کی چالوں کو عریاں کر دیا

ہاں شریعت کی حقیقت کو بتایا آپ نے
معرفت کی منزلوں کو ہم پہ آساں کر دیا

پھر چلی بادِ بہاری باغ میں (----) کے
ایک پل میں خشک صحرا کو گلستاں کر دیا

مرکزِ تثلیث میں گونجی صداقت کی اذاں
لشکرِ دجال کو جس نے پریشان کر دیا

اہلِ دنیا کو دکھا کر اپنے ربانی نشاں
دینِ احمدؐ کا تفوق پھر نمایاں کر دیا

آکے بھارت میں کیئے توحید کے نغمے بلند
برہمن کو مصطفیؐ کے زیرِ فرماں کر دیا

کچھ تو سوچو کس کے کاموں پر جہاں میں شور ہے
کون ہے دنیا کو جس نے آج حیراں کر دیا

جاں نثاروں کی بنا دی اک جماعت آپ نے
جس نے دیں پر اپنی اس دنیا کو قرباں کر دیا

اس قدر تبلیغ کی کہ سنگھٹن بھی ہل گئی
ایسے شدھی کو دیئے جھٹکے کہ بے جاں کر دیا

ناز کرتا ہے اگر اسلم تو کچھ بے جا نہیں
خاک کا ذرہ تھا اس کو ماہِ تاباں کر دیا

چرا کارِ کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

وہ جس کی قوت قدسی پہ نازاں ہے جہانبانی
وہ جس کے دم سے قائم ہو گی پھر تہذیب انسانی

وہ جس نے کفر و باطل شرک کی تاریک دنیا کو
منور کر دیا فوراً جلا کر شمع ایمانی

وہ جس نے کر دیا مغرور ایوانوں کا سر نیچا
دکھا کر علم و حکمت اور آئین جہانبانی

وہ جس نے پیدا کر دی پھر سے انسانوں میں بیداری
جو لے آیا ثریا سے وہی پھر جوش ایمانی

وہ جس نے علم قرآنی کے جاری کر دیئے چشمے
حصول معرفت میں جس نے پیدا کر دی آسانی

وہ جس کے عزم عالی پر جہاں حیران و ششدر ہے
وہ جس کی شان سے ظاہر ہے دیکھو فقر سلمانی

جو پھر سے باغ ملت میں بہار جاوداں لایا
کھلائے تازہ تازہ ہم کو پھر اثمار روحانی

وہ جس نے لشکرِ دجال کا دنیا میں سر کچلا
جلا کر خاک کر ڈالے در و دیوار شیطانی

شہنشاہ جس کے کپڑوں سے ہزاروں برکتیں لیں گے
امیری اور سلطانی سے بڑھ کر جس کی دربانی

وہ جس نے گلشنِ توحید کو تازہ کیا پھر سے
جو لایا آسماں سے خشک کھیتوں کیلئے پانی

مسیحِ وقت ہے اور مہدئ موعود بھی ہے وہ
کہ جس کے ساتھ ہم نے دیکھی ہے تائید ربانی

خدا کا نام پہنچایا زمینوں کے کناروں تک
فرشتے آسماں پر جس کی کرتے ہیں ثنا خوانی

خدا کے بعد وہ عشق محمدؐ میں تڑپتا ہے
اگر یہ کفر ہے یارو تو کیا ہے پھر مسلمانی

بیادر بزم اہل اللہؒ بیا غفلت مکن ناداں
کہ تاثیر غلامانِ محمدؐ تو نمے دانی

جو دوراندیش ہیں اسلم وہ کب انکار کرتے ہیں
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مسیحائے زماں تم ہو

حبیبِ کبریا تم ہو، تو ظلِ مصطفیٰ تم ہو
بروزِ انبیا تم ہو، ہمارے مدعا تم ہو
تمہیں ہو مہدیٔ دوراں، ملائک جس پہ ہیں نازاں
زمانہ جس کا تھا خواہاں، وہی پیرِ ھدیٰ تم ہو
صداقت کے نشاں تم ہو، مسیحائے زماں تم ہو
علاجِ بیکساں تم ہو، مریضوں کی دوا تم ہو
کھلا رحمت کا دروازہ، ہوا گلزار دیں تازہ
بدل جس نے دیا نقشہ، وہی شیر خدا تم ہو
حقیقت آپ کی سمجھے یہ عقل نارسا کیسے
فقط ہم اس قدر سمجھے جہاں کے ناخدا تم ہو
جو الفت کے ہیں پروانے محبت میں ہیں دیوانے
تمہارے ہم ہیں مستانے ہمارے دلربا تم ہو
ہمیں توحید سکھلائی ہمیں وہ بات بتلائی
کہ جس سے راہ حق پائی ہمارے رہنما تم ہو
مسیحا یہ ترا خادم کہ جس کا نام ہے اسلم
بلاؤں سے بچے ہر دم کہ کشاف البلاء تم ہو

کرشن جی کی آمد

کتھا پریم کی ہندیوں نے بھلا دی
دیا اور دھرم اک کہانی بنا دی
کپٹ لوبھ، ہنکار، مایا میں پھنس کر
مہاپاپ کی ایک آندھی چلا دی
کیے ظلم بھائی نے بھائی پہ ایسے
فلک کانپ اٹھا زمیں تک ہلا دی
رشی اور بھگتوں کی سکھشا کو چھوڑا
ہوئے سارے کے سارے پاپوں کے عادی
جو یہ حال دیکھا تو پہنچے کرشنا
پہنچ کر وہی اپنی مرلی بجا دی
تکبر کے متوالوں کا زور ٹوٹا
محبت کی مے آکے سب کو پلا دی
دھرم کو کیا پھر سے بھارت میں قائم
وہی پریم کی ریت سب کو سکھا دی

کرشن اوتار

یہ زمیں بھارت کی جبکہ وادئ ظلمت میں تھی
ایک آندھی گمرہی کی چل رہی بھارت میں تھی
اک ہوا ایسی چلی دین و دھرم جاتے رہے
بھول کر خلقت خدا کو عیش اور عشرت میں تھی
پاپ سے دنیا بھری اور کام نیکی کے مٹے
ہر بدی اک زور سے ہر شخص کی عادت میں تھی
باہمی ہمدردی والفت سے ہر اک دور تھا
بہتری ہر شخص کو آتی نظر دولت میں تھی
الغرض تھی قوم بھارت کی اندھیرے غار میں
چھوڑ کر زندہ خدا کو محو یہ مورت میں تھی
نہ فقط بھارت ورش تھا اس بلامیں مبتلا
ساری دنیا دوستو بالکل اسی حالت میں تھی
ایسی حالت میں یکایک کرشن جی پرگھٹ ہوئے
گندمی رنگت مگر من موہنی صورت میں تھی
یک بیک اس کرشن نے آکر دیا نقشہ بدل
خلق ظلمت سے نکل کر وادئ رحمت میں تھی
کرشن کی تو جیت ہے میداں میں کوروں کی شکست
اس پہ کیوں ناراض ہوں یہ مرضی قدرت میں تھی
قادیاں باشی جو ہیں اسلم انہیں دھن باد دے
کرشن کی آمد اسی نگری کی تو قسمت میں تھی

دل میں ایسا درد ہے جو ہو نہیں سکتا بیاں

رات دن عشقِ مسیحا میں ہوں مصروفِ فغاں
جان سہتی ہے جدائی میں ہزاروں سختیاں
میری حالت پوچھتے ہو کیا بتاؤں آپ کو
دل پہ یادِ میرزا میں گر رہی ہیں بجلیاں
بیقراری اک طرف ہے اشکباری اک طرف
دل میں ایسا درد ہے جو ہو نہیں سکتا بیاں
پھر رہا ہوں چشمِ گریاں سے صدا دیتا ہوا
کچھ تو بتلا دو ارے لوگو کہاں ہے قادیاں
تیری فرقت میں تو میں گھل گھل کے پانی ہوگیا
آ لگا لے اب گلے اے مہدئ آخر زماں
یوں کسی صورت مرے دل کو سکوں ہوتا نہیں
ہاں اگر دیدار ہو جائے تو آئے جاں میں جاں
بحرِ الفت کا مرے پیارے کوئی ساحل نہیں
کشتئ دل کیوں نہ گردابوں میں ہو گردش کناں
تیرے آنے سے جہاں سارا منور ہو گیا
تیری برکت سے ہوئے روشن زمین و آسماں
کیوں ہو اسلم کا سفینہ غرق گردابِ فنا
جبکہ اس کا ناخدا تو ہو مسیحائے زماں

ساغر جہاں پہ چلتا ہے روزانہ معرفت کا

لو دنیا میں اک آیا ہے مستانہ معرفت کا
پھر جس نے جاری کر دیا میخانہ معرفت کا

میکش تھے خالی ہاتھوں بیٹھے راہ تک رہے
اور اس نے آکے بھر دیا پیمانہ معرفت کا

اچھلو خوشی سے ہاتھوں میں ساغر لئے ہوئے
لو ساقی لے کے آیا ہے خمخانہ معرفت کا

بھولے ہوئے تھے سب کے سب توحید کا سبق
بسرا ہوا تھا دیر سے افسانہ معرفت کا

ہوگا اسی سے راضی شہنشاہِ معرفت
جو اس کے در پہ لائے گا نذرانہ معرفت کا

یارِ ازل کے حسن و محبت کا شمع پر
آخر کو قرباں ہوگیا پروانہ معرفت کا

اسلم تو عمر ایسے ہی میخانہ میں گزار
ساغر جہاں پہ چلتا ہے روزانہ معرفت کا

متفرقات

ابھی وقت ہے زندگی کو بنا لو
عزیزو! یہ میری نصیحت نہ ٹالو
عبث ہے زمانے سے شکوہ عبث ہے
اٹھو اپنی تقدیر کو خود بنا لو!

المصلح الموعود کا پیغام
انصار و خدّام کے نام

وہ مظہرِ نورِ خدا — پہنے ہوئے نوری قبا
وہ جس کی صورت دلربا — صد مرحبا صد مرحبا
وہ کون ہے محمود ہے
محمود ہے مسعود ہے
وہ پہلوانِ کبریا

قدرت کا منظورِ نظر — جس کی نگہ جادو اثر
جس کی زباں پر قلب پر — روح القدس ہے جلوہ گر
وہ دین کا زندہ نشاں
وہ دین کی روح رواں
شیدائے دین مصطفیٰ

وہ حسن و احسانِ مسیح — وہ پیکرِ شانِ مسیح
پابند فرمانِ مسیح — ہاں ہاں وہی جانِ مسیح
ارشاد فرماتا ہے وہ
اک راز سمجھاتا ہے وہ
وہ سلسلے کا رہنما

وہ افتخارِ قدسیاں — وہ رونقِ بزمِ جہاں
وہ واقفِ رمزِ نہاں — وہ علم میں بحرِ رواں
فرما رہا ہے وہ تمہیں
سمجھا رہا ہے وہ تمہیں
فضلِ خدا دیں کا عصا

جب زندگی دشوار ہو — تدبیر سب بیکار ہو
ہاں جذبۂ ایثار ہو — اور موت کا اقرار ہو
کھلتا ہے بابِ زندگی
ملتا ہے آبِ زندگی
اے کاش تو سمجھے ذرا

جس قوم میں غیرت نہیں — ایمان کی دولت نہیں
طاقت نہیں، ہمت نہیں — اس کی یہاں وقعت نہیں
میداں میں آ کچھ کام کر
زندوں میں اپنا نام کر
ہمت کا حامی ہے خدا

یا عشق کا دعویٰ نہ کر — یا موت کی پرواہ نہ کر
کچھ پاس الفت ہے اگر — رسوا نہ ہو رسوا نہ کر
دانا نہ بن، دیوانہ بن
تو شمع کا پروانہ بن
ایماں کے جوہر دکھا

اک اور پیدا کر جہاں — اس کا مٹا کر تو نشاں
ہاں یہ زمین و آسماں — پھر سے بنا اے نوجواں
آبادیاں برباد کر!
بربادیاں آباد کر!
کچھ معرفت کے بل دکھا

تو بیکسوں کا یار بن — غمخوار بن دلدار بن
لیکن میاں خوددار بن — ناداں نہ بن ہشیار بن
دنیا میں تو ممتاز رہ
اور مائلِ پرواز رہ
اللہ پہ رکھ آسرا

آپس میں ہو دلبستگی — وہ انتہا ہو عشق کی
جب مل گئے دو احمدی — مجنوں کو لیلیٰ مل گئی
یہ بے خودی ہر دم رہے
وارفتگی ہر دم رہے
اے بندۂ مہر و وفا

اٹھ شب کو کر آہ و بکا — رونا ترا پھل لائے گا
ہیں چیز کیا ارض و سما — عرشِ بریں ہل جائے گا
بس آنکھ کے پانی سے ہی
دھو ڈال اپنی زندگی
تا تجھ پہ راضی ہو خدا

ہاں اے امیرالمومنیں — اے رہبرِ دینِ متیں
اے یادگارِ اوّلیں — ابنِ امامِ آخریں
اسلم برا ہے یا بھلا
لیکن وہ آخر ہے ترا
تو اس کے حق میں کر دعا

میں احمدی جوان ہوں

اوفتنہ زا او بے خبر　　تو اتنی شوخیاں نہ کر
ترا خیال ہے کدھر　　نگاہ کر ذرا ادھر
ترا صحیح نہیں گماں
جو مجھ کو سمجھا ناتواں
یہ تیری لن ترانیاں
ہیں جھوٹی سب کہانیاں
میں جانتا ہوں بالیقیں　　کہ تجھ میں حوصلہ نہیں
ہوا جو سامنا کہیں　　تو ڈر کے رہ گیا وہیں
تو مجھ کو جانتا نہیں　　میں احمدیؐ جوان ہوں

میں دین کے لئے اٹھا　　تو ان میں شور پڑ گیا
کہ آگیا وہ آگیا　　یہ احمدی ہیں یا قضا
مہاشے اور پادری
وہ دیکھو مل گئے سبھی
میں اک اکیلا احمدی
پر ان میں جوش وہ کہاں　　جو میرے دل میں ہے نہاں
ہوا جو سامنا وہاں　　تو ایسے چپ کہ ہوں نہ ہاں
یہ کہہ کے میں ہوا رواں　　میں احمدی جوان ہوں
یہ مرتبے یہ عزتیں　　یہ راحتیں یہ ثروتیں
یہ دولتیں یہ شہرتیں　　یہ زینتیں مسرتیں

مرے لئے ہیں، ہیچ سب
گئی نفس کی آگ دب
ہے اک یہی خیال اب
کہ پھیل جائے دین رب
اٹھ احمدی میاں ذرا　　زمیں سے خلق کو اٹھا
تو معرفت کے بل دکھا　　خدا دکھا، دکھا خدا
مگر ہو لب پہ یہ صدا　　میں احمدی جوان ہوں

کنارِ گنگ برہمن　　جوان و پیر و مرد و زن
صنم کدے میں ہیں مگن　　میں شدھ کر کے سب کے من
میں لاؤں قادیان میں
لگا دوں گیان دھیان میں
حدیث میں قرآن میں
کروں گا کچھ نہ کچھ جتن　　پرانے تیاگ دیں چلن
پڑیں رسول کی شرن　　کہیں حضور ست بچن
یہ کام کچھ نہیں کٹھن　　میں احمدی جوان ہوں
رضا اسی کی ہے یہی
کہ یہ بہارِ احمدی
سدا رہے بہار ہی
نہ اس پہ ہو خزاں کبھی
ہیں جس قدر بشارتیں　　مجال کیا کہ ٹل سکیں
سب احمدی بڑھے چلیں　　جو جلتے ہیں وہ جل مریں
نہ کم کروں گا کوششیں
میں احمدی جوان ہوں

احمدیت ہی رہے گی ربِ کعبہ کی قسم

آخری حملہ ہے یہ دجال کا ہوشیار ہو
اور اس کے نقشِ ہستی کو مٹا دے ایک دم

یہ تو مانا ہر طرف سیلِ ضلالت ہے مگر
کیا کبھی مومن بڑھا کر پھر ہٹاتا ہے قدم

تیری نصرت کیلئے تو آسماں پر شور ہے
پھر بتا اے احمدی کس بات کا ہے تجھ کو غم

یاد رکھ کہ تو سپاہی ہے جری اللہ کا
دیکھنا اس جنگ میں پیچھے نہ ہٹ جائے قدم

کفر کی کالی گھٹا کافور ہو گی ایک دن
احمدیت ہی رہے گی ربِّ کعبہ کی قسم

اپنے ملکوتی صفت کے آج کچھ جوہر دکھا
ساری دنیا پر برس جا بن کے تو ابرِ کرم

شیخ جی کی نظر میں مَیں سخت کافر ہو گیا
جب کہا یہ ابن مریم مر گیا حق کی قسم

جا مسیحِ ناصری پر تو اگر مرتا ہے مر
تجھ کو عیسیٰ ہو مبارک مجھ کو ہو شاہِ امم

مال و عزت چیز کیا ہیں جان بھی قرباں کروں
اک اشارہ مجھ کو کر دے گر امامِ محترم

آبِ رحمت تو چھڑکتا ہی رہوں گا دوستو
کفر کی ہنڈیا کا جب تک جوش ہو جائے نہ کم

میرے پیارے کو میرے ہی سامنے دو گالیاں
ہائے میرے دل پہ میری جان پر ایسا ستم

جی میں آتا ہے چکھا دوں بدزبانی کا مزہ
کھول دوں دشمن کی طاقت کا ابھی سارا بھرم

کیا کروں لیکن میرے آقا کا یہ ارشاد ہے
چپ رہو تم دیکھ کر ان کے رسالوں میں ستم

تیری دنیا اور ہے اور میری دنیا اور ہے
میرا دیں الفت سراسر تیرا دیں ظلم و ستم

تیرے لشکر دیکھ کر کیا پیٹھ دکھلا دوں گا میں
درمیانِ خاک و خون بینی سرِ من آں منم

اٹھ لگا کر نعرۂ تکبیر اے اسلم نکل
کفر کا تختہ الٹ دے ہے یہی تیرا دھرم

اے احمدی جوانو بیڑے کو پار کر دو

اب اپنی طاقتوں کو تم آشکار کر دو
مردہ دلوں کو زندہ پھر ایک بار کر دو

تاریکیوں کا پردہ دنیا پہ چھا رہا ہے
تم اس کو پھاڑ ڈالو اور تار تار کر دو

توحید کا گلستاں پژمردہ ہو چکا ہے
پھر ایک بار اس کو رشکِ بہار کر دو

کالی گھٹا ہے پانی منہ زور بہہ رہا ہے
اے احمدی جوانو بیڑے کو پار کر دو

اب دینِ مصطفیٰ پر اک وقت آپڑا ہے
خفتہ ہے قوم اٹھو تم ہوشیار کر دو

جنت ہے پھل شہادت کا تم بھی دیکھ لو گے
گر دینِ احمدی پر جانیں نثار کر دو

کچھ کام کر دکھاؤ، کچھ نام کر دکھاؤ
قائم جہاں میں اپنی اک یادگار کر دو

بس اس طرح کی نظمیں اسلم سنا سنا کر
ہر احمدی کے دل کو تم استوار کر دو

اب فیصلہ یہی ہے کہ تخت ہو یا تختہ

ہم احمدی بنا دیں گے سب کو رفتہ رفتہ　　دنیا کو ہم دکھا دیں گے معرفت کا رستہ
کرتے رہیں گے کب تک حق سے مقابلے وہ　　آخر تو قادیاں میں آئیں گے دست بستہ
یہ جان لو یقیناً باطل کے لشکروں کو　　کافی ہے خادمانِ احمد کا ایک دستہ
مہدی کے خادموں کے بس رعب وداب سے اب　　پنڈت پہ خوف طاری اور پادری پہ سکتہ
اسلام کا پھریرا لندن میں جا اڑایا　　دیکھو صلیب کو بھی ہے کر دیا شکستہ
شدھی پہ ایسی ایسی ضربیں لگائیں ہم نے　　کہ بھاگی وہ بغل میں اپنا دبا کے بستہ
وابستہ احمدیت سے ہے نجات یارو　　جو اس سے دور ہے وہ ہو گا خراب خستہ
آمہدیٔ زماں کے قدموں میں آکے گر جا　　جو چاہتا ہے اسلم تو عظمتِ گزشتہ

اسلم جہاں میں کر دیں گے انقلاب پیدا
اب فیصلہ یہی ہے کہ تخت ہو یا تختہ

نوجوانوں سے خطاب

ابھی وقت ہے زندگی کو بنا لو　　عزیزو یہ میری نصیحت نہ ٹالو
نجابت تو ہے آدمیت کا جوہر　　یہ کھونے نہ پائے مرے بھولے بھالو
عبث ہے زمانے سے شکوہ عبث ہے　　اٹھو اپنی تقدیر کو خود بنا لو
بدی ہے بشر کے لئے سمِّ قاتل　　خود اس سے بچو دوسروں کو بچا لو
فسادوں کی جڑ سے یہی بدزبانی　　خدارا تم اپنی زباں کو سنبھالو

عداوت کو چھوڑو بنو بھائی بھائی
دلوں کو محبت کے سانچے میں ڈھالو

یہ انداز جور و جفا بھول جاؤ　　جو روٹھے ہوئے ہیں انہیں بھی منالو
اگر کوئی آپس میں ہو جائے جھگڑا　　تو مل جل کے نرمی سے اس کو مٹا لو
جو دیکھو غموں میں کوئی مبتلا ہے　　تو غمخوار بن کر مصیبت بٹا لو
سنو سر جھکانے میں ہے سرفرازی　　حقیقت یہی ہے اسے آزما لو
چلو اس بتائے ہوئے راہ پر تم　　جو بھولے ہوئے ہیں انہیں بھی بلا لو

اگر آپ اچھے جگ سارا ہے اچھا
یہ اک بات اسلم کی دل میں بٹھا لو

ننھے احمدیوں کا گیت

دنیا کے سردار بنیں گے
بے یاروں کے یار بنیں گے

نیکی کے اوتار بنیں گے
قوم کے حامی کار بنیں گے

گو ذرّے ہیں لیکن بڑھ کر
چمکیں گے ہم سورج بن کر

عالم کو کر دیں گے منور
ہم سے روشن ہو گا گھر گھر

اک دن ایسی حالت ہو گی
دنیا بھر میں شہرت ہو گی

سب لوگوں میں عزت ہو گی
دل میں ایک مسرت ہو گی

ہم بھی ہوں گے قدرت والے
عزت والے عظمت والے

دولت ملک حکومت والے
دین کی خدمت کے متوالے

احمدیت کو پھیلائیں گے
لوگوں کو کچھ سمجھائیں گے

رفتہ رفتہ من جائیں گے
پھر قدیاں میں لے آئیں گے

سورج بن کر مہدی آیا
جس نے کل عالم چمکایا

دین کا پرچم ہے لہرایا
باطل بھاگا اور حق آیا

نبیوں کے وہ مظہر آئے
جس نے بگڑے کام بنائے

ایسے ایسے گر سمجھائے
جن سے دکھ ٹوٹے سکھ آئے

دنیا میں تبلیغ کریں گے
لوگوں سے ہرگز نہ ڈریں گے

جان ہتھیلی پر رکھیں گے
جام شہادت پی کر مریں گے

ہاتھوں سے قرآن نہ چھوٹے
اللہ کا فرمان نہ چھوٹے

جاں چھوٹے ایمان نہ چھوٹے
ہم سے وہ عرفان نہ چھوٹے

ہادی ہے محمود ہمارا
اسلم ہے وہ سب کا پیارا

اس کو جانے ہے جگ سارا
جس نے دین حق کو ابھارا

مجھے ایک چھوٹا سا لڑکا نہ سمجھو

مجھے ایک چھوٹا سا لڑکا نہ سمجھو
مجھے کوئی تم ایسا ویسا نہ سمجھو

یہ سچ ہے کہ ننھا سا ہوں ناتواں ہوں
مگر نیکیوں میں مَیں اک پہلواں ہوں

اگرچہ مری شکل ہے بھولی بھالی
مگر حق نے دی ہے طبیعت نرالی

بدی اور نیکی کو پہچانتا ہوں
میں دونوں کے انجام کو جانتا ہوں

مرا کام ہر دم محبت سے رہنا
شرافت سے رہنا مروّت سے رہنا

کبھی بھول کر بھی شرارت نہیں کی
زباں سے کبھی میں نے گالی نہیں دی

بروں سے ہمیشہ میں رہتا جدا ہوں
فقط نیک لڑکوں کا میں آشنا ہوں

نہیں مجھ کو لڑنے جھگڑنے کی عادت
ہے مل جل کے رہنا ہی اپنی طبیعت

مجھے جھوٹ سے آپ بیگانہ سمجھیں
صداقت کی شمع کا پروانہ سمجھیں

میں ماں باپ کا مرتبہ جانتا ہوں
خوشی سے میں ان کا کہا مانتا ہوں

وہ قربان مجھ پر مَیں ان پر فدا ہوں
ہنسی سے خوشی سے بسر کر رہا ہوں

بڑوں کا ادب میرے دل میں بھرا ہے
تو چھوٹوں کی الفت میں جاں مبتلا ہے

مرا نام یونس ہے میں احمدی ہوں
میں گلزار احمد کی نازک کلی ہوں

سنو جی میں اسلم کا نور نظر ہوں
اور اس کی دعاؤں کا شیریں ثمر ہوں

ہمیں اپنی پگڑی بنانی پڑے گی

ہمیں اپنی پگڑی بنانی پڑے گی
جوانوں کی ہمت بڑھانی پڑے گی

اگر چاہو دنیا میں عزت سے رہنا
تو ہر اک مصیبت اٹھانی پڑے گی

ہمیں خدمتِ دینِ احمد میں یارو
یہ گردن بھی اک دن کٹانی پڑے گی

اندھیرے میں خلق خدا ہے بھٹکتی
اسے روشنی اب دکھانی پڑے گی

نہیں چھوڑ سکتے ہیں ایمان کو ہم
اٹھائیں گے جو بھی اٹھانی پڑے گی

جہاں کفر کی آگ میں جل رہا ہے
لگی آگ اب تو بجھانی پڑے گی

کوئی ہم سے ناراض ہو یا کہ خوش ہو
جو سچی ہے وہ تو سنانی پڑے گی

مقابل پہ اسلم کے آئے گا جو بھی
اسے دیکھنا منہ کی کھانی پڑے گی

دے کفر کو اک ایسا جھٹکا

دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

ہے احمدیوں کا کام یہی، توحید کا ہے پیغام یہی، اور کہتا ہے ایمان یہی
دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

لو دیکھو یہ قرآن میں ہے، اور دین کے یہ ارکان میں ہے، ہر مومن کے ایمان میں ہے
دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

ہاں جوش میں آکر کہہ دو تم، توحید کو کر دو زندہ تم، خود کفر کی ہستی ہو گی گم
دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

وہ ضرب لگا جو کاری ہو، کافر پہ لرزہ طاری ہو، خود اس کی زباں پر جاری ہو
دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

تو دین کا جھنڈا اونچا کر، گاڑ اس کو ہند کے گھر گھر پر، ہر گرجے پر ہر مندر پر
دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

یہ پریم سے پنڈت کو سمجھا' اس بت پوجا کا وہم مٹا' توحید کی اب تو شرن میں آ

دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

تو شودر اور برہمن کا' اس دین کے اندر میل کرا' دونوں کے من کی مَیل مٹا

دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

لے سن کر حق کے گیت کی لے' وہ شدھی بھاگی جاتی ہے' اب بول غلام احمد کی جے

دے کفر کو اک ایسا جھٹکا
ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

اٹھ اسلم جوش بڑھاتا چل' توحید کی شان دکھاتا چل' یہ گیت اپنا تو گاتا چل

دے کفر کو اک ایسا جھٹکا ہو دور ہمیشہ کا کھٹکا

احمدیت کا ننھا سپاہی

مجھے آپ بھولے نہ ہوں گے یقیناً — سبھی جانتے ہوں گے مجھ کو قریباً
وہی احمدیت کا ننھا سپاہی — وہی کفر پر لانے والا تباہی
وہی فوجِ محمود کا پہلواں ہوں — وہی دینِ احمد کا میں پاسباں ہوں
میں دنیا میں نیکی کو پھیلانے والا — میں گھر گھر میں توحید پہنچانے والا
ہلا دوں گا باطل کی بنیاد کو میں — مٹا دوں گا شیطاں کی ایجاد کو میں
مرے دم سے سب کفر کافور ہو گا — جو تاریک گھر ہے وہ پرنور ہو گا
کروں گا میں کچھ ایسی تدبیر دیکھو — پلٹ دوں گا عالم کی تقدیر دیکھو
ہمالہ کی چوٹی پہ دوں گا اذانیں — کروں گا یہی آپ مانیں نہ مانیں

خدا ایک ہے اور باقی کہانی
یہی گیت گائے گا گنگا کا پانی

کہوں گا میں یہ پریم سے برہمن کو — کہ تو چھوڑ دے اب پرانے چلن کو
بتوں کی غلامی سے آزاد ہو جا — محمدؐ کے چرنوں میں آباد ہو جا
میرے دم سے شاہنشہ ذی فراست — مسیحا کے کپڑوں سے ڈھونڈیں گے برکت
عصا دین کا میرے ہاتھوں میں ہو گا — جہاں یہ فتح باتوں باتوں میں ہو گا
تعجب نہ اس پر کرو سننے والو — مسیحا کا خادم ہوں یہ بھی تو سوچو

میں اسلم کا یہ گیت گاتا رہوں گا
یونہی اپنی ہمت بڑھاتا رہوں گا

یہی تو ہے محمود ابنِ مسیحا

کہا میں نے اک روز اک آدمی سے
کہ حضرت جی کیوں آسماں دیکھتے ہیں

مسیحا جو آنے کو تھا آچکا ہے
چلو آؤ چل قادیاں دیکھتے ہیں

یہ درسوں میں خطبوں میں اور لیکچروں میں
کھڑا جو وہاں اک جواں دیکھتے ہیں

معارف یہ قرآں کے کھولے ہے سب پر
عجب اس کو جادو بیاں دیکھتے ہیں

یہی تو ہے محمود ابنِ مسیحا
جسے بت شکن پہلواں دیکھتے ہیں

اجالا جو دنیا میں دیکھا تھا پہلے
وہی ہم یہاں بے گماں دیکھتے ہیں

جو موسیٰ نے جلوہ سر طور دیکھا
اسے آج ہم قادیاں دیکھتے ہیں

اگر ساری دنیا میں چکر لگائیں
تو مہدی کا ہر جا نشاں دیکھتے ہیں

وہ بولا کہ لاریب سچے ہیں مرزا
ہم ان کو مسیح زماں دیکھتے ہیں

ہمیں ماننے میں نہیں عذر لیکن
ذرا اس میں ہم کسرِ شاں دیکھتے ہیں

یہ سن کر کہا میں نے اس آدمی سے
یہاں اک معمہ عیاں دیکھتے ہیں

رسول معظم نے فرمایا ایسا
زمانے کے آخر زیاں دیکھتے ہیں

صداقت کو ہرگز نہ مانیں گے عالم
کہیں گے کہ ہم کسرِ شاں دیکھتے ہیں

یہ سن کر کہا سب بجا ہے یہ اسلم
مگر چپ کہ کوئی یہاں دیکھتے ہیں

پیارے کی پیاری بستی چل قادیان دیکھیں

آ بیقرار دل اب دارالامان دیکھیں
پیارے کی پیاری بستی چل قادیان دیکھیں

فضل عمر کا ثانی ملنا نہیں ہے ممکن
لے کر چراغ گر ہم سارا جہان دیکھیں

عیسائی جس سے لرزاں اور آریہ ہیں ترساں
دنیائے احمدیت کا وہ پہلوان دیکھیں

جس سے مہک اٹھی ہے دنیائے علم و عرفاں
چل کے وہ باغ دیکھیں وہ باغبان دیکھیں

ہو جن کو شوق قرآں یا آرزوئے رضواں
وہ قادیان دیکھیں دارالامان دیکھیں

دارالشفا میں آئیں بیمار مدتوں کے
اسلم اور آ کے میرے مولیٰ کی شان دیکھیں

یہ احمدی جہاں میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں

لو خادمانِ احمد جوہر دکھا رہے ہیں
دنیا میں اپنا ہر سو سکہ جما رہے ہیں

دشمن تو نام سن کر بھاگے ہیں دم دبا کر
احباب سارے مل کر خوشیاں منا رہے ہیں

یوں تو مناظروں میں آئیں نہ بالمقابل
پر دور سے کھڑے ہی پتھر چلا رہے ہیں

جب اپنی حرکتوں سے کچھ بھی نہ کر سکے وہ
آپس میں لڑ جھگڑ کر غصہ مٹا رہے ہیں

اور جا کے کہہ رہے ہیں خود اپنی مجلسوں میں
یہ احمدی جہاں میں بڑھتے ہی جا رہے ہیں

اک احمدی مبلغ کا نام سن کے وہ تو
یہ بات کہہ کے بھاگا مرزائی آ رہے ہیں

بستی میں اور بن میں خشکی میں اور تری میں
احمد نبی کا مژدہ سب کو سنا رہے ہیں

اسلام کا پھریرا لندن میں جا اڑایا
اب اس کے زیر سایہ انگریز آ رہے ہیں

اشعار تیرے اسلم ہیں دلفروز کیسے
صد آفریں کا نعرہ سارے لگا رہے ہیں

درِ مہدی پہ رہا کرتے ہیں

وہ سدا ہم پہ جفا کرتے ہیں　　ہم جفا پر بھی وفا کرتے ہیں
وہ بہت شور کیا کرتے ہیں　　ہم اگر ذکر خدا کرتے ہیں
وہ برا ہم کو کہا کرتے ہیں　　ہم برا سن کے بھلا کرتے ہیں
احمدیت ہے سمائی دل میں　　جان احمد پہ فدا کرتے ہیں
اٹھیئے کچھ خدمت دیں کر لیں　　آپ بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں
اب تو پھیلیں گے جہاں میں ہم ہی　　لو سرعام صدا کرتے ہیں
ہیں مصائب تو بہت ہی لیکن　　کہیں مومن بھی ڈرا کرتے ہیں
کوئی اسلم کو جو پوچھے کہہ دو
درِ مہدی پہ رہا کرتے ہیں

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

احمدیو بڑھے چلو یارو　　اپنے مولا سے سب دعا کر کے
گھر سے نکلو تو لوٹ کر آنا　　حق و باطل میں فیصلہ کر کے
احمدیت کو خوب پھیلاؤ　　مال دے دے کے جاں فدا کر کے
شرک و باطل کے سارے پردوں کو　　چاک کر دو ذرا ذرا کر کے
کفر کی سب عمارتیں توڑو　　پر صداقت کو برملا کر کے
خوب۔۔۔ بنائی لندن میں　　کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
مست تو نے بنا دیا اسلم
شعر اپنے سنا سنا کر کے

اٹھو اے نوجوانو احمدیت کو عیاں کردو

قسم مجھ کو غلامانِ محمد کی شجاعت کی
قسم ہے ان کے استقلال و ہمت اور عظمت کی
قسم ان کی جو اپنی موت سے خود پیار کرتے تھے
وہ مومن جو خدا کے نام پر ہنس ہنس کے مرتے تھے
اٹھو اے نوجوانو تم اسی ایمان سے اٹھو
چلو نقش قدم پر ان کے اللہ تم سے راضی ہو
خدارا کچھ کہو یہ ست و غافل زندگی کیا ہے
ارے یارو بتاؤ تو یہ بزدل زندگی کیا ہے
اٹھو اے نوجوانو احمدیت کو عیاں کر دو
مسیح پاک کی باتوں کو اک اک سے بیاں کر دو
مصیبت پر مصیبت دیکھ کر بھی مسکراؤ تم
اور اپنی موت میں بھی زندگی کا لطف پاؤ تم
ہزاروں آفتوں اور مشکلوں کے درمیاں مومن
قدم پیچھے ہٹائے یہ نہیں ممکن نہیں ممکن
اڑا دو دھجیاں باطل کی اسلم خوب مل مل کر
جھکا دو کفر کا سر آج دہلیز صداقت پر

قادیان میں

میں کیا کہوں کہ کیا کیا دیکھا ہے قادیاں میں
اک معرفت کا دریا بہتا ہے قادیاں میں

دن رات دیکھتا ہوں نظارے روح پرور
گویا کہ خود خدا ہی اترا ہے قادیاں میں

لو مردہ تن میں میرے اک روح پھونک دی ہے
پھر بن کے اک مسیحا آیا ہے قادیاں میں

عشقِ رسول عربی پھر گدگدا رہا ہے
پھر شان یثربی کا جلوہ ہے قادیاں میں

موسیٰ نے طور پر جو پائی تھی اک تجلّی
ہاں ہاں وہی تماشہ دیکھا ہے قادیاں میں

زندہ کیا تھا جس نے پھر اس پر مر رہا ہوں
یہ جینا اور مرنا سیکھا ہے قادیاں میں

دین متیں کی مجھ پر ظاہر ہوئی حقیقت
اور رازِ معرفت کو سمجھا ہے قادیاں میں

بیمار ہوں بلا سے کچھ غم نہیں ہے اسلم
آب شفا کا ساغر ملتا ہے قادیاں میں

اے احمدی

اے احمدی عالم کے خیالات بدل ڈال
دنیا کے یہ بگڑے ہوئے حالات بدل ڈال

پھر پیدا کر دے دہر میں اک انقلاب تو
ہمت ہے تو یہ ارض و سمٰوٰت بدل ڈال

اک زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں سب
جو ہو سکے تو ان کے یہ دن رات بدل ڈال

پھر نسلِ انسانی کو سکھا طرزِ مساوات
پھر امتیاز ذات کی ہر بات بدل ڈال

پھر درسِ محبت کی ضرورت ہے بشر کو
تو اونچ اور نیچ کے جذبات بدل ڈال

دنیا سے چھوت چھات کی لعنت کو دور کر
اس نسلی تعصب کی روایات بدل ڈال

وہ قوت ایمان کا اعجاز دکھا تو
تدبیر سے تقدیر کے اثرات بدل ڈال

باہر نکل کے تو ذرا تبلیغ دیں بھی کر
اسلم تو اپنا طرزِ عبادات بدل ڈال

تو پرواہ نہ کر مسکراتا چلا جا

قدم اپنا ہر دم بڑھاتا چلا جا — زمانہ سے دامن بچاتا چلا جا
محبت کے نغمے سناتا چلا جا — محبت کی دنیا بساتا چلا جا
مَے عشق پیتا پلاتا چلا جا — مزے لوٹتا چل لٹاتا چلا جا
تو ابر ایک من میں سماتا چلا جا — یونہی سارے عالم پہ چھاتا چلا جا
برس بن کے تو ابر رحمت جہاں پر — چمن معرفت کا کھلاتا چلا جا
ضرورت ہے پھر تجھ کو تعمیرِ نو کی — ان آبادیوں کو مٹاتا چلا جا
ہزار آندھیاں آئیں طوفان اٹھیں — تو پرواہ نہ کر مسکراتا چلا جا
ترا حسن ہر ذرہ کو جگمگا دے — اس عالم کو یوں جگمگاتا چلا جا
اگر جاننا چاہے رازِ حقیقت — خوشی سے ہر اک چوٹ کھاتا چلا جا
بہت دور منزل کٹھن راستہ ہے
قدم اپنا اسلم اٹھاتا چلا جا

احمدی ماں کی
میٹھی لوریاں

ہر ملک میں بچے کو سلانے وغیرہ کیلئے لوریوں کا رواج پایا جاتا ہے مگر بے معنی اوراوٹ پٹانگ الفاظ میں۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ بچے کے دماغی قویٰ پر اچھے الفاظ اور اچھی آوازوں کا بہت عمدہ اثر پڑتا ہے۔ اسلام میں جو پہلے ہی دن بچے کے کان میں اذان دینے کا حکم ہے اسی پُر حکمت اصول پر مبنی ہے۔ اس لئے مدت سے میری یہ خواہش تھی کہ احمدی ماؤں کیلئے چند ایسی لوریاں لکھ دوں جو بچے کا مستقبل درست کرنے کے علاوہ ماں کیلئے بھی مفید ہوں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل لوریاں اسی خواہش کا نتیجہ ہیں۔

گرمی کے موسم کی لوری

لے سو جا کہ اماں سلانے کو آئی
ترا نرم بستر بچھانے کو آئی

تجھے اپنے سینے سے پیارے لگا کر
یہ میٹھی سی لوری سنانے کو آئی

جو پرلطف ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے
یہ تیرا ہی جھولا جھلانے کو آئی

مزیدار کیا چاند کی چاندنی ہے
یہ پیارے ترا جی لبھانے کو آئی

لے سوجا بہت رات اب ہو چکی ہے
تجھے میں تھپک کر سلانے کو آئی

مرے پیارے دن بھر رہا کھیلتا تو
مگر رات آرام لانے کو آئی

پرندے بھی حیواں بھی انساں بھی سوئے
غرض نیند سارے زمانے کو آئی

سو جا آنکھ لگا لے سو جا

سو جا آنکھ لگا لے سو جا — چاند کے مکھڑے والے سو جا
لڈو برفی کھا لے سو جا — سو جا بھولے بھالے سو جا
سو جا آنکھ لگا لے سو جا

سو جا میری آنکھ کے تارے — سو جا جانی سو جا پیارے
سو جا میرے راج دلارے — سو جا اے آرام ہمارے
سو جا آنکھ لگا لے سو جا

صورت تیری پیاری پیاری — ننھا مکھڑا بات نیاری
اماں صدقے ابا واری — چومیں تجھ کو باری باری
سوجا آنکھ لگا لے سو جا

بچے تیری دور بلا ہو — تیرا حامی آپ خدا ہو
دنیا میں اقبال بڑا ہو — بدخواہوں کا منہ کالا ہو
سو جا آنکھ لگا لے سو جا

پیارے نیکوکار بنے تو — دین کا خدمت گار بنے تو
ملت کا غمخوار بنے تو — قوم کا حامی کار بنے تو
سو جا آنکھ لگا لے سو جا

دین کی خاطر جینا مرنا — دنیا سے نہ ہرگز ڈرنا
احمدیت کا چرچا کرنا — نور سے سارا عالم بھرنا
سو جا آنکھ لگا لے سو جا
سو جا آنکھ لگا لے سو جا

نازوں کے پالے سوجا

نازوں کے پالے سو جا لے چیجی کھا لے سو جا

یہ جان تجھ پہ قرباں
اللہ تیرا نگہباں
جو ہے رحیم و رحماں
ان گنت اس کے احساں

نازوں کے پالے سو جا لے چیجی کھا لے سو جا

اللہ رکھے سلامت
اور عمر میں دے برکت
عقبےٰ میں ہو بریّت

نازوں کے پالے سو جا لے چیجی کھا لے سو جا

یہ شکر ہے خدا کا
جو احمدی بنایا
راہِ ہدیٰ دکھایا
اس پر ہمیں چلایا

نازوں کے پالے سو جا لے چیجی کھا لے سو جا

اے میرے پیارے بچے
جلدی جوان ہو کے
سچ کا دیا جلائے
دنیا کو راہ دکھائے

نازوں کے پالے سو جا لے چیجی کھا لے سو جا

سارے جہاں میں جانا
تبلیغ کر کے آنا
سب کو غرض بتانا
احمد نبی کا آنا

نازوں کے پالے سو جا لے چیجی کھا لے سو جا

مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

لے سو جا تھپک کر تجھے میں سلاؤں
ترے نیچے مخمل کے گدے بچھاؤں
ترے ساتھ میں آپ بھی لیٹ جاؤں
تجھے ایک میٹھی سی لوری سناؤں
میرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

دعا ہے کہ تیری بڑھے عمر و دولت
تجھے سارا عالم کہے نیک فطرت
تری دین دنیا میں ہو خوب شہرت
خدا دے تجھے عزت و خیر و برکت
مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

مری جان جس دن تو دولہا بنے گا
تو دیکھوں گی میں دولہا دلہن کا جوڑا
خدا دے گا پھر تجھ کو ننھا سا بچہ
یہی دن مری ساری خوشیوں کا ہو گا
مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

بڑا ہو کے اسکول میں جانا بچے
کتابوں کا بستہ بغل میں دبا کے
جو پڑھتا پڑھاتا رہا دل لگا کے
تو ہو جائے گا ایک دن بی اے۔ ایم اے
مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

تو دنیا کو شرک و ریا سے چھڑانا
مسیح زماں کی بشارت سنانا
سرینگر عیسیٰ کی تربت بتانا
محمدؐ کا رتبہ بڑھا کر دکھانا
مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

یہ کہنا محمدؐ کا کلمہ پڑھو تم
مسیح آگیا ہے نہ اس سے لڑو تم
جہالت پہ اپنی نہ ہرگز اڑو تم
بڑھو قادیاں کی طرف کو بڑھو تم
مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

مرے پیارے دنیا میں کچھ کام کرنا
صداقت کو ظاہر صبح و شام کرنا
بلند اپنے مذہب کا تو نام کرنا
لگے رہنا ہرگز نہ آرام کرنا
مرے پیارے سو جا کہ سب سو رہے ہیں

لڑکی کی لوری

سو جا چاند کے مکھڑے والی

سو جا چاند کے مکھڑے والی — سو جا اے نازوں کی پالی
سو جا میری بھولی بھالی — سو جا ماں تیری متوالی
سو جا چاند کے مکھڑے والی

سوئی اب تو خلقت ساری — تو بھی سو جا میری پیاری
تیرے صدقے تیرے واری — گھر بھر تجھ پر ہے بلہاری
سو جا چاند کے مکھڑے والی

پھول اپنی ڈالی پر سوئے — پودے بھی جھک جھک کے سوئے
پنچھی سب بے بستر سوئے — جا کر لوگ اپنے گھر سوئے
سو جا چاند کے مکھڑے والی

مرغی، چڑیا اور کبوتر — بلی کتے، گھوڑے، بندر
بچے، بوڑھے، نوکر چاکر — گھر گئے سارے نیند کے اندر
سو جا چاند کے مکھڑے والی

مریم، زینب، زینت، الفت — صغرا، کبرا، جنت، نصرت
صفیہ، رضیہ، بی بی عصمت — سب لیتی ہیں نیند میں راحت
سو جا چاند کے مکھڑے والی

نیند پہاڑوں پر سے آئی — ندی نالے پھاند کے آئی
کیسے چپکے چپکے آئی — سکھ کو ساتھ اپنے لے آئی
سو جا چاند کے مکھڑے والی

میر، فقیر، مسافر سویا — گھوڑے بیچ کے تاجر سویا
نوکر کام سے تھک کر سویا — اسلم بھی ہے جا کر سویا
سو جا چاند کے مکھڑے والی

روتے ہوئے بچے کو چپ کرانے کی لوری

نہ رو میرے بچے نہ رو

اچھے بچے جو ہوتے ہیں — دیکھ اتنا وہ کب روتے ہیں
وہ تو چپ کر کے سوتے ہیں — خود اٹھ کر وہ منہ دھوتے ہیں

نہ رو میرے بچے نہ رو

کیا تو مجھ سے جنگ کرے گا — اپنی ماں کو تنگ کرے گا
رو رو سب کو دنگ کرے گا — آنکھوں کو گلرنگ کرے گا

نہ رو میرے بچے نہ رو

پیارے جب تو جواں ہو جائے — تو بھی دین نبی پھیلائے
کھول کے لوگوں کو بتلائے — کہ وہ مہدی عیسیٰ آئے

نہ رو میرے بچے نہ رو

دیکھو تو اللہ کا پیارا — ہادی ہے محمودؐ ہمارا
جس نے دین حق کو ابھارا — اس کو جانے ہے جگ سارا

نہ رو میرے بچے نہ رو

کفر کے لشکر پر چڑھ جانا — اپنے تو جوہر دکھلانا
دنیا میں خالد کہلانا — ہر جانب سے جیت کے آنا

نہ رو میرے بچے نہ رو

جاں چھوٹے ایمان نہ چھوٹے — گھبراہٹ میں آن نہ چھوٹے
ہاتھوں سے قرآن نہ چھوٹے — اللہ کا فرمان نہ چھوٹے

نہ رو میرے بچے نہ رو

مہدی آیا عیسیٰ آیا — ہادی سب قوموں کا آیا
روحانی شہزادہ آیا — برکت دینے والا آیا

نہ رو میرے بچے نہ رو

ملکانہ من لگن بھجن

پوربی زبان میں

تمرے پھندوں میں اب ناہیں آویں گے ہم ہرگز
قدیاں والوں نے اب تمرا پول دیا ہے کھول
پنڈت جی بستر گول کرو
پنڈت جی بستر گول!

حمد باری تعالیٰ

سمر و نام ایکن کا منوا چھوڑو جگ کی مایا منوا
یا جگ سے کوئی پریت نہ کیجو ہے ایکو وہ داتا منوا
بت پوجن کی ریت تیاگو کرو اسی کی پوجا منوا
بن اس کے کو مالک ناہیں الاللہ الاللہ منوا
سمجھاون کو داس تہارو
اسلم ہے آیا منوا

نعت

کون کرے موہے پار، تم بن، کون کرے موہے پار

دیس عرب کے بسیّا موری نیّا پڑی منجھدھار
تم بن کون کرے موہے پار
نیا موری ڈوبن لاگی پکڑ لیو پتوار
تم بن کون کرے موہے پار
توری دوہائی دیوت ہوں میں تیرو ہی جے جے کار
تم بن کون کرے موہے پار
من میں ہمرو پاپ بھرو ہیں ہیں دکھیا درا چار
تم بن کون کرے موہے پار
نام تہارو ہے جی محمدؐ پار اتارن ھار
تم بن کون کرے موہے پار
نبی جی مورے ہردے میں آؤ من میں بسو اک بار
تم بن کون کرے موہے پار
اسلم ہے اک داس تہارو تیرو ہی کرت سہار
تم بن کون کرے موہے پار

نگریا میں چور آوت ہیں

ارے تم رہیو ہشیار — نگریا میں چور آوت ہیں
کئو تو آویں سنیاسی بن — گلے سمرنی ہاتھ بیراگن
بتیاں کریں پچکار
نگریا میں چور آوت ہیں

کبھی وہ آویں بجھن سناویں — ساجو باجو سنگ لیاویں
کرت وہ جھوٹ سے پیار
نگریا میں چور آوت ہیں

پیسے ٹکے کو نہ ہاتھ لگاویں — کچھ چیزن کو ناہیں اٹھاویں
دھرم چراویں یار
نگریا میں چور آوت ہیں

مایا دے دے شدھ بناویں — نیچ جاتی میں تمہیں ملاویں
کریں مہتر اور چمار
نگریا میں چور آوت ہیں

جھوٹ موٹ کے بھیا بنتے — دھرم کا نشٹ کر آگے رہتے
کہوں میں بارم بار
نگریا میں چور آوت ہیں

ہم تمرے ملکانہ بھیا — راجپوتن کی لاج رکھیا
دھرم نہ دیجو ہار
نگریا میں چور آوت ہیں

اسلم تمرو اک چاکریا — دیون آیو ایک خبریا
پھر آیو کرشن مرار
نگریا میں چور آوت ہیں

بھجن

یہ سب آریہ زور اپنا لگا لیں — مجال ان کی کیا نقش حق کو مٹا لیں
یہ مانا کہ مل مل کے کرتے ہیں کوشش — مگر نور پھونکوں سے کیسے بجھا لیں
صداقت کا سورج ہے دینِ محمدؐ — اجالے میں اس کے رہ حق کو پالیں
ہے بحر ضلالت میں غرقاب دنیا — بچالیں اسے احمدی ہی بچالیں
بڑھیں گے غلامانِ احمد بڑھیں گے — جو حاسد ہیں جل جل کے سینے جلا لیں
نہیں ہم تو بیٹھیں گے آرام سے اب — کہ بھارت کو جب تک نہ کلمہ پڑھا لیں

ادھر احمدیت کا خادم ہے اسلم
مقابل پہ اس کے وہ زور آزمالیں

متھرا کے ٹھاکرونکی پنچایت کا فیصلہ آریوں کے خلاف

کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
ان پنڈتوں کو دیکھو تو ہے آج کیا ہوا
شدھی کی آڑ میں کریں یہ سب کو آریہ
یہ سناتن دھرم کو مٹانے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
یہ اک طرف تو کرتے ہیں شدھی چماروں کی
ہیں کر رہے بھرشٹ ہماری برادری
نیچ جاتی میں ہم کو ملانے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
پنچایت تھی اسی لئے ہم ٹھاکروں نے کی
نو مسلموں کو سنگ ملائیں گے نہ کبھی
نا ہے پنڈت کے چکمے میں آنے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
اس پر کرو وچار بھیاً کیسے ہو سکو
نو مسلموں کے سنگ کھان پان تم کرو
کاہے ہندو دھرم کو مٹانے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے

پھر ان کو بیٹیاں بھی دیو رام رام رام
پت اپنی اس سے کیسے رہو رام رام رام
کیسی چالوں میں ہم کو پھنسانے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
نو مسلموں کے سنگ جس نے کھانا کھا لیا
باہر اسے برادری سے ہم نے کر دیا
وہ اکیلا ہی ڈنڈے بجانے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
جو ان کے سنگ آگے کو بھی کھائے اور پئے
ایسے ہی ہم اسے بھی نکالیں گے دیکھ لے
پھر نہ پیچھے وہ باتیں بنانے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے لگے
اسلم جی جو سبھا نے ہے یہ فیصلہ کیا
ملکانوں کو بھی آپ سنا دیں یہ سب کتھا
تاکہ دھوکے میں کوئی نہ آنے لگے
کیسا شدھی کا چرخہ چلانے ، لگے

شدھی کی ارتھی پر آریوں کا ماتم

برا ہو قسمت ترا برا ہو رلایا ہم کو ہنسا ہنسا کر
یہ کیسی دیدی شکست تو نے خوشی کی خبریں سنا سنا کر

قدم قدم پر لگا، کے دھکا بری طرح ہے زمیں پہ ٹپکا
غرض کیا ہے ذلیل و رسوا ہزار چھل بل دکھا دکھا کر

ہمیں یقیں تھا کہ آج کل میں ضرور کر لیں گے سب کو شدھی
مگر وہ خواب و خیال نکلا رہے ہیں شیخی جتا جتا کر

ہے ہم نے افسوس مال و زر کو اڑایا مانند خاک سمجھو
مگر نہ کچھ بھی تو ہاتھ آیا تھکے ہیں حیلے بنا بنا کر

رئیس راجوں کو ساتھ لے کر گئے دیہاتوں میں ہم تو گھر گھر
بٹھا گنواروں کو موٹروں پر ہیں ہارے ان کو منا منا کر

ہمارے بھائی جو لکھ پتی تھے انہوں نے مل مل کے ناک رگڑے
مگر وہ ملکانے اور بگڑنے رہے ہیں عزت گنوا گنوا کر

غرض کہ لالچ بہت دکھائے ہزار مکر و دغا سکھائے
جو چند مسلم بھٹک بھی آئے وہ بھاگے چٹیا کٹا کٹا کر

یہ جو مبلغ ہیں قادیانی اک ان سے ہم نے ہے ہار مانی
ہماری خوشیوں پر پھیرا پانی انہوں نے عقلیں لڑا لڑا کر

جو خام سا اک بنا لیا تھا قلعہ اشدھی کا مل ملا کے
گرا دیا دھم سے اب زمیں پر ہے بیخ و بن سے ہلا ہلا کر

کل ایک جوگی ادھر جو آیا تو نام اسلم ہمیں بتایا
لو اس نے بھی تو غضب ہے ڈھایا بھجن بہت سے سنا سنا کر

جونوں کا چکر

تماشہ عجب آریہ بن کے آئے
جہاں میں مجسم سزا بن کے آئے

یہ پچھلے جنم میں مہا پاپ کر کے
یہاں آج کیا کیا بلا بن کے آئے

کبھی ان پہ پھٹکار برسی خدا کی
تو انساں سے یہ بوزنہ بن کے آئے

قلابازیاں کھائیں نقلیں اتاریں
یہ بچوں کا ایک مشغلہ بن کے آئے

کبھی کھوٹے کرموں کے بدلے میں یارو
یہ خونخوار اک بھیڑیا بن کے آئے

کبھی ان کو دھتکارا پرماتما نے
تو یہ سانپ سی اک بلا بن کر آئے

ہمارا ہی اسباب یہ لادنے کو
یہاں اونٹ خچر گدھا بن کے آئے

کبھی مینڈکی بن کے ٹرا رہے ہیں
کہ پانی کے ہم بادشاہ بن کے آئے

کہاں تک بتاؤں میں جونوں کا چکر
نہ معلوم یہ کیا سے کیا بن کے آئے

نہیں ایشور بخش سکتا تبھی تو
یہ سب کچھ یہاں جا بجا بن کے آئے

غرض سارا سنسار رچنے کو اسلم
مہاشے اسیرِ گنہ بن کے آئے

پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

لو چھپکے بھاگ چلو کہ پھر ہو جائے نہ ایسا
پکی پکائی کھیر ہماری کر دیں وہ دلیا
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

بحث نہ کرنا ان سے ہرگز بحثوں سے بچنا
ورنہ ملکانوں کے اندر ہو گے تم رسوا
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

وید شاستر ستیارتھ بھی سب کچھ ان کو آئے
اور یہ بات بجا ہے گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

قدیاں والوں سے ہیں واقف بہت دیر سے ہم
دے دے لیکچر یہ کرتے ہیں یارو! ناک میں دم
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

شدھی کرنے جہاں پہ جائیں قدیانی بھی آجائیں
پیچھے پیچھے پھریں ہمارے جیسے ہو پرچھائیں
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

ہم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ شدھی کرنا ہے آساں
ایک یہاں پہ آکے پھنس گئی آفت میں ہے جاں
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

بہتر ہے کہ استر بستر باندھ یہاں سے جائیں
ایسا نہ ہو چلتے پھرتے اسلم جی آجائیں
پنڈت جی دوڑنا آتے ہیں قادیانی

خدا کی یاد

جل میں تو ہے تھل میں تو ہے آبادی میں اور ہے بن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

تو پھل میں ہے پھولوں میں ہے رنگ ہے تیرا سارے چمن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

سورج چاند میں جوت ہے تیری تو ہی اگن میں تو ہی پون میں
یاد تری ہے ہردم من میں

تو بھگتوں کے من میں بسا ہے گھٹ گھٹ میں ہے ان کے تن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

تیری جوت کی کرن عرب میں آن پڑی اک من موہن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

سندر سا ہے نام محمدؐ مکتی ہے جس کے درشن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

مہما گاؤ سارے اس کی سکھ بھوگو اس کے چرنن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

جھوٹا ہے سنسار یہ اسلم کچھ نہیں راکھا دولت دھن میں
یاد تری ہے ہردم من میں

محبوب حقیقی کی تڑپ

کیا بات بتاؤں اے ری سکھی میں تجھ کو اپنے ساجن کی
کہ جس کے پریم میں ہوش نہیں رہتی ہے مجھ کو تن من کی

جب اس کی یاد ستاتی ہے دل گھٹتا ہے، غم بڑھتا ہے
دن رین پڑی یوں روتی ہوں جوں جھڑیاں لگی ہوں ساون کی

جب ترس کہیں آجاتا ہے اس میرے رونے دھونے پر
چپکے سے من میں آ بیٹھے اور جوت جگے میرے من کی

جھٹ اس کی شرن میں پڑتی ہوں اور منت کر کے کہتی ہوں
ہر وقت ہی میرے من میں بسو تا قسمت جاگے پاپن کی

تو دین مرا ایمان مرا مطلوب مرا مقصود مرا
تو عیش مرا آرام مرا میں بھوکی تیرے درشن کی

یہ فضل ترا انعام ترا، احسان ترا، اکرام ترا
جو تونے اپنے اسلم کی دم بھر میں کٹیا روشن کی

یورپی زبان میں، فرقت

کوئی پریت کا پیاسا روت ہے رو رو کے پرانن کھووت ہے
اک ٹھلیا سے کیا ہووت ہے بھر بھر کے جام پلا دینا

ہو پریم بھرا ایسا وہ نشہ جو راکھے مست الست سدا
دن رین برابر رہے چڑھا یہ حسرت ہے سو مٹا دینا

کوئی ایسا جام پلا ساقی نہ کھوٹ رہے ذرّہ باقی
ہو جاوے نوری یہ خاکی اک ایسا جلوہ دکھا دینا

تو بیٹھا عربستان میں مَیں تڑپت پاکستانن میں
اے پیتم آئیو آنن میں کچھ درد کی آکے دوا دینا

من یاد کرت توری پل پل جیا فرقت میں ایسو بیکل
جوں مچھلی تڑپت ہے بن جل اک جلدی سے چھینٹا دینا

اے آقا تو ہے مجھ سے جدا جی بھر بھر میرا ہے آتا
اک عرض مری ہے نامِ خُدا جلد اپنا چہرہ دکھا دینا

یہ حالت تورے اسلم کی ہے سر پہ گٹھریا پاپن کی
اس بوجھ سے ٹوٹ کمریا گئی کچھ اس کے حق میں دعا دینا

توں چل ہُن ربوہ دے ول چل

جتھے کفر شرک سب نسدے نے
جتھے وحدت دے پھل ہسدے نے
جتھے حضرت مہدی وسدے نے
اٹھ جلدی کر نہ کر اج کل

توں چل ہن ربوہ دے ول چل

اوتھے مومن بندے رہندے نے
اوتھے علمی چشمے بہندے نے
اتے میں کی سارے کہندے نے
کر چل کے اپنا مقصد حل

توں چل ہن ربوہ دے ول چل

کیوں پاپاں گھیرا پایا اے
کیوں من ایتھے اٹکایا اے
اٹھ حضرت مہدی آیا اے
چل اسدا چل کے بوہا مل

توں چل ہن ربوہ دے ول چل

احمد نے باغ لگایا اے
مہدی نے آکے ودھایا اے
اسلم نے آکھ سنایا اے
چل چھڈ کے اپنے سب ول چھل

توں چل ہن ربوہ دے ول چل
توں چل ہن ربوہ دے ول چل

سن اسلم ایتھوں جانا اے
ایہہ دنیا مسافر خانہ اے

اٹھ اپنے بھاگ جگا اسلم
دل دنیا نال نہ لا اسلم
جے اپنے رب نوں پانا اے
سن اسلم ایتھوں جانا اے ایہہ دنیا مسافر خانہ اے
ایہہ چار وناں دا میلہ اے
اٹھ جاگ اجے تاں ویلا اے
اے مڑ مڑ ہتھ نئیں آنا اے
سن اسلم ایتھوں جانا اے ایہہ دنیا مسافر خانہ اے
چل احمد دے دربار نوں چل
جے مشکل کرنی اپنی حل
جے دکھ تے درد مٹانا اے
سن اسلم ایتھوں جانا اے ایہہ دنیا مسافر خانہ اے
کیوں نیند نے پایا گھیرا اے
گھر اگے چل کے تیرا اے
چل جلدی آخر جانا اے
سن اسلم ایتھوں جانا اے ایہہ دنیا مسافر خانہ اے

میری پیاری ماں

میری پیاری ماں تجھے جب سے نہیں پاتا ہوں میں
خون دل پیتا ہوں میں لخت جگر کھاتا ہوں میں

رنج و غم سے اک گھڑی فرصت نہیں ملتی مجھے
بلکہ اکثر بیٹھا بیٹھا غم میں کھو جاتا ہوں میں

جاں گھٹی جاتی ہے میری اس قدر بے چین ہوں
اپنی حالت پہ ذرا قابو نہیں پاتا ہوں میں

کیا خبر تھی اس قدر جلدی جدا ہو جائے گی
یاد کر کے تجھ کو دیوانہ سا ہو جاتا ہوں میں

تونے جا کر اب تلک کوئی خبر بھیجی نہیں
دم گھٹا جاتا ہے میرا گھر میں جب آتا ہوں میں

جانتا ہوں اب نہ تیری کچھ بھی آئے گی خبر
ہائے اس نادان دل کو لاکھ سمجھاتا ہوں میں

کیسے کیسے دکھ اٹھا کے تونے پالا تھا مجھے
تیری شفقت یاد کر کے آج چلاتا ہوں میں

وائے نادانی نہ میں کچھ کر سکا خدمت تری
یہ خیال آتے ہی بس وارفتہ ہو جاتا ہوں میں

رات کی تنہائی میں میری پریشانی نہ پوچھ
چپکے چپکے روتا روتا غم میں سو جاتا ہوں میں

جی میں آتا ہے کہ میں ہر وقت سوتا ہی رہوں
خواب میں مل کر تجھے دل کچھ تو بہلاتا ہوں میں

کیا ہوئی جس کو کہا جاتا ہے ماں کی مامتا
آ خبر لے غم میں گھل گھل کر مرا جاتا ہوں میں

کھانا پینا راحت و آرام سب جاتے رہے
اچھی اماں اب تو جینے سے بھی گھبراتا ہوں میں

قصہ، درد و الم کس سے کہوں جا کر بتا
کوئی بھی غمخوار دنیا میں نہیں پاتا ہوں میں

خوش نصیبی سے بہشتی مقبرہ میں جا بسی
اپنے رب کا شکریہ ہردم بجا لاتا ہوں میں

یاالٰہی میری ماں کو اپنی رحمت میں لپیٹ
وسعت رحمت کو تیری بیکراں پاتا ہوں میں

میرے مولا اپنے اسلم کی دعا منظور کر
ہوں برا بندہ مگر تیرا ہی کہلاتا ہوں میں

دعا

ہماری دعا سن لے اے ربِّ اکبر   ہم آئے ہیں عاصی ترے در پر چل کر
تو خالق ہے مالک ہے سارے جہاں کا   تجھے چھوڑ کر جائیں ہم کس کے در پر
چھپا لے تو رحمت کی چادر میں پیارے   کہ ہم تیرے بندے ہیں تو بندہ پرور
تیری ذات میں پائی ذرہ نوازی   ہمیں علم و عرفان سے بہرہ ور کر
تیرا نور پھیلائیں سارے جہاں میں   بنیں ملک اور قوم کے اچھے رہبر
رہیں ہم محبت سے مل جل کے سارے   طبیعت ہمیں ایسی اچھی عطا کر
سدا بیج نیکی کا بوئیں جہاں میں   ہماری بھلائی کا چرچا ہو گھر گھر

کریں کام نیکی کے ہم ایسے اسلم
کہ کچھ نام دنیا میں رہ جائے مر کر